سیرتِ امام الانبیاء (علیہ الصلوٰۃ والسلام)

(قرآن اور بائیبل کی روشنی میں)

قرآن پاک، احادیثِ مبارکہ، توراۃ، زبور، انجیل، صحائفِ انبیاء
اور اخبارات و رسائل کے سینکڑوں حوالوں سے مزین کتاب

تالیف:

سید محمد سعید الحسن شاہ

ناشر:

مکتبہ نوریہ رضویہ، گلبرگ اے فیصل آباد

نام کتاب ________ سیرت امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

مؤلف ________ سید محمد سعید الحسن شاہ

کتابت ________ محمد عاشق حسین ہاشمی، چنیوٹ

طابع ________ سید حمایت رسول قادری

بار اوّل ________ چہارم۔ اگست ۱۹۹۷ء

طباعت ________ گنج شکر پرنٹرز لاہور

تعداد ________ ایک ہزار

صفحات ________ ۴۲۴

ہدیہ ________ ۹۰ روپے

ناشر:

مکتبہ نوریہ رضویہ گلبرگ اے فیصل آباد

فہرست

مقدمہ

کتاب کی تالیف کا سبب

پاکستان میں عیسائیت

باب اول: فضائل سید المرسلین علیہ السلام ۱۷

فضائل مصطفیٰ (علیہ السلام) بکلام خدا (جل شانہٗ) ۱۸

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا ... ۱۸

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ ... ۱۹

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ ... ۲۰

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ ... ۲۱

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ... ۲۱

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ ... ۲۳

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ... ۲۴

فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى ... ۲۵

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ .. ۲۷

وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ... ۲۸

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ ... ۲۸

یٰاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ ... ۲۹

یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ ... ۳۰

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ ... ۳۲

(لفظ اُمّی کے معنیٰ اور دلائل)

قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ... ۴۰

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ ... ۴۱

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ ... ۴۲

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ... ۴۳

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ ... ۴۳

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ .. ۴۴

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ ... ۴۴

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ... ۴۶

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ ... ۴۸

(واقعہ معراج اور دلیل نبوت)

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ ... ۵۳

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِیْنَ ... ۵۵

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ... ۵۷

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ .. ۶۱

(لفظ محمد کے معانی اور ایمان افروز بحث) ۶۲

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا ... ۶۸

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ....	۷۳	قرآن پاک اور سائنس	۱۱۶
وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ	۷۶	تولیدِ انسانی کی ابتدائی حالت	۱۱۸
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا	۷۷	تخلیقِ انسانی کے دوسرے مراحل	۱۱۹
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا	۷۸	کنیڈا کے نامور ڈاکٹر کی حیرانی	۱۲۱
اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ	۸۱	پاکستان کے پادری عمینوئل کا اعتراف	۱۲۲
اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ	۸۴	نامور مسیحی ڈاکٹر کا قبولِ اسلام	۱۲۴
عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ ...	۸۶	صداقتِ اسلام کی ایک اور تابناک شہادت	۱۲۵
بابِ دوم : دلائل النبوۃ	۸۸	تیرہ سو سال بعد لاشوں کی برآمد	۱۲۶
اخبارِ غیب (مختلف واقعات)	۸۹	جرمن ڈاکٹر کا قبولِ اسلام	۱۲۸
علامات القیامۃ	۹۲	قرآن پاک کے سراپا معجزہ ہونے	۱۳۰
حجاز کی آگ	۹۶	کی ایک اور عظیم الشان دلیل	
حادثۂ بغداد	۹۹	کمپیوٹر اور قرآن پاک	۱۳۰
دیگر علاماتِ قیامت	۱۰۱	"۱۹" کے ہندسے کی تفصیل	۱۳۳
یاجوج وماجوج	۱۰۶	معاندینِ قرآن غور کریں	۱۳۴
دُخان (دھواں)	۱۰۶	سورۃ التوبہ وسورۃ النمل	۱۳۵
مغرب سے طلوعِ آفتاب، دابۃ الارض	۱۰۷	حروفِ مقطعات اور "۱۹" کا ہندسہ	۱۳۵
ایک بڑی آگ کا ظہور، نفخِ صور	۱۰۸	اَب سوچیے !	۱۳۷
اعجاز القرآن	۱۰۹	بذریعہ کمپیوٹر ایک اور محیر العقول انکشاف	۱۳۹
فصاحت وبلاغت	۱۰۹	بعض دیگر معجزات کا اجمالی ذکر	۱۴۴
ہیئتِ کلام واسلوبِ بیان	۱۱۲	شق القمر	۱۴۵
قرآن پاک کے واقعات اور پیشگوئیاں	۱۱۵	کھانے، پانی میں فراوانی	۱۴۶

بیماروں کا شفایاب ہونا ۱۴۹
مُردوں کا زندہ کرنا ۱۵۲
حیوانات کا اظہارِ طاعت و کلام ۱۵۵
نباتات و جمادات کا اطاعت و کلام کرنا ۱۵۹
بعد از رحلت معجزات ۱۶۴
باب سوم: پہلی کتبِ سماوی میں ذکر مصطفےٰ علیہ السلام اور واقعات علماء اہلِ کتاب ۱۶۹
حضرت عبداللہ بن سلام کا قبولِ اسلام ۱۷۱
سلمہ بن سلام کا قبولِ اسلام ۱۷۴
محمد بن عدی کا واقعہ ۱۷۵
حضرت سلمان فارسی کا قبولِ اسلام ۱۷۵
عظیم عیسائی بادشاہ ہرقل روم کا تذبذب ۱۸۱
حضرت نجاشی حاکم حبشہ و علماء نصاریٰ کا قبولِ اسلام ۱۵۶
خسرو پرویز کا انکار اور تباہی ۱۸۹
عیسائی علماء کا مباہلے سے فرار ۱۹۱
موجودہ بائبل اور ذکرِ حضور ختم الرسل ۱۹۴
بشارت ۱ (محافظ) ۱۹۴
بشارت ۲ (نبی) ۱۹۶
بشارت ۳ (مددگار) ۱۹۷
بشارت ۴ ، ۵ (مددگار، دنیا کا سردار) ۱۹۸
بشارت ۶ (مددگار، گواہ) ۲۰۱
بشارت ۷ (مصلح) ۲۰۲
ظہورِ اسلام سے قبل حالاتِ زمانہ ۲۰۳
بشارت ۸ (سچائی کی راہ دکھانے والا، آئندہ کی خبریں دینے والا) ۲۰۷
بشارت ۹ (بنو اسماعیل سے نبی) ۲۰۹
کیا یہ بشارت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے؟ ۲۱۰
انجیل برناباس ۲۱۲
انجیل برناباس میں مندرج چند ایک بشارتیں ۲۱۷
باب چہارم: موجودہ عیسائیت ۲۲۲
پولس اور اُس کا مذہب ۲۲۲
اختلاف کی بنیاد اور یروشلیم کونسل کا فیصلہ ۲۲۸
توراۃ ۲۳۰
پولس کی خیانت ۲۳۱
توراۃ کی مخالفت ۲۳۴
توہینِ عیسیٰ علیہ السلام ۲۳۴
پولس کے ایجاد کردہ بعض دوسرے عقائد ۲۳۵
عقیدۂ تثلیث ۲۳۵
عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں بلکہ خدا ایک ہے ۲۴۰
کائنات میں کوئی دوسرا خدا نہ ہونے کے چند عقلی دلائل ۲۴۳
عقیدۂ کفارہ ۲۴۶
حیاتِ ثانی و تعظیمِ صلیب ۲۵۱
موجودہ بائبل کے محرف ہونے کے دلائل ۲۵۳

اناجیلِ اربعہ	۲۵۴	سوچیے!	۳۱۶
اناجیلِ اربعہ کی تالیف کا زمانہ	۲۵۸	حضرت داؤد علیہ السلام اور قرآنِ عظیم	۳۱۶
عیسیٰ علیہ السلام کے نسب میں بائیبل کے اختلافات اور غلطیاں	۲۶۴	حضرت سلیمان علیہ السلام اور بائیبل	۳۱۷
		حضرت سلیمان علیہ السلام اور قرآنِ کریم	۳۱۸
عہد نامہ قدیم کی کتب	۲۶۸	حضرت ہارون علیہ السلام اور بائیبل	۳۱۸
حوالہ جات کی تحریر کا مقصد	۲۶۹	حضرت ہارون علیہ السلام اور قرآن پاک	۳۱۹
باب پنجم: حضور امام الانبیاء علیہ السلام بحیثیتِ محافظ عصمتِ انبیاء علیہم السلام	۲۸۰	خلاصۂ کلام	۳۲۰
	״	اعلانِ خداوندی	۳۲۲
موجودہ بائیبل اور عصمتِ انبیاء علیہم السلام	۲۸۲	باب ششم: حُلیۂ مبارک امام الانبیاء علیہ السلام	۳۲۴
حضرتِ آدم علیہ السلام اور بائیبل	۲۸۴	ذاتِ لاثانی، پسینہ مبارک، لعابِ دہن	۳۳۰
حضرت آدم علیہ السلام اور قرآن پاک	۲۸۸	بول و براز	۳۳۱
اس واقعہ میں قرآن و بائیبل کا تقابلی جائزہ	۲۹۰	اندازِ تکلم و صوتِ مبارک	۳۳۲
مقصدِ واقعہ	۲۹۳	باب ہفتم: سیرتِ امام الانبیاء اور غیر مسلم مدبرین کے تاثرات	۳۳۳
حضرت اسرائیل اور بنی اسرائیل (قرآن و بائیبل)	۲۹۶		
نوح علیہ السلام اور بائیبل	۳۰۵	سر ولیم میور کے تاثرات	۳۳۴
نوح علیہ السلام اور قرآن مجید	۳۰۶	باسورتھ اسمتھ	۳۳۵
حضرت یعقوب علیہ السلام اور بائیبل	۳۰۷	پروفیسر موسیو سڈیو	۳۳۶
ایک اور حملہ (دوسرا بیٹا)	۳۰۹	الکس لوازون	۳۳۷
حضرت لوط علیہ السلام اور بائیبل	۳۱۱	کانٹ ہنری دی کاسٹری	۳۳۷
حضرت لوط علیہ السلام اور قرآن پاک	۳۱۲	پروفیسر اڈوارڈ مونتے	۳۳۸
حضرت داؤد علیہ السلام اور بائیبل	۳۱۳	رابرٹ ایل۔ گلک	۳۳۸
توہین پر توہین	۳۱۴	منٹگمری واٹ	۳۳۹

میجر آرتھر کلارن لیونارڈ	۳۳۹	جناب کالکا پرشاد	۳۵۲
ڈاکٹر رابرٹس	۳۴۰	کبیر داس بنارسی	۳۵۳
جان جاک ویلیک	۳۴۰	سور جہان آبادی	۳۵۴
سادھوٹی-ایل وسوانی	۳۴۱	دلو رام کوثری (دکوثر علی کوثری)	۳۵۵
جارج برناڈ شا	۳۴۲	کیفی دہلوی، پنڈت برجموہن دتاتریہ	۳۵۶
پروفیسر ٹامس کارلائل	۳۴۲	عرش ملسیانی (پنڈت بالمکند بی-اے)	۳۵۷
ڈاکٹر گبن	۳۴۴	کنور مہندر سنگھ بیدی سحر	۳۵۸
مسٹر مارماڈیوک پکتھال	۳۴۵	بھگوان، رانا بھگوان داس بی-اے	۳۵۹
مسٹر والٹر	۳۴۵	دلو رام کوثری	۳۶۰
ریو سٹینس	۳۴۶	رانا بھگوان داس بھگوان	۳۶۱
مسٹر جارج ریواری	۳۴۷	امر چند قیس جالندھری	۳۶۴
مسٹر جارج سیل	۳۴۷	پنڈت ہری چند اختر ایم-اے	۳۶۶
مسٹر ایس-پی اسکاٹ	۳۴۸	راجندر بہادر موج بی-اے ایل ایل بی	۳۶۷
پروفیسر ہٹی سمتھ	۳۴۸	چاند بہاری لال صبا جے پوری	۳۶۹
مسٹر اینی بینٹ	۳۴۹	شام سندر باصر کاشمیری	۳۷۰
ڈاکٹر موریس	۳۴۹	لالہ بیلی رام کشمیری	۳۷۱
پروفیسر پی-کے ہیٹی	۳۵۰	پربھو دیال عاشق لکھنوی	۳۷۲
باباگورونانک	۳۵۰	مہاراجہ سر کشن پرشاد (سابق وزیر اعظم حیدرآباد)	۳۷۳
سوامی لکشمن جی مہاراج	۳۵۱	منشی تلوک چند محروم	۳۷۷
ڈاکٹر کیتھ ایل مور	۳۵۱	جگن ناتھ آزاد ایم-اے	۳۷۷
باب ہشتم، بارگاہ خیرالانام علیہ الصلوٰۃ والسلام میں غیر مسلم شعراء کا ہدیۂ عقیدت	۳۵۲	گوبند پرشاد فضا	۳۷۹
		پنڈت بالمکند عرش ملسیانی بی-اے	۳۸۰

لالہ لال چند صاحب فلک ۳۸۲
منشی بشیشور پرشاد منوّر لکھنوی ۳۸۳
لالہ مرلی دھر پرشاد دہلوی ۳۸۴
سردار کنور مہندر سنگھ بیدی سحر ۳۸۵
سردار گوربخش سنگھ مخمور جالندھری ۳۸۷
ستیہ پال اختر رضوانی ۳۸۷
برہم ناتھ دت قاصر ۳۸۸
شیر سنگھ شمیم فرخ آبادی (سابق ڈسٹی مجسٹریٹ) ۳۸۸
منشی انند کشور یکتا ۳۸۹
دیوان نند کشور عشق ۳۸۹
دھرم پال گپتا، وفا ۳۹۱
ڈاکٹر ماتا پرشاد زیب دہلوی ۳۹۲
وشنو کمار شوق لکھنوی ۳۹۳
سندر لال حمید ۳۹۴
ڈاکٹر شیر پرتاب سنگھ کشل ۳۹۵
منشی پیارے لال رونق دہلوی ۳۹۶
بسمل الہ آبادی ۳۹۷
فراق گورکھپوری ۳۹۷
ساحر ہوشیارپوری (پروفیسر دہلی کالج) ۳۹۸
روشن لال نعیم ۳۹۹
رشی پٹیالوی ۴۰۰
شنکر لال ساقی سہارنپوری ۴۰۰
نردیو سنگھ اشک جالندھری ۴۰۲
سادھو رام آرزو سہارنپوری ۴۰۲
کرشن لال موہن بی اے آنرز، ایم اے انگریزی ۴۰۳
ہرلال سونی بی اے آنرز، ایم اے انگریزی ۴۰۳
کرسن لال ادیب لکھنوی ایم۔ اے فارسی ۴۰۵
تیج ونت رائے ساحر سنامی بی۔ اے ۴۰۶
پنڈت ڈلا رام رتن ادیب فاضل، منشی فاضل ۴۰۷
جگن ناتھ کمال کرتارپوری بی اے فاضل اردو فارسی ۴۰۸
لالہ تارا چند تارا لاہوری ۴۰۹
منشی لچھمن نرائن سخا ڈسٹی مجسٹریٹ جے پور ۴۱۰
لالہ چندی پرشاد ۴۱۲
لالہ چھنومل ناقد دہلوی ۴۱۳
ستیش چند طالب دہلوی ۴۱۴
عرش صہبائی ۴۱۵
سرداری لال نشتر میرٹھی ۴۱۶
بابو برج گوپی ناتھ بیکل امرتسری ۴۱۷
لالہ رام سروپ شیدا بی۔ اے ۴۱۸
گنیش لال خستہ دہلوی ۴۱۹
اودھے ناتھ نشتر لکھنوی ۴۲۰
(ہندو شاعرہ) شریمتی بُوا دِتّی ۴۲۱
(ہندو شاعرہ) رام پیاری لکھنوی ۴۲۱
کتابیات ۴۲۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اِلٰهًا وَّاحِدًا اَحَدًا صَمَدًا حَيًّا قَيُّوْمًا لَّمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ وَاَفْضَلُ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَاَكْمَلُ تَسْلِيْمَاتِ اللّٰهِ وَاَنْمٰى بَرَكَاتِ اللّٰهِ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِ اللّٰهِ اِمَامِ الْاَنْبِيَاءِ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْعَطَاءِ الَّذِيْ كَانَ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الطِّيْنِ وَالْمَاءِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

حضور سرورِ کونین، خواجۂ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی توصیف و سیرت میں یہ کتاب نہ تو کوئی پہلی کوشش ہے اور نہ ہی اس سلسلہ کی یہ آخری کڑی ہے، بلکہ حق تو یہ ہے کہ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی تعریف تب سے جاری ہے کہ جب ابھی نہ تو فرشِ زمین ہی معرضِ وجود میں آیا تھا اور نہ ہی اس پر فلک نیلگوں کا خیمہ تنا تھا اور یہ تعریف تب بھی ہو گی کہ جب (تعریف کرنے والا) سوائے ذاتِ باری تعالیٰ کے کوئی بھی نہ رہے گا۔ یہ بات آفتابِ نصف النہار سے بھی زیادہ عیاں اور روشن و تاباں ہے کہ پوری مخلوقات ارضی وسماوی میں جس قدر تعریف و توصیف میرے آقا رسولِ عربی (فداہ روحی وجسدی) امی و ابی، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہو چکی ہے، ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی، اس کے عشر عشیر بھی کسی دوسری ہستی کی تعریف و توصیف نہیں۔ ثنائے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں مسلم و غیر مسلم عرب و عجم والے تحت و فوق والے، یمین و یسار والے سب کے سب رطب اللسان ہیں۔ اور ہستی محمد[1] صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حمد صرف اس دنیا تک ہی محدود نہیں بلکہ میدانِ محشر میں تو ان کی حمد اس سے

---

[1] لفظ محمد کا معنیٰ ہے "الذی یحمد حمدًا بعد حمدٍ" یعنی ایسی ہستی کہ جس کی (ہمیشہ) تعریف پر تعریف ہوتی رہے۔

کہیں زیادہ ہوگی۔

میرے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں بے شمار کتب موجود ہیں۔ آکسفورڈ کے نامور دانشور مسٹر مارگولیتھ اپنی کتاب "محمد" کے دیباچہ میں اس غیر مختتم سلسلہ کا یوں اعتراف کرتے ہیں کہ "محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے سوانح نگاروں کا ایک وسیع سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا غیر ممکن ہے، لیکن اس میں جگہ پانا قابلِ فخر چیز ہے۔" بایں ہمہ زیرِ نظر کتاب "سیرتِ امام الانبیا" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) دوسری کتب سے اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں آپ کو سیرتِ مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ساتھ دینِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تحفظ کا احساس بھی ملے گا اور دنیا میں بڑھتی ہوئی عیسائیت کو روکنے کے لیے عیسائیت کے اصل خدوخال کا بھی پتہ چلے گا۔

کتاب کی تالیف کا سبب

کئی سال قبل اس بندۂ ناچیز (مولفِ کتاب ہذا) نے محض ذوقِ مطالعہ کی غرض سے بائیبل کا ازاوّل تا آخر سرسری سا مطالعہ کیا تھا اور بعض جگہوں پر اپنے قلم سے نشانات بھی لگائے، اس وقت یہ بات تصور میں بھی نہیں تھی کہ کبھی ان ہی نشانات کی مدد سے ایک عظیم الشان کتاب بھی ترتیب پا جائے گی۔ پھر ۱۹۸۵ء میں چند ایک چونکا دینے والی خبریں اخبارات کی زینت بنیں۔ مثلاً: "بنگلہ دیش میں کئی لاکھ مسلمان عیسائی ہو گئے۔"

"ضلع رحیم یار خاں میں کئی ہزار (غیر مسلم) افراد نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔"

ان دونوں جگہوں میں لوگوں کی انتہائی غربت اور مشنری کا عیسائی پیسہ کام آیا۔ سونے چاندی کی چمک نے ان لوگوں کو تبدیلیٔ مذہب پر آمادہ کر لیا اور ایمان کے سوداگروں نے ان کے ضمیر کو نقداً خرید لیا۔ اسی دوران ۱۰ نومبر ۱۹۸۵ء کو قومی اخبارات میں ایک اور خبر شائع ہوئی،

"انڈونیشیا میں ڈیڑھ کروڑ[1] مسلمانوں کو عیسائی بنا لیا۔ مسلمانوں کے اس سب سے بڑے ملک میں ۶۵۰ عیسائی مشن کام کر رہے ہیں۔"

---

[1] خیال رہے کہ بعد میں شائع ہونے والی خبروں کے مطابق عیسائیوں نے اس تعداد میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔

اس خبر سے صرف چند ماہ قبل یعنی مارچ ۱۹۸۵ء میں ایک ماہنامہ کے حوالہ سے سیالکوٹ کے پادری ولیم مسیح کا ایک اشتہار بنام "مسلمانوں جواب دو" نظر سے گزرا۔ ولیم مسیح نے اپنے اس اشتہار میں بعض غیر معتبر کتابچوں کے حوالہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم (معاذ اللہ) مر کر مٹی میں مل گئے ہیں آپ بالکل بے اختیار اور مجبور محض ہیں اور یہ بھی کہ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جیسا علم (معاذ اللہ) عامی اشخاص بلکہ بچوں، پاگلوں، حتیٰ کہ جانوروں تک کو حاصل ہے۔"

ولیم مسیح نے مزید تحریر کیا کہ "ہم تمہیں دعوت دیتے ہیں کہ ہمارے عیسیٰ مسیح کا کلمہ پڑھو، کیونکہ تمہارے قرآن سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی حضرت عیسیٰ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ اور ہمارے عیسیٰ مسیح اندھوں کو بینائی، کوڑھیوں کو تندرستی اور مُردوں کو زندگی بخشتے تھے اور ہمارے نبی نے اپنی ماں کی گود میں اپنے نبی ہونے کی، کتاب ملنے کی اور اپنی ماں کی پاک دامنی کا اعلان فرمایا۔ قرآن سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی عیسیٰ مسیح پوشیدہ بات کا علم رکھتے تھے۔ اس لیے آؤ مسلمانو! ہمارے نبی عیسیٰ مسیح کا کلمہ پڑھو جو زندہ، با اختیار اور علم والے ہیں، ورنہ مردہ، بے اختیار اور بے علم نبی پر ایمان رکھنا بے سود ہے اور تم کافر ہی رہو گے۔"

یہ تھے وہ اسباب کہ جنہوں نے اس ناچیز کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ کہیں علماء کی غیر ذمہ دارانہ تحریریں اور روش عیسائیت میں اضافہ کا سبب تو نہیں؟ اس کا موثر طریقہ سے سدِ باب ضرور ہونا چاہیے۔ اگرچہ اس ناچیز کو اپنی علمی کم مائیگی کا پورا پورا احساس تھا اور اب بھی ہے، مگر اپنے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نعلینِ مقدس کے صدقے اور اپنے پروردگار کی بے پایاں رحمت کی امید پر اس کتاب کی ابتدا کر دی۔ الحمد للہ تعالیٰ ثم الحمد للہ تعالیٰ۔ وہ قادرِ مطلق کہ جس نے معمولی مچھر سے متکبر نمرود کی خدائی کا بت پاش پاش کیا، جس نے چھوٹے چھوٹے پرندوں سے ابرہہ کے ہاتھیوں

کا لشکر تباہ کیا، اسی قادرِ مطلق نے اپنے اس ضعیف بندے کو یہ عظیم الشان کتاب مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس سعادتِ عظمیٰ پر یہ بندۂ ناچیز اپنے رحیم و کریم پروردگار کے حضور سراپا سپاس ہے اور امیدوار ہے کہ یہ کتاب اللہ تبارک و تعالیٰ اور اُس کے محبوبِ کریم حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوشنودی کا سبب بن کر کل بروزِ محشر اس عبدِ ضعیف کے لیے ذریعۂ نجات بنے گی۔ آمین ثم آمین!

پاکستان میں عیسائیت

۱۹۷۶ء میں نیشنل کرسچن لیگ کے صدر اور جنرل سیکرٹری کا ایک بیان اخبارات میں چھپا کہ پاکستان میں عیسائی آبادی ساڑھے لاکھ[1] ہے۔ اگرچہ یہ دعویٰ باطل تھا، کیونکہ اُن کے نزدیک غالباً ہر وہ شخص عیسائی ہے کہ جو اُن کے مشنری اسکولوں یا اداروں کے لٹریچر کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک سوالنامہ پُر کرکے اُن کو بھیج دیتا ہے اور مشنری اُسے کامیابی کا سرٹیفکیٹ یا دوسرے لفظوں میں عیسائیت کی سند جاری کر دیتی ہے۔ جاہل مسلمان اُس سوالنامے میں حضرت عیسیٰ ابنِ مریم علیہما السلام کو (معاذ اللہ) خدا کا بیٹا اور نجات دہندہ کے طور پر درج کرتا ہے جو کہ مسلمان کے عقیدۂ توحید کے بالکل خلاف ہوتا ہے۔ بنابریں عیسائی اُسے اپنی جماعت کا رُکن تصور کر لیتے ہیں، حالانکہ اس مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا، وہ محض اپنی بے وقوفی اور جہالت کی وجہ سے سوالنامہ میں دیئے گئے اشارات کے مطابق جوابات میں یہ تحریر کرتا ہے۔

بایں ہمہ یہ بات باعثِ تشویش ہے کہ قیامِ پاکستان کے وقت مشرقی اور مغربی پاکستان میں عیسائیت کی کل آبادی اسی[2] ہزار تھی۔ ۱۹۵۱ء میں صرف مغربی پاکستان میں عیسائی آبادی بڑھ کر چار لاکھ چونتیس ہزار ہو گئی۔ ۱۹۶۱ء میں ۵ لاکھ ۸۳ ہزار ۸ سو ۸۴ ہو گئی۔ ۱۹۷۱ء تک یہ آبادی ۹ لاکھ ۷ ہزار ۸ سو تھی، جبکہ ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق مسیحی آبادی ۱۳ لاکھ ۱۰ ہزار ۴ سو ۲۶ ہو چکی تھی۔ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۸۱ء تک ۳۰ سال کے عرصے میں مسیحی آبادی کے بڑھنے کا تناسب تقریباً ۲۰۲ فی صد رہا، جبکہ مسلمان آبادی کے بڑھنے کا تقریباً

---

[1] عیسائیت کی تبلیغ و تخریب [2] مذکورہ

۱۹۴۹ء فی صد رہا۔

یہ بات انتہائی حیران کن ہے کہ فرنگی کے سو سالہ دورِ اقتدار، سرکاری اثر و رسوخ اور مراعات کے باوجود مشرقی اور مغربی پاکستان میں عیسائی آبادی اسّی ہزار سے نہ بڑھ سکی اور پھر قیامِ پاکستان کے بعد عیسائی آبادی میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو دورِ غلامی میں مسلمان علماء کرام اور بزرگانِ دین نے عیسائی مبلغوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اُن کے لیے سدِّ راہ ثابت ہوئے، مگر قیامِ پاکستان کے بعد علماء (الّا ماشاء اللہ) اس مشن سے بالکل غافل ہو گئے اور فرقہ سازی و فرقہ بازی میں مصروف ہو گئے۔ اس طرح عیسائی مشنریوں کے لیے میدان صاف ہو گیا اور دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے خصوصًا امراء طبقہ نے اسلامی تعلیم کو چھوڑ کر انگریزی تعلیم کو اپنا لیا، جبکہ اسلامی مدارس میں عمومًا ذہنی یا جسمانی طور پر معذور افراد کی ہی دلچسپی باقی رہ گئی (الّا ماشاء اللہ) عیسائی مشنری نے علماء کے باہمی اختلاف اور عوام الناس کی دینی تعلیم کی دوری سے خوب خوب فائدہ اٹھایا اور ساتھ ساتھ انہوں نے غریبوں کے ساتھ روابط بڑھانے شروع کر دیئے اور اُن میں صابن، گرم کپڑے، بیس، خشک دُودھ کے ڈبے وغیرہ تقسیم کر کے اُن کی ہمدردیاں حاصل کرنا شروع کر دیں۔

علاوہ ازیں عیسائی مشنریاں اخبارات و رسائل میں اشتہارات دیتے ہیں کہ "توراۃ، زبور، انجیل اور صحائفِ انبیاء کا مطالعہ مفت اور گھر بیٹھے کیجیے" کئی سادہ لوح مسلمان اُن کو خط لکھ دیتے ہیں اور یوں مشنری کے جال میں ایک نیا شکار پھنس جاتا ہے، چنانچہ اُس مسلمان کو عیسائی بنانے کا عمل شروع کر دیا جاتا ہے۔ پہلے پہل تو اُسے موجودہ انجیل کے منتخب شدہ اسباق بھیجے جاتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ اُس کو ایسا لٹریچر بھیجا جاتا ہے جو بظاہر اُن لوگوں کا تحریر کردہ ہوتا ہے جنہوں نے

لہ سہ ماہی فکر و نظر صہ ۲۴ خیال رہے کہ ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق پاکستان کی کل آبادی ۸۴،۲۵۴،۶۴۴ ہے جس میں ۸۱،۴۵۰،۰۵۷ مسلمان، ۱،۳۱۰،۴۲۶ عیسائی، ۱،۲۷۶،۱۱۶ ہندو، ۱۰۴،۲۴۴ قادیانی، ۷،۰۰۰ پارسی اور ۹۴،۵۰،۱ دیگر مذاہب ہیں (فکر و نظر صہ ۲۳ ستمبر ۱۹۸۶ء)

نئی نئی عیسائیت قبول کی ہوتی ہے۔ اس لٹریچر میں ایک انسان کو گمراہ کرنے کے لیے تمام تر داؤ پیچ آزمائے گئے ہوتے ہیں۔ پڑھنے والا اکثر و بیشتر اُن مَن گھڑت واقعات سے متاثر ہو جاتا ہے۔ اسی دوران اُس مسلمان کو "کارسپانڈنس کلب" نامی ادارے کا ممبر بننے کی دعوت دی جاتی ہے اور گزشتہ اسباق میں کامیاب ہونے پر مسیحی لٹریچر کی شکل میں انعام دیا جاتا ہے اور ملاقات کے باہمی اجتماعات میں بلایا جاتا ہے، جہاں ماہر قسم کے پادری اجتماع میں شامل ہونے والے نئے افراد کے سوالوں کا جواب دے کر اُن کے ذہن کو عیسائیت قبول کرنے کیلئے راہ ہموار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ موسم گرما میں مَری کے پُرفضا مقام پر کیمپ لگائے جاتے ہیں، جن کو "کیمپ مبارک" کہا جاتا ہے، وہاں پر واجبی سے خرچہ پر طلباء کو آٹھ دن رکھا جاتا ہے، اُن کے قیام و طعام کا خرچہ مشنری برداشت کرتی ہے۔ اس جگہ چوٹی کے عیسائی پادری مسلمان طلباء کو بھرپور انداز میں عیسائیت کی طرف مائل کرتے ہیں۔ اس طرح مسلسل تگ و دو کے بعد مشنری ایک صحیح راسخ العقیدہ مسلمان کو عیسائی بنانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ پاکستان کی سرحد سے تھوڑے سے فاصلے پر سیشلز جزیرے میں ایک انتہائی طاقتور ریڈیو ٹرانسمیٹر نصب ہے۔ یہاں سے دن میں پانچ گھنٹے مسلسل پاکستان کی قومی زبان اُردو اور علاقائی زبانوں (پنجابی۔ سندھی۔ بلوچی، پشتو) میں بائیبل کی تعلیمات نشر ہوتی رہتی ہیں۔ اس ریڈیو کا علاقائی دفتر اسلام آباد میں ہے[۱]، جبکہ مسیحی تہواروں کے ایام میں پاکستان ٹیلی وژن اور ریڈیو پاکستان سے بھی مسیحی تعلیمات نشر ہوتی ہیں۔

مملکت عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان میں عیسائیوں کے رومن کیتھولک عقیدہ کی تبلیغ و اشاعت کے لیے پاپائے روم کا سفیر ۱۹۵۸ء سے متعین ہے جو چرچ کے مذہبی معاملات کی نگرانی کرتا ہے اور ان معاملات میں حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لیے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتا ہے۔ کیتھولک کے علاوہ پروٹسٹنٹ فرقہ اور دوسرے عیسائی فرقوں کے ادارے بھی پاکستان میں

---

[۱] سہ ماہی فکر و نظر جولائی تا ستمبر ۱۹۸۷ء

وسیع پیمانے پر سرگرم عمل ہیں۔ ان کے ذیلی اداروں میں سینکڑوں کی تعداد میں اسکول، کالج، ہسپتال، زچہ بچہ سنٹرز اور یتیم خانے موجود ہیں۔

پاکستان میں ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۴ء تک صرف ۲۶ سال میں ۱۵۶ مشنریاں قائم ہوئیں۔ لہ

ایک پرانی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں مشنری اداروں کی تعداد ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ مشنری ہیڈ کوارٹرز اور چرچ ۱۰۲ عدد ۲۔ پرائمری سکول ۵۸۵ عدد ۳۔ ہائی سکول کالج ۹۹ عدد ۴۔ ٹیکنیکل اسکول ۱۳ عدد ۵۔ لڑکیوں کے یتیم خانے اور ہوسٹل ۳۰ عدد ۶۔ لڑکوں کے یتیم خانے اور ہوسٹل ۳۲ عدد ۷۔ متفرق تعلیمی ادارے اور سنٹرز ۱۰ عدد ۸۔ مرکز تعلیم بالغاں ۱۱ عدد ۹۔ شفا خانے (ڈسپنسریاں) ۱۰ عدد ۱۰۔ مشن ہسپتال ۱۷ عدد ۱۱۔ مسیحی اخبارات و رسائل ۳۰ عدد ۱۲۔ مسیحی مکتبے اور ناشر ادارے ۱۸ عدد ۱۳۔ دار المطالعے ۳۵ عدد ۱۴۔ بائیبل خط و کتابت اسکول ۱۵ عدد ۱۵۔ کارسپانڈنس کلب (صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔)

مملکت عزیزہ پاکستان کی حکومت، علماء اور عوام کی یہ مجرمانہ غفلت ہے کہ عیسائی مشنریوں کو اس قدر کھلی چھٹی دے دی گئی ہے، حالانکہ کئی دیگر ممالک مثلاً چین، ایران، عراق، سیلون، تھائی لینڈ، سوڈان وغیرہ میں غیر ملکی مشنریوں پر پابندی عائد ہے۔ اہل پاکستان کو یہ تلخ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ ہندوستان سے حکومت چھیننے سے قبل عیسائی کمپنیاں محض تجارتی غرض ظاہر کرکے یہاں وارد ہوئی تھیں اور پھر جو کچھ ہوا وہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔ آج بھی کئی افریقی ممالک میں مسلمان اکثریت کے باوجود عیسائی اقلیت کی حکومت ہے۔ ہر مسلمان کو اس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ رب العزت جل شانہ اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے سے پوری دنیا میں اسلام کو غلبہ اور فتح و نصرت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

نیاز کیش: **سید محمد سعید الحسن شاہ عفی عنہ**

لہ اب ۱۹۸۸ء ہے، مجھے افسوس ہے کہ محدود وسائل کی وجہ سے کوشش کے باوجود مجھے تازہ ترین رپورٹ نہیں مل سکی، یہ اعداد و شمار کئی سال پرانی رپورٹ کے مطابق درج کر رہا ہوں۔ ۲ہ عیسائیت کی تبلیغ و تخریب صفحہ ۷)

رسولِ صادق

شاہنشہِ ارض و سما بلغ العلٰی بکمالہ
وصفِ رُخِ او والضحٰی کشف الدجٰی بجمالہ

قرآں باخلاقِ او گو حسنت جمیع خصالہ
صدقاً یقیناً راسخاً صلّوا علیہ و آلہ

یا صاحب الجمال و یا سیّد البشر
من وجہک المنیر لقد نوّر القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ١٣٦٩

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

فضائلِ سیّد المرسلین

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وبارک وسلم دائمًا ابدًا

اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہٗ نے حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر حضور سیّد الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری تک جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام کو نوعِ بشر کو صراط مُستقیم دکھانے کے لیے مبعوث فرمایا۔ ہم مسلمان اُن تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں۔ ہمارے نزدیک کسی بھی نبیِٔ برحق کی شان میں گستاخی کفر ہے۔ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِهٖ (کہ ہم اس (اللہ تعالیٰ) کے کسی رسول پر بھی ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے) کے مطابق تمام انبیاء کرام کو نفسِ رسالت ونبوّت میں یکساں مانتے ہیں۔ یعنی یوں نہیں کہ کسی کو عارضی، ظلّی، بروزی اور کسی کو مستقل بلکہ تمام کو اللہ جل شانہٗ کے برگزیدہ پیغمبر تصوّر کرتے ہیں۔ کسی بھی نبی کی شان اس نیّت سے بیان کرنا کہ دوسرے نبی کی توہین مقصود ہو ناجائز وحرام تصوّر کرتے ہیں، لیکن انبیاء کرام کے باہمی درجات کو ضرور تسلیم کرتے ہیں اور اُن پر ایمان لاتے ہیں، کیونکہ یہ چیز خود خدائے لم یزل نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں یُوں ارشاد فرمائی:

تِلۡكَ الرُّسُلُ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ ۘ مِنۡهُمۡ مَّنۡ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعۡضَهُمۡ دَرَجٰتٍ ؕ وَ اٰتَيۡنَا عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ الۡبَيِّنٰتِ وَاَيَّدۡنٰهُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ؕ (البقرہ ۲۵۳)

"یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی، ان میں سے کسی سے تو اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے (سب سے) بلند درجہ عطا فرمایا۔ اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلی نشانیاں دیں اور روح القدس (پاکیزہ روح) سے ان کی مدد فرمائی۔"

اسی بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم یہاں کچھ فضائلِ مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نقل کرتے ہیں۔ اوّلاً یہ بات ضرور ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ کوئی بھی مخلوق حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل کما حقہ، بیان نہیں کر سکتی، کیونکہ ان کے فضائل میں خود خالقِ کائنات کا ارشادِ گرامی ہے:

وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ (الانشراح) "(اے محبوب علیک السلام) اور ہم نے تمہارے لیے تمہارے ذکر کو بلند فرما دیا۔"

فضائلِ مصطفٰے (علیہ السلام) بکلامِ خدا (جل شانہ)

یُوں تو سارا قرآن پاک ہی فضائلِ مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مشتمل ہے۔ ہر آیہ مبارکہ آپ کا مستقل معجزہ ہے اور منکرینِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کھلا چیلنج ہے:

"تم اس کی مثل کوئی سورۃ بنا لاؤ اور اس سلسلے میں اپنے تمام مددگاروں کو خدا کے سوا بلا لو اگر تم سچے ہو" مگر زمانہ گواہ ہے کہ آج تک مثلِ قرآن نہ بن سکا اور نہ بن سکے گا۔[1] قرآن پاک نے بہت سی جگہ پر نہایت واضح الفاظ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان بیان فرمائی، ان میں سے چند ایک آیاتِ مبارکہ ملاحظہ فرمائیے:

(۱) يَآاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا وَقُوۡلُوا انۡظُرۡنَا وَاسۡمَعُوۡا وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ (البقرۃ ۱۰۴) اے ایمان والو! "راعنا" نہ کہا کرو، بلکہ یوں عرض کرو کہ ہم پہ نظرِ شفقت فرمائیے اور پہلے ہی بغور سن لو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے

[1] قرآنِ پاک کے متعلق مکمل بحث انشاء اللہ تعالیٰ آگے آ رہی ہے۔

اس آیۂ کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب شمعِ رسالت کے پروانے بارگاہِ خیرالانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں جمع ہوتے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو کلام مبارک سے مشرف فرما رہے ہوتے، تو اگر کسی کی سمجھ میں کوئی بات نہ آتی، تو وہ عرض کرتا، رَاعِنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہ یعنی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، (اس کلام میں) ہماری رعایت فرمایئے، یعنی دوبارہ ارشاد فرمایئے۔ لفظ "راعنا" یہود کی زبان میں گالی تھا۔ وہ بھی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "راعنا" (چرواہا یا احمق) معاذ اللہ کہنے لگے اور دل میں خوش ہونے لگے کہ خوب کلمہ ہاتھ لگا۔ ایک دن حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کی زبان سے یہ کلمہ سُنا تو نیت کو بھانپ گئے اور ارشاد فرمایا کہ اے دشمنانِ خدا! تم پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، اگر آئندہ میں نے کسی کی زبان سے یہ کلمہ سنا تو اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔ یہود نے کہا کہ ہم پر کیوں بگڑتے ہو؟ مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں۔ اس پر آپ نہایت غمزدہ حالت میں بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ ادھر تو یہ حاضر ہوتے ہیں اور ادھر جبریلِ امین یہ آیہ مبارکہ لے کر آجاتے ہیں کہ اے مُسلمانو! آئندہ "راعنا" کہنا ہی بند کردو، تاکہ کسی بدبخت کو گستاخی کا موقع ہی نہ ملے اور آئندہ "اُنظرنا" عرض کیا کرو۔

سُبحان اللہ تعالیٰ کیا شان ہے میرے آقا (فداہ امّی وابی) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کہ خدائے بزرگ و برتر کو یہ گوارا نہیں کہ اُس کے محبوب علیہ السلام کی شانِ اقدس میں کوئی ایسا لفظ بولا جائے کہ جس میں گستاخی کا شائبہ بھی ہو۔

(۲) قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (البقرۃ ۱۴۴)	تحقیق ہم ملاحظہ فرمارہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا، پس ہم آپ کو پھیرتے ہیں اُس قبلہ کی طرف، جس پر کہ آپ راضی ہیں، پس اپنا چہرۂ انور مسجدِ حرام کی طرف کرلو۔

تفسیر مظہری، خزائن، رُوح البیان میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

ایک بار جبریل امین سے اس تمنا کا اظہار فرمایا کہ بیت اللہ شریف چونکہ میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ ہے، اس لیے میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبلہ بنا دے۔ جبریل امین نے عرض کیا، میں تو بندۂ مامور ہوں اور آپ حبیب اللہ اور خدا تعالیٰ کے بہت مقرب ہیں، دعا فرمائیے، تو تب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔ معتبر تفاسیر میں ہے کہ آپ ۲ھ ہجری پندرہویں رجب پیر کے دن ظہر کے وقت مسجد قبلتین (مسجد بنو سلمہ) میں ظہر کی نماز ادا فرما رہے تھے مگر اللہ جانے آج کی نماز میں کیا راز ہے، دلی خواہش کے مطابق تبدیلی قبلہ کے لیے انتظارِ وحی میں آسمان کی طرف بار بار نظر فرما رہے ہیں۔ ابھی صرف دو رکعت ہی ادا فرمائی تھیں کہ رحمتِ الٰہی جوش میں آجاتی ہے جبریل امین یہ آیہ مبارکہ لے کر حاضرِ خدمت ہو جاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم آپ کا رب فرماتا ہے کہ اے محبوب! تمہاری رضا کے مطابق تمہارا قبلہ تبدیل فرما دیا گیا ہے اور فرماتا ہے کہ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کر لو، چنانچہ بقیہ دو رکعت خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے ادا فرمائی گئیں (سبحان اللہ تعالیٰ وبحمدہ)

(۳) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ الرَّحِیْمٌ ۝ (آل عمران - ۳۱)

(اے محبوب علیک السلام) تم فرما دو کہ اے لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار بن جاؤ، اللہ تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے تمام گناہ معاف فرما دے گا اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا مہربان ہے

تفسیر کبیر، روح البیان و تفسیر سیدنا ابن عباس وغیرہ میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے یہود و نصاریٰ کو دعوتِ اسلام دی، تو انہوں نے کہا کہ ہم تو اللہ کے پیارے ہیں ہمیں تمہارے اتباع کی کیا ضرورت ہے، تو تب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی اور ظاہر ہو گیا کہ خدا کا پیارا صرف وہی ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تابعدار ہے۔

(۴) وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ○ (آل عمران - ۸۱)

اور یاد کرو کہ جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا کہ جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں، پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائیں جو تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائیں تو تم ضرور بالضرور اُس رسول پر ایمان لے آنا اور ضرور بالضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لے لیا۔ سب نے عرض کیا کہ ہم نے اقرار کر لیا تو فرمایا کہ ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ، اور خود میں تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں ہی تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے حضور علیہ السلام پر ایمان لانے اور معاون بننے کا وعدہ لے لیا جو کہ فی الحقیقت تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں سے بھی وعدہ تھا کیونکہ امت تو اپنے نبی ہی کے پیچھے ہو گی اور پھر شب معراج میں اس کا اظہار یوں فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام بیت المقدس میں مقتدی تھے، اور امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امام ـــــ ثابت ہوا کہ کوئی بھی شخص جو کسی بھی نبی کا امتی ہو، اس پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانۂ اقدس پاتے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانا واجب ہو گا۔

(۵) لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

بیشک اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا احسان فرمایا مسلمانوں پر کہ ان میں انہی میں سے رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیاتِ مبارکہ تلاوت فرماتا ہے اور انہیں پاک فرماتا ہے اور انہیں

وَالۡحِكۡمَةَۚ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۝ آل عمران ۱۶۴ — کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

اللہ تعالیٰ کی ہر انسان پر بے شمار نعمتیں ہیں۔ خود باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو، تو ناممکن ہے"۔ مگر کسی بھی نعمت پر اس طرح اظہارِ احسان نہیں فرمایا جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری پر فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ یہ رسول نہ صرف تمہیں آیاتِ الٰہیہ کی تلاوت سے شرف فرماتے ہیں، بلکہ تمہیں رُوح و جسم کی پاکیزگی بھی عطا فرماتے ہیں، یعنی عیسائیوں کی طرح بپتسمہ نہیں دیتے بلکہ نظرِ کرم سے ہی روح کو کفر و شرک کی نجاست سے نجات دے دیتے ہیں (خیال رہے کہ عیسائی اپنے بچوں کو پیدائش کے ساتویں سال اور دوسروں کو عیسائی بناتے وقت زرد پانی کے حوض میں غوطہ دیتے ہیں، اسے بپتسمہ دینا کہتے ہیں) آخر میں ارشاد ہوا کہ تم صریح گمراہی میں تھے۔ بلاشبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے قبل اہلِ دنیا کی عموماً اور اہلِ عرب کی خصوصاً جو حالت تھی، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ لوگ اپنی بچیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ سفاحِ[1] جاہلیت عروج پر تھا۔ لوگ ننگے ہو کر بیت اللہ شریف کا طواف کیا کرتے تھے۔ اس جگہ یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ ایک مشہور متعصب غیر مسلم یورپی سیرت نگار "مارگولیتھ" MCRGALIOUTH اپنی تصنیف "محمد" میں لکھتا ہے: ابو جہل کو عقل و دانش کے لحاظ سے غیر معمولی شہرت حاصل تھی، یہاں تک کہ وہ تیس سال کی عمر میں دار الندوہ کا ممبر بن گیا۔" دراصل مسٹر مارگولیتھ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہر دشمن ہی بہت عقلمند نظر آتا ہے، اسی لیے وہ اپنی تصنیف میں جگہ جگہ ان مشرکین کو عقل و دانش کا خزانہ خیال کرتا ہے۔

---

[1] یعنی لوگ اپنی بیویوں کو رؤسائے عرب اور سردارانِ قوم کے پاس بھیجتے تاکہ یہ اُن کے نطفوں سے حاملہ ہوں۔ اگر وہ حاملہ ہو جاتیں، تو مرد فخر سے بتاتا کہ میری بیوی کو فلاں چوہدری کا حمل ہے۔ ۱۲

ہمیں مسٹر مارگولیتھ پر کیا افسوس ہوسکتا ہے۔ اس متعصب سے یہی توقع ہوسکتی ہے،

البتہ ہم یہاں ایک واقعہ نقل کرتے ہیں، جس سے مشرکین مکہ کی عقل کا بخوبی پتہ چلتا ہے،

زمانہ جاہلیت میں ایک شخص "اساف" نے بیت اللہ شریف کے اندر ایک عورت "نائلہ" سے زنا کیا اور غضب الہٰی سے وہ دونوں پتھر ہوگئے۔ مشرکین مکہ نے ان دونوں پتھر کے مجسموں کو اٹھایا اور ایک کو صفا اور دوسرے کو مروہ کے پاس نصب کر دیا اور دونوں کو خدا سمجھ کر پوجنے لگے اور جب صفا اور مروہ کے پاس آتے جاتے تو تمام مشرک بشمول ابوجہل ان کو سجدہ کرتے اور چھوتے تھے۔ جب حضرت عبدالمطلب نے چاہ زمزم کو کھودنے کا ارادہ فرمایا تھا، تو انہی بتوں کی وجہ سے مشرکین نے مخالفت کی تھی۔ (مدارج النبوۃ وغیرہ)

قارئین آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ابوجہل اور اس کے ساتھی کتنے دانا تھے، جن پر غضب خدا نازل ہوا، وہی اُن کے خدا بن گئے۔ اس حالت میں مذکورہ بالا آیۂ مبارکہ کے اس جملہ کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے "اور بے شک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے"۔

(۶) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ج (آل عمران ۱۷۹)	اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ عام لوگوں کو علم غیب دے۔ ہاں اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے، پس تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولوں پر۔

امام سدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سامنے میری تمام امت پیش کی گئی، جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے ان کی تمام نسل، اور جو مجھ پر ایمان لانے والے ہیں یا نہیں لانے والے، وہ سب مجھے بتا دیئے گئے ہیں۔ اس فرمان کی اطلاع منافقوں کو پہنچی، تو وہ مذاق کرتے ہوئے بولے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے، وہ اُن کے بھی مومن و غیر مومن ہونے کو جانتے ہیں، جبکہ ہم ان کے پاس رہتے ہیں اور یہ ہمیں بھی مسلمان ہی سمجھتے ہیں، چنانچہ حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام ممبر شریف پر کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا: "لوگوں کا کیا حال ہے وہ کس وجہ سے ہمارے علم پر زبان طعن دراز کرتے ہیں؟ تم اپنے زمانے سے قیامت تک کی جو بات چاہو پوچھو، تم جو بھی پوچھو گے، ہم بتا دیں گے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم میرا باپ کون ہے؟ فرمایا، "حذافہ"۔ اس کے فوراً بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا حبیب اللہ علیک السلام ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے، قرآن کے امام ہونے اور آپ کے نبی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں (آپ ہم اہلِ ایمان پر ناراض نہ ہوں) ہمیں معافی دیجئے، تب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرماتے ہوئے: "کیا آئندہ بھی طعن کرو گے؟ کیا باز رہو گے؟" ممبر شریف سے اتر آئے۔

(تفسیر مظہری، خزائن، نور العرفان، خازن وغیرہ)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن حذافہ اپنی والدہ کے پاس گئے اور اس واقعہ کی اطلاع دی، تو حضرت عبداللہ کی والدہ ان سے سخت ناراض ہوئیں اور بولیں تیرے جیسا بیٹا میں نے کہیں نہیں دیکھا، کیا تجھے علم نہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں کیا کچھ کیا کرتی تھیں۔ اگر خدانخواستہ میں نے کوئی غلطی کی ہوتی تو تو نے مجھے بھری محفل میں رسوا کر دیا ہوتا، یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ پوشیدہ نہیں کہ درحقیقت کس کا کون باپ ہے؟

(۷) وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء، ۶۴)

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں پھر اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور رسول (یعنی اے محبوب اتم) اُن کی سفارش فرماؤ تو وہ (گنہگار) یقیناً اللہ تعالیٰ کو معاف فرمانے والا مہربان پائیں گے۔

اس آیہ کریمہ میں گناہوں کے مریض کو نہ صرف بارگاہِ خیر الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

میں حاضر ہونے کا ارشاد فرمایا گیا ہے، بلکہ صدقِ دل سے حاضر ہونے والے کو شفایاب ہونے کی خوشخبری بھی سنائی گئی ہے۔

حضرت سیدنا امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رحلت فرمائے ہوئے صرف تین روز ہی گزرے تھے کہ ایک اعرابی قبرِ انور سے چمٹ کر یوں عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم، جو کچھ آپ نے اپنے خدا سے سنا اور لیا اور ہم نے آپ سے لیا (یعنی قرآن کریم) اس میں یہ آیت بھی ہے، وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا ...... (آخر تک آیت تلاوت کی اور کہا) میں نے بھی اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور آپ کے دربار میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ میری سفارش فرمائیں۔ اعرابی جذبۂ شوق سے یہ عرض کر رہا تھا کہ اتنے میں قبرِ انور سے آواز آئی، قَدْ غُفِرَ لَكَ "تحقیق تیری مغفرت ہو گئی۔" (جذب القلوب، تاریخ مدینہ) (سبحان اللہ)

محمد بن حرب ہلالی فرماتے ہیں کہ میں بارگاہِ نبوی میں حاضر تھا، اتنے میں ایک اعرابی آیا اور قبرِ انور کے پاس کھڑے ہو کر (انتہائی جذبۂ شوق) سے عرض کرنے لگا، اے خیر الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم، حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی اور اس میں ارشاد فرمایا، وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا ...... (پوری آیت تلاوت کی اور کہا) یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) میں بھی گنہ گار ہوں اور اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے آپ کو اپنا سفارشی بناتا ہوں، پھر چند اشعار پڑھے اور چلا گیا، وہیں بیٹھے بیٹھے مجھے نیند آ گئی اور خواب میں دیکھا کہ حضور خواجۂ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے ارشاد فرما رہے ہیں کہ جاؤ اُس اعرابی کو بشارت سنا دو کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے گناہوں کو میری شفاعت کی برکت سے بخش دیا ہے (جذب القلوب۔ تاریخِ مدینہ)

(۸) فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ — (تو اے محبوب علیک السلام، تمہارے رب کی قسم وہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوں گے جب تک

ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (النساء - ۶۵)

تمام تنازعات میں تمہیں حاکم نہ بنائیں اور تم جو بھی فیصلہ فرما دو، اس کے لیے اپنے دل میں کوئی رکاوٹ نہ پائیں بلکہ مکمل طور پر دل سے تسلیم کرلیں۔

ذرا انداز بیان ملاحظہ فرمایئے کہ قسم تو اپنی ذات کی ہی فرمائی، مگر یوں نہیں کہ مجھے اپنی ذات کی قسم یا میری بزرگی کی قسم، بلکہ ارشاد ہوا "اے محبوب مجھے تیرے رب کی قسم" سبحان اللہ تعالیٰ کتنا پُرلطف کلام ہے۔ گویا یوں ارشاد ہوا، اے حبیب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں قسم ہے کہ جو تمہارا غلام نہیں، وہ ہمارے حضور بھی مردود ہے۔ ایمان صرف اسی کا قبول ہے جو تمہارا تابع فرمان ہے۔

حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حرّہ کے ایک پہاڑی نالے کے پانی سے کھیتوں کو سیراب کرنے کے متعلق ایک انصاری کے ساتھ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا جھگڑا تھا، دونوں فیصلہ کے لیے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا "زبیر تم سینچ لو، پھر اپنے ہمسائے کی زمین کی طرف پانی چھوڑ دو" اس پر وہ انصاری ناراض ہوگیا اور بولا، یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اس فیصلہ کی وجہ یہ ہے کہ زبیر آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے یہ سن کر حضور علیہ السلام کے رُخِ انور کا رنگ بدل گیا اور ارشاد فرمایا، زبیر زمین سینچنے کے بعد پانی کو اتنا روکے رکھو کہ پانی منڈھیر تک پہنچ جائے، پھر اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو۔ اس طرح آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زبیر کو پورا حق دیا، جبکہ صریح حکم میں انصاری نے آپ کو ناراض کردیا، حالانکہ پہلے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا مشورہ دیا تھا کہ جس میں دونوں کے لیے فراخی تھی۔

(بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، مشکوٰۃ احیا ءالموات والشرب)

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میرا خیال ہے کہ اسی سلسلہ میں آیہ (مذکورہ بالا) کا نزول ہوا (مظہری)

امام محی السنۃ فرماتے ہیں کہ مجاہد اور شعبی کے نزدیک اس کا شانِ نزول یوں ہے، کہ بشر منافق اور ایک یہودی کے درمیان کوئی جھگڑا تھا، دونوں فیصلہ کے لیے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرما دیا، کیونکہ وہ سچا تھا۔ منافق یہودی سے بولا چلو عمر کے پاس چلتے ہیں اور فیصلہ کرواتے ہیں، چنانچہ دونوں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور اپنا قضیہ بیان کیا۔ یہودی بولا عمر! خیال رکھنا کہ اس سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے حق میں فیصلہ دے چکے ہیں، مگر یہ نہیں مانا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ اندر گئے اور تلوار نکال لائے، آتے ہی اُس منافق کی گردن اُڑا دی اور فرمایا: جس کو میرے آقا رسولِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ قبول نہیں، عمر کے ہاں اُس کا یہ فیصلہ ہے۔ چنانچہ کچھ لوگ بارگاہِ نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ) میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت عمر نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا ہے، اس سے جواب طلبی فرمائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مجھے تو عمر سے یہ اُمید نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کریں۔۔۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا: اے عمر! اس آدمی کو کیوں قتل کیا؟ اسی وقت جبریل امین یہ آیۂ کریمہ لے کر حاضر ہو گئے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس خون سے بری قرار دے دیا (مظہری، ابن ابی حاتم تاریخ الخلفاء للسیوطی)

(۹) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۘ ۸۰ — جو کوئی رسول علیہ السلام کا تابع فرمان ہے، وہی اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے۔

مروی ہے کہ ایک بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحکمِ خدا اپنی اطاعت کا حکم دیا تو رأس المنافقین عبداللہ بن اُبی بولا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اب اللہ تعالیٰ کی بجائے اپنی اطاعت کروانا چاہتے ہیں (ایک دوسری روایت میں ہے کہ اُس نے کہا کہ کیا اب ہم

ان کو عیسائیوں کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح رب مان لیں ؟) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیۂ مبارکہ نازل فرمائی، جس میں بتایا گیا کہ اطاعتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی درحقیقت اطاعتِ خدائے ذوالجلال ہے اور جو ان کا نافرمان ہے، وہ خدائے لم یزل کا فرمانبردار نہیں کہلا سکتا۔ (تفسیر سیدنا ابن عباس)

(۱۰) وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (انفال - ۱۳)

اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کی مخالفت کرے یا کرتا ہے —— (وہ جان لے کہ) بیشک اللہ تعالیٰ کی گرفت بہت سخت ہے۔

یہ آیۂ مبارکہ غزوۂ بدر کے متعلق ہے کہ کافروں کو ذلت و رسوائی اس لیے ملی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نافرمان تھے اور یہ قانون ہمیشہ کے لیے ہے کہ جو کوئی کسی بھی نبیٔ برحق کا نافرمان و گستاخ ہوگا، اللہ تعالیٰ کے حضور ملعون و مقہور ہوگا، خواہ وہ کتنا بھی بڑا عالم و فاضل اور عابد و زاہد کیوں نہ ہو۔ ابلیس لعین کی مثال اہلِ اسلام اور اہلِ کتاب سب کے سامنے ہے اگر آدم علیہ السلام کے انکار کا یہ بدلہ ہے تو سیدالانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے انکار کا بدلہ کیا ہوگا ؟

(۱۱) وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (النساء ۱۱۳)

اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آپ پر کتاب و حکمت نازل فرمائی اور آپ کو وہ (سب) علم سکھا دیا، جو کچھ آپ نہ جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان اسرار و رموز سے مطلع فرمایا کہ جو انسانی ادراک سے کہیں ماوراء ہیں اور یہ بات تو بدترین دشمن بھی تسلیم کرتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بھی شخص سے اکتسابِ علم نہیں کیا اور کوئی بھی انسان یہ دعویٰ نہیں

کرسکتا کہ میں نے ایک حرف بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پڑھایا یا کوئی شے سکھائی ہے اور ہم اہلِ اسلام پوری دُنیا کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ہمارے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پوری (ظاہری) حیاتِ مبارکہ میں آپ کا کوئی بھی ایسا قول یا فعل ثابت نہیں کرسکتے کہ جو حکمت و دانائی کا گلدستہ نہ ہو۔ وہ گھریلو زندگی ہو یا خارجی، وہ نجی زندگی ہو یا اجتماعی، وہ میدانِ جنگ ہو یا تختِ عدالت، وہ یتیموں پہ شفقت فرمائی جارہی ہو یا سلاطینِ زمانہ کے نام خطوط بھیجے جارہے ہوں۔ ہر جگہ اور ہر مقام پر علم و دانش، تدبر و حکمت کے وہ گوہر لٹائے کہ زمین تو زمین آسمان والے بھی عش عش کر اٹھے۔ بلاشبہ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ہ

(۱۲) يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (النساء ۱۷۴)

اے لوگو! بیشک تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف کھلی دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اتارا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اَلنَّاس فرماکر گویا پوری نوعِ بشر کو مخاطب فرمایا۔ اس میں یہودی، عیسائی، آتش پرست، ستارہ پرست، دہریے اور بُت پرست غرضیکہ تمام اولادِ آدم شامل ہے اُن سب سے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل، یعنی (عند المفسرین) حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ ظاہر ہے کہ دلیل دعوٰی کو مضبوط کرنے کے لیے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اُس کے رسول ہیں کہ هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ وہ ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت کے ساتھ بھیجا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب اہلِ مکہ کو توحید خداوندی کی دعوت دی تو سب سے پہلے اپنے آپ کو یہ کہتے ہوئے پیش فرمایا کہ اے اہلِ مکہ میری زندگی کا ایک بڑا حصہ یعنی چالیس سال تمہارے اندر گزرے ہیں۔ میری پوری چالیس سالہ زندگی کا ایک ایک گوشہ تمہارے سامنے عیاں ہے، تو کیا تم میری اس زندگی کے کسی بھی لمحے پر انگشت نمائی

کر سکتے ہو؟ کہ فلاں لمحے تم نے معاذ اللہ فلاں قبیح فعل کیا تھا یا جھوٹ بولا یا وعدہ کی خلاف ورزی کی تھی۔ تمام اہلِ مکہ نے بیک زبان اقرار کیا کہ نہیں ہرگز نہیں، آپ کے بدترین دشمن بھی تمہاری امانت و صداقت پر شک نہیں کر سکتے۔ آپ ہمارے نزدیک صادق اور امین ہیں۔ تو آپ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا: پھر جان لو یہ بُت جھوٹے ہیں اور عبادت کے لائق صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہستی ہے کہ جس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا۔ اس میں شک نہیں کہ مشرکین حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے دشمن بن گئے۔ آپ کو شہید کرنے کے پروگرام بنانے لگے، حتیٰ کہ اس نیتِ فاسدہ سے کاشانۂ اقدس کا محاصرہ بھی کر لیا اور محاصرہ کرنے والوں میں مکہ کے ہر معتبر قبیلہ کا کوئی نہ کوئی فرد ضرور موجود ہے۔ دشمنی اس قدر شدید ہے کہ لات و عزیٰ کی قسمیں اُٹھا کر آج شہید کرنے کے لیے حملہ آور بھی ہیں، مگر اعتماد کی یہ حالت ہے کہ اپنی امانتیں بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس رکھی ہوئی ہیں۔ ۶ھ مطابق ۶۲۸ء میں مشہور عیسائی بادشاہ ہرقل روم نے ابوسفیان بن حرب جو اس زمانہ میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا بدترین دشمن تھا، سے دریافت کیا کہ اُس مدعی نبوت نے کبھی عہد شکنی یا بدعہدی کی؟ ابوسفیان نے کہا کہ وہ تو صادق و امین ہے، اُس نے کبھی بدعہدی نہیں کی (تفصیلاً واقعہ انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا) تو ہرقل نے کہا کہ جو بندوں سے جھوٹ نہیں بولتا، وہ خدا پر کب جھوٹ بول سکتا ہے، وہ یقیناً سچا نبی ہے۔ حضور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ایک ایسی ہستی ہیں کہ دشمن بھی اُن میں نقص نہیں نکال سکتے۔

اکثر علماء کرام کے نزدیک بُرہان سے مراد علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے معجزات ہیں کہ آپ سرِ انور کے بالِ مبارک سے لے کر قدمِ انور تک سراپا معجزہ ہیں، (انشاء اللہ تعالیٰ مستقل باب میں ذکر کیا جائے گا۔)

(۱۳) يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ط

یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) (لوگوں تک) پہنچا دو جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی

وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ط وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط (مائدہ - ۶۷)

طرف سے نازل فرمایا گیا، اگر ایسا نہ ہوا تو تم نے اُس کا کوئی پیغام نہ پہنچایا اور اللہ تعالیٰ لوگوں سے تمہاری حفاظت فرمائے گا۔

ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور امام محی السنۃ نے محمد بن کعب قرظی سے حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی کہ جب سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب ہوتے اور راستہ میں کہیں ٹھہرتے، تو ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے سب سے بڑا درخت اور اس کا سایہ چھوڑ دیتے تاکہ آپ وہاں آرام فرمائیں۔ ایک دن آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار اس درخت کے ساتھ لٹک رہی تھی کہ اچانک ایک اعرابی آیا اور تلوار اتار لی، اتنے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھ کھل گئی تو وہ اعرابی تلوار تان کر بولا، "محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اب مجھ سے تم کو کون بچائے گا؟" حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرا اللہ بچائے گا اور فرمایا کہ تلوار رکھ دے۔ یہ سنتے ہی اعرابی کا ہاتھ کپکپانے لگا اور تلوار اُس کے ہاتھ سے گر گئی اور اعرابی نے اپنا سر اتنے زور سے درخت کے ساتھ مارا کہ اُس کا دماغ پارہ پارہ ہو گیا۔ تب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری جلد ۳)

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ بیشمار کوششوں کے باوجود کفار آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید نہ کر سکے۔ ایک بار ابوجہل لعین نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حالتِ سجدہ میں دیکھا تو ایک بڑا پتھر اٹھا لایا تاکہ معاذ اللہ سرِ انور کچل ڈالے۔ جونہی وہ نزدیک ہوا تو خوفزدہ ہو کر پیچھے بھاگا اور پتھر ہاتھ سے نہ پھینک سکا۔ قریش نے پوچھا، ابوالحکم! تجھے کیا ہوا؟ رنگ بدلا ہوا ہے۔ بولا جب میں نزدیک گیا، تو میں نے اُس کے قریب ایک اُونٹ دیکھا اللہ (تعالیٰ) کی قسم میں نے اس کا وہ سر، گردن اور دانت دیکھے کہ آج تک کسی اونٹ کے ایسے (ہیبت ناک) نہ دیکھے، وہ اونٹ

مجھے کھانے کے لیے دوڑا تھا۔ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جبریل علیہ السلام تھے، اگر ابوجہل اور قریب آتا تو اُسے پکڑ لیتے۔ (سیرت ابنِ ہشام)

سنہ ۴ھ / ۶۲۵ء کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم یہودی قبیلہ بنو نضیر کی بستی میں صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لے گئے، تو یہودیوں نے آپ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو شہید کرنے کا پروگرام بنایا، چنانچہ حیّ بن اخطب کی ترغیب پر عمرو بن حجاش نے ارادہ کیا کہ اُس مکان کی چھت پر چڑھ کر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام پر بڑا سا پتھر گرا کر کچل ڈالے کہ جس کی دیوار سے خواجۂ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ٹیک لگائے تشریف فرما تھے۔ سلام بن مشکم یہودی نے مخالفت کی اور کہا کہ تمہارے ارادۂ بد سے اُن کا رب اُن کو مطلع فرما دے گا، مگر دوسرے یہودی نہ مانے۔ اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنے محبوب علیہ الصّلوٰۃ والسلام کو یہودیوں کی خباثت و بدعہدی سے مطلع فرما دیا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بڑی تیزی کے ساتھ وہاں سے اٹھے اور صحابہ کرام کی معیت میں مدینہ طیبہ تشریف لے آئے (محمد رسول اللہ، مدارج النبوۃ، ابن ہشام)

ایسے بہت سے واقعات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو کفّار کے ہاتھوں شہید ہونے سے بچالیا۔

(۱۴) اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْؕ

الاعراف / ۱۵۷

جو لوگ غلامی کریں گے اس رسول کی جو نبی اُمّی ہیں جسے وہ لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں وہ (رسول علیہ السلام) انہیں بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع فرمائیں گے اور ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائیں گے اور گندی چیزیں حرام فرمائیں گے اور ان پر سے وہ ان کے بوجھ اور ان کے گلے کے پھندے (یعنی سخت احکام) اتار پھینکیں گے جو کہ ان پر تھے۔

مذکورہ بالا آیۂ مبارکہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی جو صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ کوئی بھی غیر متعصب شخص انکار نہیں کرسکتا، اس آیۂ مبارکہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی صفت "نبی اُمّی" کا ذکر ہے۔ نبی کا معنی ہوتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے الہام سے غیب کی باتیں بتانے والا" (مصباح اللغات صفحہ ۸۴۳ مطبوعہ کراچی)

اور اُمّی کا معنی ہے "اَن پڑھ" ایک معنی ہے اُمّت والا' اور یہ دونوں معنی حدیث مبارکہ سے ثابت ہیں۔ "نبی اُمّی" حضور خواجۂ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا عظیم الشان معجزہ ہے کہ کسی سے پڑھے بھی نہیں اور اخبارِ غیب بھی دیتے ہیں۔ "انبیاءِ کرام گزشتہ کے تمام واقعات سے بھی مطلع ہیں، بہت سی آئندہ کی پیشین گوئیاں بھی فرماتے ہیں جو کہ حرف بحرف درست ہیں۔ پھر صحابۂ کرام کے سامنے جو کلام اللہ شریف کی مقدس آیاتِ کریمہ کی تلاوت فرماتے، وہ ہمیشہ بغیر کسی تبدیلی کے منظم طریقہ سے تلاوت فرماتے، حالانکہ ایک معمولی سمجھ رکھنے والا آدمی بھی اس حقیقت کا انکار نہیں کرسکتا کہ کوئی بھی شخص خواہ وہ کتنا بھی عالم و فاضل کیوں نہ ہو، اگر بغیر لکھے فی البدیہہ کوئی تقریر کرے، اُسے کہا جائے کہ دوبارہ وہی تقریر کرو جو پہلے کرچکا ہے، تو ضرور دوبارہ وہ مکمل طور پر لفظ بلفظ وہی تقریر نہیں کرسکتا، کچھ نہ کچھ الفاظ کی کمی بیشی ضرور ہوجائے گی یا کسی چیز کو سمجھاتا ہوا اُسی مفہوم کا کوئی دوسرا لفظ بول دے گا' مگر رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم باوجود کہ "نبی اُمّی" ہیں' دنیا کے کسی بھی عالم و فاضل کی صحبت اختیار نہ فرمائی ، وہ جب ایک بار قرآن کریم کی تلاوت فرماتے ہیں تو دوبارہ کسی لفظ کی کمی بیشی تو درکنار کسی زیر زبر کی کمی بیشی بھی نہیں ہوتی۔ پھر ایک دو بار ہی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی پوری تیئیس ۲۳ سالہ نزولِ قرآن کی زندگی میں ایک بھی ایسی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ پھر خود سوچو کہ یہ سب کچھ بغیر عطائے خدا کے خود بخود کیسے ہوگیا؟ پھر کلام بھی وہ کہ جس کا پورے جن و انس کو کھلا چیلنج ہے کہ اگر تم انکارِ نبوت میں سچے ہو تو اس قرآن کی مثل بنالاؤ، مگر تمام جن و انس مل کر بھی کبھی اس چیلنج کا جواب نہ دے سکتے ہیں اور

نہ دے سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اُمّی اس لیے بھی رکھا تاکہ کوئی بھی شخص یہ الزام عائد نہ کرسکے کہ چونکہ یہ پڑھے لکھے تھے اس لیے سابقہ کتبِ سماوی کے مطالعہ سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان علوم پر دسترس حاصل ہوگئی ہے، مگر بغیر کسی انسان سے کچھ سیکھے، عطائے خدا سے لم یزل کے ساتھ علوم ظاہری و باطنی اور حقائق و معارف کے دریا بہا دینے اور بغیر دنیاوی تعلیم و مطالعہ کے قرآنِ عظیم پیش کرنا اگر معجزہ نہیں تو کیا ہے؟

دشمنانِ اسلام کے پاس ان ناقابلِ تردید حقائق کا چونکہ کوئی جواب نہ تھا، اس لیے بعض یورپین سیرت نگاروں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اُمّی ہونے کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی، چنانچہ جرمنی کے پروفیسر نولدکہ NOLDEKY نے اپنی کتاب "تاریخ قرآن" میں ایک باب باندھا ہے کہ "کیا نبی لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے"۔ اس بحث میں وہ یقینی رائے قائم نہ کرسکا، بلکہ اُس نے یہ رائے قائم کی کہ قرآن میں جو اُمّی کا لفظ مذکور ہے، وہ اس بات کو نہیں بتاتا کہ نبی کریم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے، بلکہ اس کا مفہوم ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قدیم آسمانی کتب پڑھے ہوئے نہ تھے۔ (محمد رسول اللہ ص ۱۱۴)

حالانکہ یہ بات آفتابِ نیم روز سے بھی زیادہ واضح ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کسی بھی انسان کے شاگرد نہیں اور نہ ہی اپنے دستِ مقدس سے کچھ تحریر فرمایا اور نہ ہی کوئی تحریر پڑھی۔

ایک فرانسیسی سیرت نگار "موسیو سدلیو" اپنی تصنیف "تاریخ عرب" جزاول ص ۹۵ طبع ثانی میں لکھتا ہے "رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اپنے دوسرے ہم وطنوں کی طرح غیر تعلیم یافتہ تھے اور پڑھنا بالکل نہ جانتے تھے"۔ ایک انگریز فلسفی "طوماس کارلائل" اپنی کتاب "کتابِ الابطال" (ترجمہ علامہ محمد سباعی) میں لکھتا ہے: پھر ہمیں ایک

بات نہ بھولنی چاہیے۔ وہ یہ کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے کبھی کسی استاد سے کچھ نہیں پڑھا اور آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانہ میں ملک عرب میں کتابت (لکھنے) کا فن نیا نیا رائج ہوا تھا اور دلائل سے یہ بات مجھ پر ثابت ہوئی کہ صحیح حقیقت یہی ہے کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) لکھنا پڑھنا بالکل نہ جانتے تھے۔"

کانٹ ہنری دی کاستری CONT HENRIDE CASTERI فرانسیسی اپنی کتاب "اسلام پر خیالات" میں تحریر کرتا ہے:- "یہ امر محقق ہے کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نہ پڑھنا جانتے تھے نہ لکھنا، بلکہ جیسا کہ انہوں نے متعدد مرتبہ خود اپنے متعلق فرمایا کہ وہ ایک امی نبی تھے اور یہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا ایسا وصف تھا جس میں آپ (علیہ السلام) کے ہم عصروں میں کوئی آپ (علیہ السلام) کا مد مقابل نہ تھا (محمد رسول اللہ ص ۱۱۱)

آیۂ مذکورہ بالا میں حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صفت اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا (یعنی اہل کتاب اس برگزیدہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پائیں گے) کے متعلق تفصیلاً تو آگے جا کر بحث کی جائے گی۔ البتہ یہاں صرف ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے:۔

حضرت زید بن سعنہ جو یہود میں بڑے پائے کے احبار (علامہ) تھے، اپنے اسلام لانے کا قصہ یوں بیان کرتے ہیں کہ میں نے توراۃ میں نبی آخر الزماں کی نبوت کی جو علامات پڑھی تھیں، وہ سب میں نے رُوئے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے ہی پہچان لیں۔ صرف دو خصلتیں تھیں، جن کا آزمانا باقی تھا، یعنی آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا حلم آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے غضب پر سبقت لے جاتا ہے اور دوسرے کی شدتِ جہالت اور ایذاء آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حلم کو اور زیادہ کر دیتی ہے۔ ان دونوں کی آزمائش کے لیے میں موقع کا منتظر تھا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑی محبت سے پیش آتا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے دولت خانہ سے باہر تشریف لائے

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تھے، اتنے میں ایک سوار جو غالباً بدوی تھا۔ خدمتِ فیض درجت میں حاضر ہوا اور یوں عرض کیا "یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) فلاں قبیلے کے لوگ ایمان لاتے ہیں، میں نے ان سے کہا تھا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو تمہیں رزق بکثرت ملے گا۔ اب اُن کے ہاں بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط ہے۔ یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ طمع کے سبب اسلام سے برگشتہ نہ ہو جائیں .... اگر آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی رائے مبارک ہو تو ان کی دستگیری فرمائیے۔" یہ سُن کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے پہلو میں ایک صاحب (یعنی سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) کی طرف دیکھا۔ اُس نے عرض کیا کہ اس میں سے تو کچھ نہیں بچا (یعنی جو آیا تھا، وہ سب تقسیم کر دیا گیا ہے) یہ دیکھ کر میں آگے بڑھا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کھجوروں کی مقدارِ معین میعادِ معین پر خریدی اور اس کی قیمت اسی ۸۰ مثقال (تقریباً تیس ۳۰ تولے) سونا خدمتِ انور میں پیش کر دیا ــــ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وہ ۸۰ مثقال اس سوار کو دے دیئے اور فرمایا کہ جلدی جاؤ اور اس قبیلے میں تقسیم کر دو، جب وہ میعاد ختم ہونے میں دو تین روز باقی رہ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری کے جنازے کے ساتھ نکلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ منجملہ دیگر اصحاب کے ابوبکر و عمر، عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے، جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نمازِ جنازہ سے فارغ ہوئے اور بیٹھنے کے لیے ایک دیوار کے قریب پہنچے، تو میں نے آگے بڑھ کر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قمیص اور چادر کے دامن پکڑ لیے اور بڑے غصے سے آپ علیہ السلام کی طرف دیکھ کر یوں کہا: "اوہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم دائماً ابداً) کیا تو میرا حق ادا نہیں کرتا؟ اے خاندانِ بنو مطلب! قسم بخدا تم ادائے حق سے گریز کرنے کے لیے حیلے بہانے کرتے ہو۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے غصے سے میری طرف دیکھ کر کہا: او دشمنِ خدا! کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا ہے اور

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں ؟ مجھے قسم ہے اُس ذاتِ پاک کی کہ جس نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اگر مجھے مسلمانوں اور تیری قوم (یہود) کے درمیان صلح ختم (اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناراض) ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا تو ابھی تلوار سے تیرا سر اڑا دیتا۔" رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آرام و آہستگی اور تبسم کی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: عمر! مجھے اور اسے بجائے اس سختی کے اس بات کی زیادہ ضرورت تھی کہ تم مجھے اچھی طرح قرض ادا کرنے اور اسے اچھی طرح تقاضا کرنے کا کہتے۔

اے عمر! اس کو لے جاؤ اور اس کا حق ادا کر دو اور اسے جو دھمکایا ہے اس کے عوض بیس صاع (تقریباً اسّی کلو) زائد دے دو۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے ساتھ لے گئے اور میرا حق ادا کر دیا اور بیس صاع کھجوریں علاوہ دیں۔ میں نے پوچھا یہ زائد کیسی ہیں؟ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا تو میں نے کہا: عمر! مجھے پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے کہا کہ میں زید بن سعنہ ہوں۔ فرمایا: وہی زید جو یہودیوں کا بڑا علامہ ہے؟ میں نے کہا ہاں: پھر پوچھا کہ تو نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا؟ جبکہ تو دانا اور عالم تھا: میں نے کہا، عمر! (حقیقت یہ ہے کہ) جب میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو وہ تمام علامات جو میں تورات میں پڑھا کرتا تھا، موجود پائیں۔ اب صرف دو علامتیں باقی تھیں، جو میں نے اب آزما لیں۔ اے عمر! میں تجھ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار، اسلام کو اپنا دین اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا نبی ماننے پر راضی ہو گیا ہوں اور میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میرا آدھا مال حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت پر صدقہ ہے۔" پھر دونوں بارگاہِ نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں حاضر ہوئے اور زید بن سعنہ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اظہارِ اسلام کر دیا۔ (دلائل النبوۃ للحافظ ابی نعیم)

اندازہ کیجیے کہ غیر متعصب اور حقیقت پسند علماء اہلِ کتاب جو ایک ایک علامتِ نبوت کی تحقیق و جستجو میں اتنے صبر آزما مراحل سے گزرے تھے۔ اگر وہ علماء تورات و انجیل میں نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی جو نشانیاں پڑھتے تھے ان میں اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں جو مطابقت نہ پاتے یا متذبذب ہوتے، تو وہ کبھی بھی ایمان نہ لاتے ؟ یہ باتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی کتنی عظیم دلیل ہیں۔ اسی آیہ مبارکہ میں مذکور، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات دینِ اسلام کے دینِ فطرت ہونے کی بھی نشاندہی کرتی ہیں۔ (آیۂ مبارکہ دیکھیں)

"وہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام) ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائیں گے اور گندی چیزیں حرام فرمائیں گے اور ان پر سے وہ ان کے بوجھ اور اُن کے گلے کے پھندے (یعنی سخت احکام) اتار پھینکیں گے جو کہ ان پر تھے۔"

"ستھری چیزیں حلال فرمانے والے" یعنی جو اشیاء بنی اسرائیل پر بطورِ سزا حرام کر دی گئیں جس طرح چربی اور ہر ناخن والا جانور یا خود انہوں نے اپنے اوپر حرام کر لیں، جس طرح کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ، وہ سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت پر حلال فرما دی گئیں۔

اور جو چیزیں مثلاً شراب وغیرہ جو افعالِ قبیحہ کا باعث تھیں، ان کو سختی سے حرام فرمایا، کیونکہ اس کے استعمال سے افعالِ رذیلہ کے سرزد ہونے کے ساتھ ساتھ انسان پر اس کے انتہائی مضر طبی اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں اور اس حقیقت کو اہلِ مغرب بھی خوب جانتے ہیں۔ اسے اسلام نے اس حد تک قابلِ نفرت بنا دیا کہ پینا تو درکنار، جسم پر ملنا بھی ناجائز قرار دیا، جبکہ موجودہ انجیل میں پانی کی شراب بنانا، حضرت سیدنا عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کا معجزہ بتایا گیا ہے۔ انجیل میں ہے کہ آپ نے چھ مٹکے جو پانی کے بھرے ہوئے فی مٹکہ دو دو تین تین من کا تھا، سب شراب بنا دیئے اور لوگوں کو پلائی گئی اور یہ پہلا معجزہ تھا۔

ملاحظہ فرمایئے انجیل یوحنا باب نمبر۲، آیت ۶ تا ۱۱)

(یونہی) عیسیٰ علیہ السلام کے حواری "پولس رسول کا تیمتھیس کے نام پہلا خط باب نمبر ۵، آیت ۲۳ میں ہے:

"آئندہ کو صرف پانی ہی نہ پیا کرو، بلکہ اپنے معدے اور اکثر کمزور رہنے کی وجہ سے ذرا سی مے بھی کام میں لایا کرو۔"

(انجیل مقدس پاکستان بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور، صفحہ ۲۶۸)

گویا مے نوشی (شراب پینے) کی اجازت ہی نہیں، بلکہ حکم دیا گیا ہے۔ بہتر ہوگا کہ آپ کو برطانوی حکومت کی ایک نصیحت سے بھی مطلع کر دیا جائے، یہ نصیحت اس وقت کی ہے جب برطانوی راج جوبن پر تھا۔ مخزنِ حکمت میں ہے:

"جب برطانیہ عظمیٰ کی افواج جرمنی کے خلاف میدانِ جنگ میں جانے لگیں، تو شراب نوشی کے نقصانات کر مدِ نظر رکھتے ہوئے سپہ سالارِ اعظم جناب لارڈ کچنر صاحب بہادر نے دلیران و شیرانِ برطانیہ کو مخاطب کر کے ——— یہ نصیحت کی کہ حتی الامکان شراب نوشی نہ کرنا، لیکن جب بعض ضروری کاروبار میں ہرج اور نقصان ہونے لگا، تو اکابر و اعیانِ مملکت بلکہ خود اعلیٰ حضرت ملک معظم نے بھی ترک مے نوشی کا عہد کر کے خاص و عام کو اپنی بے مثل مثال تقلید کی تحریک و ترغیب دی۔" (مخزنِ حکمت صفحہ ۱۸۸، طبع سوم)

ان اقتباسات کو پڑھیے اور خود سوچیے کہ دینِ فطرت، دینِ مسیحیت ہے یا دینِ اسلام۔

"بوجھ اور گلے کے پھندے اتارنے والے رسول علیہ السلام" وہ تمام احکام جو کسی خاص وقت یا قوم کے لیے تھے اور تمام انسانوں کے لیے ہمیشہ قابلِ عمل رہنے ممکن نہ تھے، مثلاً مال کا چوتھائی حصہ زکوٰۃ دینا، وضو کی جگہ کسی بھی حالت میں تیمم نہ کر سکنا، نماز (عبادت) صرف عبادت خانوں (گرجوں) میں ہونا، ان کے سوا نہ ہو سکنا، جسم یا کپڑے پر پلیدی لگ جائے

تو اس جگہ کو جلا دینا یا کاٹ ڈالنا، مالِ غنیمت کا حرام ہونا وغیرہم ایسے اعمال تھے جن پر ہمیشہ (قیامت تک) عمل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہ سب بنی اسرائیل (یہود و نصاریٰ) کے لیے تو تھے، مگر دینِ اسلام میں تبدیل فرما کر آسانی فرمادی گئی۔ انجیل میں ہے،

"میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا، بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے، اور جو کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اُسے لینے دے۔"

(متی کی انجیل باب ۵، آیت ۳۹ تا ۴۱)

کیا موجودہ زمانے میں انجیل کے اس حکم پر عمل کر کے کوئی حکومت قائم رہ سکتی ہے؟ کیا یہ حکم ہر زمانے میں قابلِ عمل ہے؟ یقیناً انسانیت کی فلاح و بہبود اسلام کے دامن میں ہی پوشیدہ ہے۔

(۱۵) قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۝ اعراف ۱۵۸ (یارسول اللہ علیک السلام) تم فرماؤ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

انبیاء بنی اسرائیل اپنے اپنے زمانے میں کسی خاص علاقے یا قوم کی طرف مبعوث فرمائے گئے، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کو لیجئے کہ جب حضرت خضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت خضر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت واجب نہ تھی، اسی لیے انہوں نے عرض کیا تھا کہ چونکہ میرے عمل اور آپ کے علم میں بڑا فرق ہے، اس لیے آپ کو میرے کاموں پر اعتراض ہوگا، کیونکہ وہ آپ کی شریعت کے مطابق نہ ہوں گے اور آپ کے تابع رہنا مجھ پر لازم نہیں کہ میں آپ کا امتی نہیں ہوں۔ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد بھی موجودہ انجیل میں یوں درج ہے:

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (متی کی انجیل باب ۱۵، آیت ۲۴)

غیر اسرائیلی کو فیض دینا گویا بچوں کی روٹی چھین کر کتوں کے آگے ڈالنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ دیکھیں اسی باب کی آیت ۲۶ اور دوسری جگہ اس بات کو موتی خنزیر کے آگے ڈالنے کے مصداق کہا گیا ہے، یعنی اس سے ثابت ہے کہ یسوع تو صرف بنی اسرائیل کی طرف گئے ہیں، لیکن اگر کسی دوسرے کو کچھ فیض مل جائے، تو شاذونادر ہے۔

یہ اعزاز صرف خاتم الانبیاء حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے حصہ میں آیا ہے کہ آپ تمام انسانیت کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے۔ اسی لیے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعتِ مطہرہ میں وہ اصول اپنائے گئے ہیں جو رہتی دنیا تک تمام اقوامِ عالم کے لیے یکساں طور پر مفید اور کارآمد ہیں۔

(۱۶) وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ﴿۸/۱۷﴾ (اور اے محبوب علیک الصلوٰۃ والسلام) وہ خاک جو تم نے پھینکی وہ تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔

اس آیۂ مبارکہ میں ایک عظیم واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ۲ھ ستر ہ رمضان المبارک کو کفارِ مکہ کا ایک بہت بڑا لشکر، اسلام کو مٹانے کے لیے مدینہ طیبہ کی طرف بڑھا۔ مقامِ بدر میں تین سو تیرہ مسلمانوں کے ساتھ ان کا مقابلہ ہوا، لشکرِ کفار کئی گنا بڑا ہونے کے ساتھ ساتھ سرتاپا لوہے کے لباس میں غرق اور اُس وقت کے جدید ترین اور خون آشام ہتھیاروں سے مسلح تھا، جبکہ مسلمانوں میں بعض کے جسم پر قمیض بھی نہ تھی۔ مسلمانوں کے پورے لشکر کے پاس دو یا تین گھوڑے اور آٹھ تلواریں تھیں، باقی مسلمان کھجور کی شاخیں ہاتھوں میں تھامے کھڑے تھے۔ کفار کے پاس قسم قسم کے کھانے تھے اور مسلمان روزے سے، کفار تمام رات شراب و رقص میں مشغول رہتے اور مسلمان ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ لشکرِ کفار کی طرف سے گانے والوں کے گانے اور باجوں کے نغمے، ادھر مسلمانوں کے ہاں آیاتِ قرآنی کی تلاوت اور تکبیر کے کلمے، ایسے میں کفار نے مسلمانوں پر بھرپور حملہ کر دیا۔ حالت یہ تھی کہ تین تین

چار چار سوار و پیادہ آہن پوش کفار اکیلے مہاجرین تنِ تنہا انصاری پر پل پڑتے ۔میدانِ جنگ میں انسانی اعضاء گاجر، مولی کی طرح کاٹے جا رہے تھے، اُبلتے ہوئے گرم گرم خون سے سپاہیوں کے کپڑے بھیگ رہے تھے، انسانی لاشوں کو گھوڑے کچل رہے تھے، ایسے میں زخمیوں کی چیخ و پکار، تیغ و تبر کی چقاچق، برچھیوں اور نیزوں کی جھنجھناہٹ، تیروں کی فشا فش، گھوڑوں کی ہنہناہٹ، کفار کے جنگی نقاروں کی ہیبت ناک گھن گرج، لات و منات، ہبل و عزّیٰ سے امداد کے لیے کفّار کا شور و پکار، مجاہدینِ اسلام کی اَحد اَحد کی صدائیں اور ہر ضرب پر اللہ اکبر کے پرجوش اور فلک بوس نعرے، اس سب کچھ سے میدانِ کارزار ایک ہولناک منظر پیش کر رہا تھا، گویا آسمان پھٹ رہا تھا، زمین پر لرزہ تھا، پہاڑ کپکپا رہے تھے۔ موت مہیب انداز میں منہ کھولے انسانوں کو تڑپ کر رہی تھی۔ ادھر حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام سجدہ میں پڑے بارگاہِ ربّ العزّت میں دُعا کر رہے ہیں کہ یا اللہ العالمین یا ذوالجلال والاکرام! آج اس میدان میں یہ مٹھی بھر مسلمان جو کٹ جائیں اور مٹ جائیں تو تیری عبادت کرنے والے بندے دنیا میں نہ رہیں گے۔ الٰہی اپنی عبادت کرنے والے ان مسلمانوں کو آج فتح سے نواز۔۔۔۔۔۔۔۔ الخ ۔۔۔۔۔۔

پھر سجدہ سے سر اٹھا کر اپنے محبوب صحابی سے فرمایا: "بشارت ہو امدادِ خدا بصورتِ ملائکہ آگئی ہے" پھر ایک مٹھی خاک کی لے کر کافروں کی طرف پھینکی۔ اللہ تعالیٰ جانتے وہ مُشتِ خاک تھی یا ابابیل کی کنکریاں کہ وہ سب کافروں کو لگی اور دوسرے ہی لمحے ان کے منہ پھر گئے اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگنے لگے۔

میں تیرے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ
کہ جن سے اتنے کافروں کا دفعتاً مُنہ پھر گیا

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شاندار فتح عطا فرمائی۔ اس آیہ مبارکہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ (کتب تفاسیر) فرمایا جا رہا ہے کہ "اے محبوب! علیک السلام، وہ مُشتِ خاک جو آپ نے

پھینکی، وہ تم نے نہیں پھینکی، بلکہ تمہارے رب نے پھینکی تھی، گویا ہاتھ تمہارے، مگر کام ہمارا تھا۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا،

(۱۷) اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ (الفتح - ۱۰)

(اے محبوب علیک السلام) وہ لوگ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔

اس آیۂ کریمہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کے علو مرتبہ کا پتہ چلتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دستِ مبارک کتنا عظیم ہاتھ ہے اور اس ہاتھ پر بیعت کرنے والے کتنے عظیم ہیں۔ ایسی آیاتِ مبارکہ اور انتہائی حیرت انگیز معجزات کے ہوتے ہوئے بھی آج تک کسی صحیح العقیدہ مسلمان نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معاذ اللہ تعالیٰ، اللہ یا اللہ کا بیٹا یا اللہ کا کوئی جز نہیں کہا۔ بلکہ اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے برگزیدہ بندے اور شاندار رسول ہیں، بلکہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اَنَا بَشَرٌ کہتے ہوئے بندگیٔ خدا کا اقرار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ بندگی کو یوں بیان فرماتا ہے،

(۱۸) وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى (النجم - ۴)

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں کرتے، مگر (وہی) جو انہیں وحی کی جاتی ہے۔

(۱۹) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ (۸/۲۴)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (علیہ السلام) کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو جایا کرو جب رسول علیہ السلام تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی۔

اس آیتِ مبارکہ میں پروردگارِ عالم نے اہلِ ایمان کو دربارِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ادب سکھایا ہے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاداتِ عالیہ کی اہمیت بتائی اور حکم دیا کہ یونہی محبوبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تم میں سے کسی کو طلب فرمائیں تو فوراً بلا حیل و حجت تمام کام ترک کر کے بارگاہِ نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) حاضر ہو جایا کرو اور صدائے مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیغامِ خدا سمجھو کہ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جو تمہیں بلاتے ہیں تو زندگی عطا فرمانے کے لیے بلاتے ہیں وہاں سے تمہیں روحانی عروج میسر آتا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کرتے ہوئے حیاتِ جاودانی حاصل کر سکتے ہو۔

(۲۰) وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ۲۱/۱۰۷ (اے محبوب علیک السلام) ہم نے تمام جہانوں کے لیے آپ کو رحمت بنا کر بھیجا۔

ربِ کائنات جل شانہٗ نے اپنے لیے ربّ العالمین اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے رحمۃً للعالمین فرمایا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کفار کے لیے بھی رحمت ہیں؟ اس کا جواب خود کلامِ الٰہی میں ملتا ہے۔ ارشادِ گرامی ہے:

(۲۱) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ (۸/۳۳) اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا کہ ان (کافروں) پر عذاب کرے، جب تک (اے محبوب علیک السلام) آپ ان میں تشریف فرما ہیں۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے بخاری شریف کے حوالہ سے نقل کیا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ابوجہل نے کہا تھا، اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ ۔۔۔۔۔ الخ۔ ۔۔۔۔ یعنی اے اللہ تعالیٰ اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی دردناک عذاب ہم پہ لا، تو تب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ ابن جریر نے سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے لکھا کہ یہ بات کہنے والا نضر بن حارث تھا۔ (تفسیر مظہری جلد پنجم)

پتہ چلا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کے صدقہ سے کفار بھی دنیا کے اندر ایسے اجتماعی عذاب سے محفوظ رہے — آیہ مبارکہ ۱۲ میں علماء کرام نے بڑے نفیس نکات بیان فرمائے ہیں، کچھ اختصاراً عرض کیے جاتے ہیں:

(۱) یہ کہ رحمت کون ہے، اس کا جواب اَرْسَلْنٰکَ میں فرمایا کہ رحمت آپ ہیں۔

(۲) کب سے کب تک اور کس کس پر رحمت ہے۔ یہ سب عالمین میں فرما دیا کہ جب سے اور جب تک عالم ہے اور عالمین کا اطلاق جن پر بھی ہوتا ہے وہ سب رحمت میں شامل ہیں ظاہر ہے کہ ماسوا اللہ تعالیٰ، سب لفظ عالمین میں شامل ہیں۔ خواہ جانور ہوں یا انسان، درخت ہو یا پتھر، جن ہو یا فرشتے غرضیکہ ہر شے (ماسوا اللہ تعالیٰ کے) لفظ عالمین میں داخل ہے۔

آپ خود ارشاد فرماتے ہیں: اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً (مسلم) یعنی میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تو جب رسالت کل مخلوق کے لیے عام ہے تو رحمت بھی سارے جہانوں کے لیے عام ہے۔ پھر کسی بھی راحم (رحمت کرنے والے) کے لیے چار باتیں لازم ہیں:

(۱) سب سے پہلے تو یہ امر لازم ہے، رحم کرنے والا زندہ ہو مُردہ نہ ہو، مردہ رحم نہیں کر سکتا، بلکہ وہ رحم کا طالب و مستحق ہے، لہٰذا اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ نہ ہوں تو رحمۃ للعالمین نہیں ہو سکتے، جبکہ یہ بات رحمۃ للعالمین قرآن سے ثابت ہے۔ فلہٰذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا زندہ ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

(۲) یہ کہ راحم کے لیے ضروری ہے کہ مرحوم (جس پر رحم کیا گیا) کے حال سے واقف ہو مثلاً زید مظلوم ہے، وہ عمرو کے پاس طلب رحم کے لیے آتا ہے، جب تک عمرو زید کو اپنے حال سے مطلع نہ کرے گا، زید اس پہ رحم نہیں کر سکتا، کیونکہ اسے تو علم ہی نہیں کہ عمرو مظلوم بھی ہے کہ نہیں یا کس قسم کی مصیبت میں مبتلا ہے۔ اس لیے راحم کے لیے واقفِ حال ہونا بھی ضروری ہے پس اگر اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو علم عطا نہ فرمائے، تو راحم کیسے ہوں گے؟ جبکہ خدا تعالیٰ لم یزل خود

فرماتا ہے کہ میں نے تم کو رحمۃ للعالمین بنایا۔

(۳) یہ کہ رحم کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہو، مثلاً اگر کسی مظلوم کو کوئی مار رہا ہے تو راحم میں اتنی قوت و اختیار ضروری ہے کہ ظالم سے مظلوم کو بچا سکے، ورنہ وہ اس پر رحمت کرنے والا نہ کہلا سکے گا۔

(۴) یہ کہ وہاں تک رسائی بھی ہو، مثلاً اگر کئی میل کے فاصلہ پر کوئی ظالم کسی پہ ظلم کر رہا ہے۔ اگر یہ راحم وہاں موجود ہوتا تو ظالم کو وہ روکنے پر قادر تھا، لیکن دور ہونے کی وجہ سے روک نہیں سکتا، اس لیے یہ راحم اس مظلوم کے لیے راحم نہیں، کیونکہ اُس پر تو رحم نہ کر سکا جبکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ ثابت ہوا کہ عطائے خدا سے یہ تمام صفات راحماً للعالمین حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں پائی جاتی ہیں۔ (ملخصاً از مقالاتِ کاظمی جلد نمبر ۱، و شانِ حبیب الرحمٰن)

اس میں یہ ضروری نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جسمانی لحاظ سے ہی ہر جگہ موجود ہوں، بلکہ حکمی لحاظ سے بھی ممکن ہے، مثلاً سورج ایک جگہ موجود ہونے کے باوجود کم و بیش نصف دنیا کو روشن رکھتا ہے، تو اگر محبوبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پھیلایا ہوا نور (علم و حکمت) اگر پوری کائنات (ماسوا اللہ) کو کفایت کرے، تو مقامِ تعجب نہیں۔

آیۂ مبارکہ کی اس تشریح کی روشنی میں "پادری ولیم مسیح سیالکوٹی" کے وہ تمام اعتراضات (جو کہ صلا پر مذکور ہیں) حباً منثوراً (تہس نہس) ہو جاتے ہیں کہ جن پر اُسے بڑا ناز تھا:

(۲۲) لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ٩/١٢٨	بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کہ جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمہاری بھلائی کے بہت چاہنے والے (اور) مسلمانوں پر بہت کرم کرنے والے مہربان ہیں۔

اس آیہ کریمہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مختلف صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ رسولِ خدا بن کر تشریف لائے (معاذ اللہ، خدا یا خدا کے بیٹے نہیں، بلکہ تم انسانوں میں سے ہی تشریف لائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے تم پہ پڑنے والی مصیبت بھی پریشانی کا باعث ہے۔ تمہارے لیے بہت چاہنے والے ہیں اور ایمان والوں کے لیے تو خاص مہربان ہیں۔ یعنی یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنوں بیگانوں سب کے لیے مہربان ہیں ۔ میدانِ طائف میں نابکارانِ قوم نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سخت ذہنی اور جسمانی تکالیف پہنچائیں۔ ان بدبختوں نے آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر اتنے پتھر برسائے کہ تمام جسم انور لہو لہان ہو گیا۔ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چلتے تو پائے اقدس پر پتھر مارتے۔ جب شدتِ تکلیف سے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ جاتے اور اپنے ہاتھ اپنے پاؤں پر رکھ لیتے تو بدبخت آگے بڑھ کر پھر کھڑے کر دیتے اور چلنے پر مجبور کر دیتے۔ یونہی خواجہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قدم مبارک اٹھاتے تو وہ بدبخت و نابکار لوگ پتھروں کی بارش کر دیتے اور ساتھ ساتھ ہنسی مذاق بھی اڑاتے تھے۔

جب وہ بدبخت تھک ہار کر واپس چلے گئے، تو صحابہ کرام (جو خود بھی زخمی ہو چکے تھے) نے عرض کیا کہ ان گستاخوں کے حق میں بددعا ہی فرما دیجیے۔ خدائے لم یزل کی طرف سے "ملک الجبال" (پہاڑوں پہ مامور فرشتہ) بھی حاضرِ خدمت ہوا۔ بحکم خدا اجازت مانگی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) مجھے اجازت دیجیے میں کہ اس قوم کو کچل کر رکھ دوں مگر اس رحیم و کریم آقا نے جو دعا کی، وہ یوں تھی، اَللّٰھُمَّ اھْدِ لِقَوْمِیْ اِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ ۔ یعنی میرے مولا! اس میری قوم کو ہدایت فرما دے، ان کو علم نہیں کہ ہم کس سے بدسلوکی کر رہے ہیں۔

جنگِ بدر میں حضرت عباس کفارِ مکہ کے ساتھ قید ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

ان تمام قیدیوں کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے باندھے ہوئے تھے۔ یہ کفار شمع رسالت کو گُل کرنے کی نیت سے آئے تھے۔ ان کا سب سے بڑا ہدف ذاتِ فخرِ دوعالم رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تھی، مگر آج وہ خود قیدی ہیں۔ رات کے وقت صحابہ کرام نے محسوس کیا کہ ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ بے چین ہیں، بصد ادب عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! آپ پریشان کیوں ہیں؟ ارشاد ہوا کہ یہ میرے قریب کے مکان والے قیدی عباس کے کراہنے کی آواز نے میری نیند اڑا دی ہے، اس لیے بے چین ہوں۔ جاں نثارانِ رسالت مآب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) فوراً اٹھے اور حضرت عباس کی بندشوں کو ڈھیلا کر دیا، جب آواز آنا بند ہو گئی، تو فرمایا اب تو عباس کی آواز نہیں آتی۔ غلاموں نے عرض کیا کہ حضور ہم نے اُن کی رسیوں کو ڈھیلا کر دیا ہے اور وہ سو گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی ارشاد فرمایا کہ جاؤ ان تمام قیدیوں کی رسیوں کو ڈھیلا کر دو۔ (سبحان اللہ تعالیٰ)

فتحِ مکہ کے وقت یوں جان کے دشمنوں سے سلوک فرمایا، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ آپ کو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی میں ایسے بیسیوں واقعات ملیں گے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جان کے بدترین دشمنوں کو بھی کمال عفو و کرم کا مظاہرہ فرماتے ہوئے معاف فرما دیا۔ آپ کو حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ایک بھی ایسا واقعہ نہ ملے گا کہ آپ علیہ السلام نے اپنے کسی بھی ذاتی دشمن سے انتقام لیا ہو۔

(۲۳) سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ	پاک ہے وہ ذات، جو لے گیا، اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں

مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ ۱ | دکھائیں، بیشک وہ سنتا اور دیکھتا ہے۔

اس آیہ کریمہ میں نعتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بڑے شاندار طریقے سے بیان فرمائی گئی ہے اور اس طرف بھی اشارہ فرمایا گیا ہے کہ جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام بارگاہِ رب العزت جل شانہ میں حاضر ہوتے ہیں تو بندۂ خدا بن کر اور جب بندگانِ خدا کے پاس تشریف لاتے ہیں، تو رسولِ خدا بن کر، برہانِ خدا بن کر، مبشر و نذیر بن کر، سراج منیر بن کر۔ ایک عام انسان جب اپنے اُستاد یا والد کے پاس جاتا ہے تو فرمانبردار شاگرد یا بیٹا بن کر۔ لیکن جب وہی اپنے شاگرد یا اپنے بیٹے کے پاس جاتا ہے تو اُستاد یا باپ بن کر۔

خدائے بزرگ و برتر نے اپنے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جہاں بہت سے دوسرے معجزات و خصائص سے نوازا، وہاں معراج النبی کی صورت میں بھی ایک ایسا عظیم الشان معجزہ عطا فرمایا جو کہ نبوت خیر الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ناقابل تردید دلیل ہے۔

واقعہ معراج اعلان نبوت کے گیارہ سال اور تقریباً پانچ ماہ بعد، ۲۷ رجب المرجب پیر کی شب کو پیش آیا۔

صبح کو جب حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ کے سامنے رات کے انتہائی قلیل حصہ میں نہ صرف بیت الحرام سے بیت المقدس تک بلکہ ملکوت السمٰوٰت کی سیر کا بھی ذکر فرمایا تو خود کافروں کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آج رات ہم نے ان کو مکہ مکرمہ میں دیکھا، صبح طلوعِ آفتاب سے قبل بھی اسی جگہ تشریف فرما ہیں۔ یہ آج تک بیت المقدس گئے بھی نہیں، اور ہم وہاں کی چپہ چپہ سرزمین سے واقف ہیں۔ انہوں نے دعویٰ تو کر دیا کہ میں آج رات بیت المقدس کی سیر کر کے آیا ہوں، مگر یہ ہمارے سوالات کی تاب نہ لا سکیں گے ان کے اس دعوےٰ کی وجہ سے ہمارے ہاتھ ان کی ایسی کمزوری آگئی ہے کہ اب ہم اسے پورے زمانہ کے سامنے جھوٹا ثابت کر سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرتِ اُمِّ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے باہر نکلے تاکہ لوگوں کو اس واقعۂ عجیبہ سے مطلع کریں، تو ابوجہل سے ملاقات ہوئی فرمایا، آج رات میں بیت الحرام سے بیت المقدس تک سیر کر کے آیا ہوں۔" ابوجہل یہ سنتے ہی ٹھٹھک گیا۔ دوسرے ہی لمحے اُس کے ذہن میں کوئی خیال آیا، فوراً بولا: محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) تمہیں معلوم ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اثبات میں جواب دیا اور فرمایا ہاں رات کے قلیل حصے میں، مَیں نے سب کچھ دیکھا۔ ابوجہل بولا کیا آپ اپنی قوم کے سامنے اس بات کا اقرار کریں گے؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہاں، دراصل ابوجہل نے سمجھا تھا کہ دعویٰ تو کر دیا، مگر کما حقہٗ ثبوت پیش نہ کر سکیں گے، اس لیے کہیں معاذ اللہ مُکر نہ جائیں، چنانچہ وہاں کھڑے ہی ابوجہل نے چلّانا شروع کر دیا اور چیخ چیخ کر لوگوں کو جمع کرنے لگا۔ عجیب بات تھی کہ آج تک تو وہ لوگوں کو حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتیں سننے سے روکتا تھا، مگر آج خود لوگوں کو جمع کر رہا تھا۔ درحقیقت وہ لوگوں کے سامنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو (معاذ اللہ) دروغ گو ثابت کرنا چاہتا تھا، جب بہت سے لوگ جمع ہو گئے، تو ابوجہل بولا: "محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) اب وہی کچھ کہو جو مجھے کہہ چکے ہو۔" حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کو واقعہ گزشتہ سے مطلع فرما دیا، تو تمام حیران رہ گئے۔

کفارِ مکہ تو تکذیب و تمسخر کے درپے تھے، کہنے لگے ٹھیک ہے ہم نے آسمان تو نہیں دیکھے لیکن مسجدِ اقصیٰ تو کئی بار دیکھی ہے۔ آپ ہمیں مسجدِ اقصیٰ کے متعلق بتائیں۔ کفارِ مکہ پیچیدہ سے پیچیدہ تر سوال کر رہے تھے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اُن کے ہر سوال کا مسکت جواب دیتے جا رہے تھے۔ خالقِ کائنات نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے مسجدِ اقصیٰ کو اتنا قریب کر دیا تھا، جتنا کہ مسجدِ بیت الحرام سے عقیل بن ابی طالب کا گھر۔ خواجۂ کونین حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اُس کا ایک ایک ستون ایک ایک دروازہ اور ایک ایک کھڑکی اپنے سر کی آنکھوں سے ملاحظہ فرما رہے تھے اور بلا تکلف جوابات

ارشاد فرما رہے تھے۔ کفار حیران و سرگردان تھے کہ آخر یہ بیت المقدس کبھی گئے بھی نہیں، پھر بھی سب کچھ بتا رہے ہیں۔ پھر کفار نے ایک اور سوال داغ دیا جو اُن کے نزدیک بڑا وزنی سوال تھا کہ بتاؤ ہمارے قافلے تجارت کے لیے ملکِ شام کی طرف گئے ہوئے ہیں، تم جو اُن راستوں سے گزرے ہو تو بتاؤ ہمارے قافلوں کا کیا حال ہے اور وہ کہاں ہیں؟ جواباً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک آدمی کا نام لے کر فرمایا: بنی فلاں کے قافلہ پر میں مقامِ روحا پر گزرا تھا، اُن کا ایک اُونٹ گم ہو گیا تھا، وہ تلاش کر رہے تھے، میں نے اُن کو اونٹ کی خبر دی، وہ لوگ آئیں، تو ان سے دریافت کر لینا۔ کفار نے کہا کہ ٹھیک ہے یہ ایک عظیم الشان نشانی ہے، پھر ارشاد فرمایا: "میں بنی فلاں کے قافلہ پر بھی گزرا (پھر دو آدمیوں کے نام لیے جو راوی کو یاد نہیں رہے) وہ دونوں مقامِ ذی طوی میں ایک اونٹ پر سوار تھے (میں تیزی سے اُن کے قریب سے گزرا تو) اُن کا اونٹ میری وجہ سے بدک کر بھاگا اور وہ دونوں سوار گر پڑے، جس سے فلاں آدمی کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ جب وہ آئیں تو اُن سے دریافت کر لینا۔ کفار نے کہا کہ یہ دوسری عظیم نشانی ہوئی۔ پھر کفار نے اپنے ایک اور قافلہ کے متعلق پوچھا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: یہ قافلہ مقامِ تنعیم میں مجھے ملا۔ کفار نے سوال کیا کہ اُس قافلے کے اونٹوں کی گنتی بتائیے اور اس میں کون کون لوگ ہیں اور یہ بھی بتائیے کہ قافلہ کیا مال لا رہا ہے؟ اُس کی ہیئت کیا ہے؟ وہ کب پہنچے گا؟ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قافلہ کی مکمل ہیئت و تعداد سے اُن کو مطلع فرما دیا اور پھر یہ فرمایا کہ اس قافلہ کے آگے آگے ایک خاکستری رنگ کا اونٹ ہے جس پر دو دھاری دھار بوریاں لدی ہوئی ہیں اور یہ قافلہ صبح سورج طلوع ہوتے ہی مکہ میں پہنچ جائے گا۔ وہ بولے ٹھیک ہے، یہ تیسری نشانی ہوئی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مزید فرمایا کہ دوسرا قافلہ پرسوں بروز بدھ غروبِ آفتاب سے قبل آجائے گا۔ کفارِ مکہ تیزی سے پہاڑ کی گھاٹی کی طرف جا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

نے ایک عظیم خبر دی ہے۔ وہ کدٰی نامی پہاڑی پر آ بیٹھے اور انتظار کرنے لگے کہ کب سورج نکلے اور ہمیں تکذیب کا بہانہ ملے۔ ناگہاں ان میں سے ایک آدمی بولا کہ خدا کی قسم سورج نکل آیا۔ اُسی لمحے اُن کا ہی دوسرا آدمی چلایا ادھر دیکھو خدا کی قسم قافلہ بھی آ گیا۔ سب کی نگاہیں قافلہ کی طرف اُٹھ گئیں۔ ارشادِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مطابق آگے آگے وہی خاکستری رنگ کا اُونٹ تھا، اور پر وہی دھاری دار دو بوریاں تھیں۔ اونٹوں کی تعداد اور افرادِ قافلہ بعینہٖ وہی تھے، جن کے متعلق پہلے خبر دی جا چکی تھی۔ بدھ کا روز آیا، تو دوسرا قافلہ بھی شام سے پہلے آ گیا اور سب اہلِ قافلہ نے اُن تمام باتوں کے متعلق لفظ بلفظ وہی کچھ بتایا جو کہ حضور خواجۂ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے بتا چکے تھے۔ اس کے باوجود اکثر کفار ایمان نہ لائے اور بولے (معاذاللہ) یہ بہت بڑا جادو ہے۔

حافظ ابی نعیم اصفہانی نے دلائل النبوۃ میں حضرت محمد بن کعب قرظی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قیصرِ رُوم کی طرف بھیجا، تو (پورا واقعہ انشاءاللہ تعالیٰ آگے درج ہوگا) قیصرِ روم نے تحقیقِ حال کے لیے ابی سفیان کو اپنے دربار طلب کیا۔ ابوسفیان اس وقت شدید ترین کافر اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بدترین دشمن تھا۔ جب ابی سفیان، اپنی کوشش کے باوجود حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت قیصرِ روم کی نگاہ سے نہ گرا سکا تو بولا اے بادشاہ! میں تجھے ایسی بات نہ بتاؤں کہ اُس مدعیٔ نبوت کا جھوٹ تجھ پر ظاہر ہو جائے۔ قیصر نے پوچھا کہ بتاؤ وہ کیا بات ہے؟ ابوسفیان نے بتایا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک رات ارضِ حرم (خانہ کعبہ) سے چلا اور ایلیا (بیت المقدس) آیا اور اُسی رات صبح سے پہلے مکہ واپس پہنچ گیا۔ ابی سفیان کا قول ہے کہ جب میں یہ بتا رہا تھا، تو اُس وقت عیسائیوں کا پیشوا اور مسجدِ اقصیٰ کا سب سے بڑا پادری قیصرِ روم کے پاس کھڑا تھا، اس پادری نے کہا کہ مجھے اس رات کا علم ہے۔ بادشاہ نے اُس سے پوچھا کہ تجھے کیا علم ہے؟ اُس نے کہا کہ میری عادت

ہے کہ میں روزانہ رات کو سونے سے قبل مسجدِ اقصیٰ کے تمام دروازے بند کر دیا کرتا ہوں۔ اس رات میں نے تمام دروازے بند کر دیئے، مگر باوجود شدید کوشش کے ایک دروازہ مجھ سے بند نہ ہو سکا۔ میں نے اپنے کارندوں اور ملازمین کو بلایا، سب نے پوری طاقت صرف کی مگر دروازہ نہ ہلا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ہم کسی پہاڑ کو اس کی جگہ سے دھکیل رہے ہیں۔ بالآخر میں نے حکم دیا کہ بڑھئی کو بلایا جائے۔ بڑھئی نے دیکھ کر کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ (شاید) اوپر کی عمارت نیچے آگئی ہے اور دروازے پر اس کا بوجھ پڑ گیا ہے، اس لیے رات کو کچھ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ دروازہ کھلا چھوڑ کر ہم آگئے، صبح جب میں وہاں آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دروازہ بالکل ٹھیک ہے، اس میں کوئی نقص نہیں اور گوشۂ مسجد والے پتھر میں سوراخ تھا اور جانور باندھنے کا نشان بھی تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آج رات اس دروازہ کا کھلا رہنا صرف نبی معظم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے تھا۔ یقیناً اس نبی معظم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے ہماری اس مسجد میں نماز پڑھی ہوگی۔ (ابن کثیر جلد نمبر ۲)

واضح ہو کہ عیسائی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مسجدِ اقصیٰ تک جانے اور آسمانوں کی سیر کرنے کے واقعہ کا انکار کرتے ہیں (کہ آسمان پر جانا ممکن نہیں) تعجب ہے کہ اگر یہ صحیح ہے، تو عیسائیوں کے اپنے اس عقیدے کا کیا بنے گا کہ "یسوع مسیح تیسرے روز زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے تھے۔" انجیل میں ہے:

"غرض خداوند یسوع کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا اور خدا کی داہنی طرف بیٹھ گیا۔" (مرقس کی انجیل، باب ۱۶ - ۱۹)

"جب وہ انہیں برکت دے رہا تھا، تو ایسا ہوا کہ ان سے جدا ہو گیا اور آسمان پر اٹھایا گیا۔" (لوقا، باب ۲۴ - ۵۱)

(۲۴) لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ ۲۴/۶۳

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پکارنے کو ایسا نہ سمجھو کہ جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

اس آیۂ کریمہ میں بارگاہِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ادب سکھایا جارہا ہے۔
صاحبِ رُوح البیان علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس کی دو تفسیریں ہیں پہلی یہ مراد ہے کہ حضورِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو پکارنا، آپس میں ایک دوسرے کو پکارنے کی طرح نہ سمجھو یعنی اے محمد، اے احمد، اے بھائی، اے دوست وغیرہ نہ کہو، بلکہ یوں عرض کرو، یارسول اللہ، یاحبیب اللہ، یانبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)
اور دوسری تفسیر یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا بُلانا آپس میں ایک دوسرے کے بُلانے کی طرح نہ سمجھو کہ اُن کے بلانے کا جواب دو یا نہ دو، نہیں، بلکہ جب بھی اور جس حالت میں بھی تم ہو، فوراً حاضر ہو جایا کرو، اس سلسلہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بہت سے واقعات شاہد ہیں۔
اس کی تفسیر ایک یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ندا و دعاءِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو عام شخص کی ندا، یا دُعا کی طرح نہ جانو، بلکہ یہ تو محبوب (علیہ السلام) ہیں کہ اگر مردوں کو پکاریں تو فوراً زندہ ہوکر لبیک کہیں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غزوۂ خندق کے موقع پر کی گئی دعوت کے دوران فوت شدہ بچوں کے زندہ ہونے روزِ خیبر بکری کے پکے ہوئے گوشت کے کلام کرنے اور ایسے ہی بہت سے واقعات شاہد ہیں اور یہ محبوب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس شان کے مالک ہیں کہ اگر چاند کو اشارہ کریں تو فوراً حکم مانے۔ اگر کسی درخت کو دربارِ عالیہ میں طلب فرمائیں، تو اُس درخت میں مجالِ انکار نہیں۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ ہم ایک سفر میں حضور پُرنور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ اثنائے سفر میں ــــ ایک بدوی حاضرِ خدمت ہوا۔ جب وہ نزدیک آیا تو آپ علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ کیا تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی رسالت کی گواہی دیتا ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں اس پر کون گواہی دیتا ہے؟ آنحضور علیہ السلام

نے فرمایا کہ وہ درخت اور ساتھ ہی اُس درخت کو طلب فرمایا جو وادی کے دوسرے کنارے پر کھڑا تھا، وہ زمین کو چیرتا ہوا سامنے آکھڑا ہوا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے تین بار اُس سے اپنی صداقت کی گواہی طلب فرمائی اور اُس درخت نے ہر بار (فصیح زبان سے) گواہی دی کہ آپ جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں برحق ہے، پھر درخت واپس اپنی جگہ پر چلا گیا۔ (مشکوٰۃ باب فی المعجزات)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی عامر بن صعصعہ میں ایک بدوی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہوا اور بولا کہ میں کیونکر پہچانوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اُس کھجور کی شاخ کو بلالوں تو کیا تو ایمان لے آئے گا؟ اُس نے عرض کیا کہ ہاں۔ پس آپ علیہ السلام نے اُس شاخ کو اشارہ کیا تو وہ فوراً درخت سے اترنے لگی، یہاں تک کہ زمین پر گرگئی اور پھُدکنے لگی۔ حافظ ابی نعیم اصفہانی کی روایت میں ہے کہ وہ شاخ سجدہ کرتی اور سر اٹھاتی حاضر خدمت ہوئی اور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے سیدھی کھڑی ہوگئی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جا واپس چلی جا، حکم پاتے ہی واپس اپنی جگہ جاکر درخت سے لگ گئی۔ یہ دیکھ کر اُس اعرابی نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ)

(خصائص کبریٰ جز ثانی)

ایسے ہی درختوں، پتھروں اور وحشی جانوروں کے بہت سے واقعات ہیں۔

(۲۵) اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ۔ ۲۲

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ایمان والوں کی جان کے ان سے زیادہ مالک ہیں، اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج (مطہرات) ان (اہل ایمان) کی مائیں ہیں۔

اَولیٰ کے معنی قریب بھی ہیں مالک بھی اور زیادہ حق دار بھی۔ مفسرین کرام کے نزدیک یہاں تینوں معنی درست ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم بہ پادشاہ، ماں باپ تمام انسان، بلکہ خود اپنی ذات کے حکم سے بھی زیادہ نافذ العمل ہے۔ وہ شخص اسلام میں رہتا ہوا بھی عبادات کا صحیح لطف نہیں اٹھا سکتا، جو اپنے جسم و جان، رُوح و قلب کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی غلامی میں نہیں دے دیتا۔ ایک سچے مسلمان کی سب سے بڑھ کر یہ علامت ہے کہ اُس کا ہر قول و فعل حکمِ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے تابع ہو۔ اس آیہ کریمہ میں دوسری اس بات کی وضاحت فرمائی گئی کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ازواجِ مطہرات ایمان والوں کی (روحانی) مائیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ ظاہری و رحلتِ مبارکہ کے بعد ان سے شادی کرنا حرام ہے، ان کی گستاخی بدترین جرم ہے، لیکن چونکہ یہ نسبی مائیں نہیں، اس لیے اِن کے بھائی ایمان والوں کے ماموں، یا ان کی ہمشیرائیں ایمان والوں کی خالائیں نہیں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی آل و اولاد ایمان والوں کے بھائی بہن نہیں، بلکہ اُن کی نسلِ پاک کا چھوٹا سا بچہ بھی ایک صحیح العقیدہ مسلمان کے نزدیک باعثِ صد عزت و احترام ہوگا، کیونکہ وہ اُن کے نبی علیہ السلام کی نسلِ پاک سے متعلق ہے ۔

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تُو ہے نورِ عین، تیرا سب گھرانہ نور کا

لیکن اگر معاذ اللہ وہ سیدزادہ بے دین ہوجائے گا تو تب قابلِ احترام نہیں، کیونکہ تعلقِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ایمان شرطِ اوّل ہے۔ نسبًا ابولہب قریبی ہوتا ہوا بھی قابلِ نفرت ہے۔ حضرت بلالِ حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دُور کے ہوتے ہوئے بھی ایمان داروں کے نزدیک دل و جان سے پیارے ہیں۔

(۲۶) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ   بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا۔ ۳۳/۲۱

کی (مبارک زندگی) تم لوگوں میں (سے) اُس کے لیے بہترین نمونہ ہے جو کہ قیامت کی اُمید رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتا ہے۔

اس آیہ کریمہ میں ہر اُس شخص کو کہ جو بھی سچے دل سے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اور قیامت پر یقین رکھنے والا ہے، فرمایا گیا ہے کہ تمہارے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی ایک کامل ترین نمونہ ہے۔ تم بحیثیت مسلمان وزیر ہو یا حاکم، مالدار ہو یا غریب، صاحبِ خانہ ہو یا تارک الدنیا، یتیم ہو یا یتیم پرور، حاکم ہو یا محکوم، شہری ہو یا دیہاتی، سپاہی ہو یا کمانڈر، باپ ہو یا لختِ جگر، غرضیکہ جو بھی ہو، اگر چاہو تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی سے رہنمائی مل جائے گی اور اسی میں خدائے لم یزل کی رضا بھی ہے۔

تو اب اس آیہ کریمہ سے یہ نتیجہ نکلا کہ محبوبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی ایک ایسی انوکھی اور شاندار زندگی ہے کہ ہر (صالح) شخص اسے اپنے لیے مثال بنا سکتا ہے۔ ایسی مکمل ترین سیرت زمانے میں کسی کی نہیں گزری۔ بطورِ مثال دیکھیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی مبارک و مقدس زندگی ترکِ دنیا میں گزری، حتیٰ کہ مکان تک نہ بنایا اب ایک تارک الدنیا شخص تو ان کی پیروی کر سکتا ہے، مگر قاضی یا بادشاہ اپنے لیے اُن کی زندگی کو مثال نہیں بنا سکتا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابِ زندگی میں میاں بیوی، اولاد، بہن بھائیوں، ماں باپ اور اعزا و اقربا سے سلوک، میدانِ جنگ میں جہاد وغیرہ کے متعلق کچھ نہ ملے گا۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی شاہانہ زندگی کو صاحبِ حکومت و سلطنت تو مثال بنا سکتا ہے، مگر فقیر و بے نوا نہیں۔ (علیٰ ہذا القیاس)

لیکن شفیعِ معظم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی ایسی مکمل ہے کہ اگر تم بادشاہ ہو تو فاتحِ مکہ مکرمہ کی مبارک زندگی دیکھو، اگر سپہ سالار ہو تو میدانِ بدر میں لاجواب طریقے سے فوج لڑانے والے کی طرف دیکھو۔ اگر سپاہی ہو تو حنین کے دن ہاتھ میں تلوار پکڑ کر

کفار کو للکارنے والے کی طرف دیکھو۔ اگر تارک الدنیا ہو تو غارِ حرا میں عبادت گزار کو مدِ نظر رکھو۔ اگر سلطانِ وقت ہو تو سلاطینِ زمانہ کی طرف پُر وقار خطوط لکھوانے والے (علیہ السلام) کی طرف دیکھو، اگر صاحبِ دولت ہو تو ملاحظہ کرو کہ ربیعہ بنتِ معوذ چند ککڑیاں (ترو خیزہ) لے کر حاضرِ خدمت فیض درجت ہوئیں، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کو لَپ بھر کر سونا عطا فرمایا (ترمذی)

ایک شخص بارگاہِ نبوی میں حاضرِ خدمت ہوا۔ عرض کیا کہ یا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ تو بڑے مالدار ہیں۔ ارشاد فرمایا، بھئی تم نے ہمارا کیا مال دیکھا؟ اس آدمی نے عرض کیا کہ میں آپ کی خدمت میں آ رہا تھا، راستہ میں جنگل سے گزرا دیکھا کہ جنگل بکریوں سے بھرا پڑا ہے۔ اتنا بڑا ریوڑ آج تک نظر سے نہیں گزرا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ اس قدر بکریاں بھلا کس کی ہو سکتی ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آدمی کی بات سنی، تو مسکرا پڑے۔ پھر ارشاد ہوا کہ وہ بکریاں تجھے اچھی لگتی ہیں؟ وہ بولا جی ہاں! تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جاؤ وہ تمام بکریاں ہم نے تجھے عطا فرما دیں۔ وہ آدمی[1] اپنے قبیلہ والوں کی طرف بھاگا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا: "اے میرے قبیلے والو! مسلمان ہو جاؤ، خدا تعالیٰ کی قسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اتنا دیتے ہیں کہ غریبی کا خوف نہیں فرماتے (شرح قصیدہ بُردہ)

اسی طرح اگر تمہارا تعلق تعلیم و تدریس کے ساتھ ہے تو مسجدِ نبوی شریف میں قائم اُس یونیورسٹی کے بانی و معلم کی طرف دیکھو کہ جس یونیورسٹی کے فارغ التحصیل صدیق و فاروق اور عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے اندازِ جہانبانی رکھنے والے دانشور ہیں جس یونیورسٹی میں ایک دیہاتی اور بے علم آتا ہے تو ایک ہی نظر میں اُستادِ زمانہ بنا دیا جاتا ہے اور اگر کوئی گم کردہ راہ آیا، تو فیضِ صحبت سے رہبر و رہنما بنا دیا جاتا ہے۔

---

[1] مدارج النبوۃ میں ایسا ہی واقعہ غزوہ حنین کے تحت صفوان بن امیۃ کا لکھا ہے۔

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا　　خاک کے ذروں کو ہمدوشِ ثریا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے　　کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

یونہی اگر تم باپ ہو تو حضرت رقیہ، زینب، اُمِ کلثوم و فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہن کے والدِ گرامی قدر کو دیکھو۔ اگر تم سربراہِ خاندان ہو تو خاندانِ نبوت کے سربراہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف دیکھو۔

اور اگر تم سربراہِ خاندان نہیں، بلکہ فردِ خاندان ہو تو مسجدِ نبوی شریفہ کی تعمیر کے وقت اینٹیں اٹھانے والے محبوبِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھو اور اگر تم کسی کی اولاد ہو اور جاننا چاہتے ہو کہ ماں باپ کی خدمت کیسے کروں، تو بچشمِ تصور سے ذرا دیکھو کہ ایک جگہ حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مال و دولت تقسیم فرما رہے ہیں — سائل حاضرِ خدمت ہیں اور آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام عطا فرما رہے ہیں کہ اتنے میں ایک عورت حاضرِ خدمت ہوتی ہے۔ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بنفسِ نفیس اس بڑھیا عورت کے استقبال کے لیے آگے بڑھتے ہیں اور اپنے دستِ مقدس سے اس کا ہاتھ تھام کر بڑے احترام کے ساتھ اپنی جائے نشست پر لاتے ہیں، اور اپنے سر سے چادر اتار کر زمین پر بچھا دیتے ہیں اور اس عورت کو اپنی چادر پر بٹھا دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ بڑے احترام اور محبت سے گفتگو فرماتے ہیں، پھر وہ بڑھیا عورت چلی جاتی ہے۔

اس حدیث پاک کے راوی فرماتے ہیں کہ اس بڑھیا عورت کے چلے جانے کے بعد میں نے صحابہ کرام سے عرض کیا کہ یہ مائی صاحبہ کون تھیں کہ جن کا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اتنا احترام فرمایا؟ تو صحابہ کرام نے فرمایا کہ یہ عورت وہ تھی کہ جس نے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حالت بچپنے میں دودھ پلایا تھا۔ سبحان اللہ تعالیٰ! اگر دودھ کی ماں کا یہ احترام ہے تو پھر اصل ماں کا کیا احترام ہوگا؟ معاذ اللہ میں مقابلہ نہیں کر رہا، بلکہ اس ضمن میں صرف یہ جتانا چاہتا ہوں کہ موجودہ انجیل میں ماں کی عزت کا تصور کیا ہے، ملاحظہ ہو،

"یوحنا کی انجیل" کی یہ عبارت:

"پھر تیسرے دن قانای گلیل میں ایک شادی ہوئی اور یسوع کی ماں، وہاں تھی۔ اور یسوع اور اس کے شاگردوں کی بھی اس شادی میں دعوت تھی۔ اور جب مے ہوچکی، تو یسوع کی ماں نے اُس سے کہا کہ اُن کے پاس مے (شراب) نہیں رہی۔ یسوع نے اُس سے کہا: اے عورت! مجھے تجھ سے کیا کام ہے؟ ابھی میرا وقت نہیں آیا۔" (باب ۲- آیت ۱ تا ۴)

کیا موجودہ انجیل سے یہ تاثر نہیں ملتا کہ معاذ اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے احباب واصحاب اور شادی کے موقع پر بہت سے دوسرے افراد کی موجودگی میں اپنی والدہ کو جواب دینے کی بجائے سختی سے جھڑک دیا اور ماں کہنا بھی گوارا نہ کیا، بلکہ "اے عورت!" کہا۔

اسی انجیل کے باب ۱۹ میں ہے:

"یسوع نے اپنی ماں اور اس شاگرد کو جس سے محبت رکھتا تھا، پاس کھڑے دیکھ کر ماں سے کہا کہ اے عورت! دیکھ تیرا بیٹا یہ ہے۔ پھر شاگرد سے کہا دیکھ تیری ماں یہ ہے اور اُس وقت سے وہ شاگرد اُسے اپنے گھر لے گیا۔" (آیت ۲۶-۲۷)

اس جگہ بھی والدہ صاحبہ کو ماں نہیں عورت کہہ کر ایک شاگرد کے حوالہ کیا گیا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کیا ہمارے مسیحی بھائی اپنی اس انجیل کے تعلیم کے مطابق اپنی ماؤں سے یہی سلوک کرتے ہیں؟ اور اس ناروا سلوک کو اپنے نبی کی سنت سمجھ کر اپناتے ہیں؟ یا کیا انجیل کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے ماں باپ کے ساتھ احترام سے پیش آتے ہیں۔ خیال رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ تاثر موجودہ انجیل نے دیا ہے جبکہ ہم مسلمانوں کے نزدیک یوں نہیں، بلکہ قرآن پاک کی سورۂ مریم میں ہے کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام نے فرمایا:

وَبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ (پ ۱۶)

(اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے) مجھے اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا بنایا، مجھ کو جبار یا بدبخت نہ بنایا۔

گویا کہ قرآن پاک عیسیٰ علیہ السلام کی شان بیان فرما رہا ہے، جبکہ موجودہ انجیل سے عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کا پہلو نکلتا ہے

(۲۷) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۝ (پ ۲۲)

حضرت محمد (مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے (نسبی، جسمانی) باپ نہیں، ہاں (البتہ) اللہ تعالیٰ کے (برگزیدہ) رسول اور تمام انبیاء (علیہم السلام) کے بعد تشریف لانے والے ہیں۔

حضور ختم الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مطلقہ بیوی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بحکم خدائے بزرگ و برتر، شادی فرمائی، تو بعض کفار نے اعتراض کیا۔ اُن کے جواب میں فرمایا گیا کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صاحبزادے تو بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے، اس لیے وہ مردوں میں داخل نہیں اور آپ خواجۂ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی صرف صاحبزادیاں ہی ہیں، فلہٰذا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی مرد کے (نسبی یا جسمانی) باپ ہی نہیں، تو پھر اُس کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنا کیوں ناجائز ٹھہرا۔ گویا کہ اعتراض رسولِ خدا علیہ السلام کی ذات پر ہوا تو جواب خود پروردگارِ عالم نے دیا۔ سُبحان اللہ تعالیٰ!

خیال رہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسم محمد قرآن پاک میں چار جگہ، مذکور ہوا۔ ایک تو اسی جگہ ایک سورۃ فتح میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، ایک سورۃ محمد میں کہ

بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ اور ایک سورۃ آلِ عمران میں کہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ
عجب بات ہے کہ اس اسمِ مبارک محمد کے حروف بھی چار ہیں اور اسمِ ذات اللہ کے
حروف بھی چار ہی ہیں۔ محمد کا معنیٰ ہوتا ہے: ہمیشہ تعریف کیا ہوا" کہ جس کی تعریف
پر تعریف کی جائے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ مقدسہ۔ آپ علیہ السلام
کے اسمِ مبارک کی عین مظہر ہے۔ بدترین دشمن بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف کیے بغیر
نہ رہ سکا۔ آج تک دنیا میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ مبارکہ پر جتنی
بھی کتابیں اپنوں اور بیگانوں نے لکھی ہیں، اس موضوع پر اس قدر کتب کسی بھی شخصیت
کے حق میں نہیں لکھی گئیں مشہور اور متعصب مستشرق سیرت نگار مارگولیتھ MORGALIOUTH
اپنی تصنیف "محمد" MUHAMMAD کے دیباچہ میں لکھتا ہے":

"محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کے سوانح نگاروں کا ایک وسیع سلسلہ
ہے، جس کا ختم ہونا غیر ممکن ہے، لیکن اس میں جگہ پانا قابلِ فخر چیز ہے۔"

سکھوں کے گرو نانک صاحب نے اسمِ "محمد" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کے متعلق
ایک عجیب و پُر لطف انداز سے اظہار خیال کیا۔ انہوں نے لکھا ہے ؎

نام لیو جس یکش کا کرو چوگن تا | دو ملا و پنج گن کرو کاٹو بیس بنا
نانک بچے سو نو گنے دو اس میں ملا | اس بدہر کے نام سے نام محمد بنا

یعنی کسی بھی نام کے بلحاظِ ابجد عدد نکالیں اور ان کو چار سے ضرب دے کر دو جمع
کر کے حاصل جمع کو پانچ سے ضرب دے کر مجموعہ کو بیس پر تقسیم کر دو، جو باقی بچے اسے
نو سے ضرب دے کر دو جمع کر دو تو ۹۲ جواب آئے گا اور ۹۲ اسمِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کے اعداد ہیں۔ اس طرح بابا گرو نانک نے یہ ثابت کر دیا کہ دنیا و مافیہا میں اسمِ محمد
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ظہور ہے۔ جس طرح کسی نے کہا ہے ؎

کیا شانِ احمدی کا چمن میں ظہور ہے | ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ہے

لے حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

بندۂ ناچیز (مؤلف کتاب) کے نزدیک تو حاصلِ کلام یہ ہے کہ خالقِ کائنات جل شانہ نے اپنے برگزیدہ بندے اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسمِ گرامی ہی ایسا رکھا کہ ہر شخص خواہی نخواہی تعریف کرنے پر مجبور ہے ؎

عرش پہ تازہ چھیڑ چھاڑ، فرش پہ طرفہ دھوم دھام
کان جدھر لگائیے تیری ہی داستان ہے

رُوح البیان شریف میں ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک گنہگار اسرائیلی تھا، اُس کے مرنے کے بعد لوگوں نے اُسے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پھینک دیا۔ ربِ کائنات کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا کہ میرے اس بندے کو غسل، کفن اور نماز کے بعد دفن کرو۔ اس لیے کہ اس نے ایک بار توریت میں اسمِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) دیکھ کر اُسے بوسہ دیا تھا اور آنکھوں سے لگا لیا تھا، جس سے ہم نے اس کے تمام گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔

(رُوح البیان، سورۃ احزاب یہی آیتِ مبارکہ)

ایک دوسری صفت جو اس آیۂ مبارکہ میں حضور خواجۂ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیان کی گئی، وہ یہ ہے کہ یہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام، اللہ تعالیٰ جل شانہ، کے

لے (حاشیہ صفحہ ۶۲ سے) علم الاعداد کے مطابق اعدادِ حروف یہ ہیں: ا ۱ - ب ۲ - ج ۳ - د ۴ - ہ ۵ - و ۶ - ز ۷ - ح ۸ - ط ۹ - ی ۱۰ - ک ۲۰ - ل ۳۰ - م ۴۰ - ن ۵۰ - س ۶۰ - ع ۷۰ - ف ۸۰ - ص ۹۰ - ق ۱۰۰ - ر ۲۰۰ - ش ۳۰۰ - ت ۴۰۰ - ث ۵۰۰ - خ ۶۰۰ - ذ ۷۰۰ - ض ۸۰۰ - ظ ۹۰۰ - غ ۱۰۰۰ - زبانی یاد کرنے کے لیے ان مجموعات کو یاد کرلیں۔ ابجد۔ ہوّز، حُطّی۔ کلمن۔ سعفص، قرشت۔ ثخذ۔ ضظغ۔ اسی کے مطابق اسمِ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے اعداد دیکھیں کہ م ۴۰ + ح ۸ + م ۴۰ + د ۴ = محمد ۹۲ یونہی کسی بھی نام یا شے کے اعداد نکالیں اور مذکورہ بالا طریق پر عمل کریں، تو جواب ۹۲ ہی آئے گا۔ ۱۲ منہ

برگزیدہ رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور خود سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خاتم الانبیاء کی تشریح یوں فرمائی، اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (یعنی میں آخری نبی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا)

ایک اور جگہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور انبیاء کرام علیہم السلام کی مثال یوں ہے کہ جس طرح کہ ایک نہایت ہی عمدہ طریقے سے محل تعمیر کیا گیا ہو اور ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہو، دیکھنے والے اس کے گرد اگرد گھومتے ہیں اور اس کی عمدہ تعمیر سے متعجب ہوتے ہیں مگر اس ایک اینٹ کی جگہ اس کی کمی محسوس کرتے ہیں۔ پس میں نے (تشریف لاکر) اس اینٹ کی جگہ پُر کردی ہے۔ میرے ساتھ عمارت مکمل کر دی گئی ہے اور میرے آنے کے ساتھ رسول (آنے) ختم کر دیئے گئے ہیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے: "وہ اینٹ میں ہی ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں"۔ (مشکوٰۃ، بخاری، مسلم)

اب اگر کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام تو ابھی (دوبارہ) تشریف لائیں گے، جب کہ حضور خاتم الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ دعویٰ نبوت کرنے والے دجال وکذاب ہوں گے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے اور ضرور تشریف لائیں گے، مگر وہ پہلے والے نبی ہوں گے نہ کہ بعد والے اور اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُمتی بن کر تشریف فرما ہوں گے جیسے کہ اگر کوئی کسی شخص کی طرف اشارہ کر کے کہے کہ فلاں اپنے والدین کا آخری فرزند ہے۔ تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اس کے بعد کوئی فرزند پیدا نہ ہوا، لیکن اس کا یہ معنی تو ہرگز نہیں ہوتا کہ پہلے تمام مر گئے ہیں۔ فلہٰذا اب جو سیدنا عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام تشریف لائیں گے، تو وہ پہلے نبی ہوں گے کہ جن کی شریعت منسوخ ہو چکی ہے نہ کہ بعد والے ۔ مقصد یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا اور کسی کو نبوت نہ ملے گی۔

نبوت کا عطا فرمایا جانا مکمل ہو چکا ہے۔ خلاقِ عالم نے انبیاء علیہم السلام کی رحوں کو بھی نبی ہی پیدا فرمایا تھا جیسا کہ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ والی آیۂ مبارکہ سے عیاں ہے۔ یوں نہیں کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ کہ پہلے تو اس کا کوئی پروگرام نہ ہو پھر کسی شخص کے اچھے چال چلن دیکھ کر ارادہ فرمالے کہ چلو ٹھیک ہے ہم اسے نبی بنا دیتے ہیں۔ اس بات کا تو تصور بھی جہالت و بے دینی ہے۔ وہ خدا ہی کیا جسے اتنا بھی علم نہیں کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ حدیث مبارک میں ہے کہ جب خالقِ کائنات جل شانہٗ نے قلم کو پیدا فرمایا تو اسے حکم ہوا کہ لکھ۔ اُس نے عرض کیا کہ کیا لکھوں؟ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا، "جو کچھ ہو چکا اور جو بھی آئندہ ہونے والا ہے، سب کچھ لکھ دے۔" چنانچہ وہ سب کچھ لکھا جا چکا ہے۔ قرآن پاک میں ہے، وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝ یعنی کائنات کی ہر خشک و تر شے جو جب جس جگہ موجود تھی یا ہوگی، وہ سب لوحِ محفوظ میں لکھی جا چکی ہے، چنانچہ یہ فیصلہ تو پہلے ہی ہو چکا ہے کہ کون نبی کس زمانے میں کس قوم کے پاس کتنے عرصے کے لیے تشریف لائے گا، اُس کی شریعت کب منسوخ فرما کر نئی شریعت نافذ فرمائی جائے گی، پہلے کس کی تشریف آوری ہوگی اور ختم الرسل کون ہوگا؟ فلہٰذا جو سچے دل سے اپنے خالقِ کائنات، اپنے پالنے والے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے، تو اس پر یہ بات لازم ہو جاتی ہے کہ وہ خدائے لم یزل کے پورے پروگرام پر ایمان لائے اور اُس کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور نازل فرمودہ تمام کتب و صحائف پر اجمالی طور پر ایمان لائے اور جس بھی برحق نبی کا زمانہ اُسے نصیب ہوا، اُس پر اجمالی ہی نہیں، بلکہ تفصیلی ایمان لائے، اُس کی شریعت کی پیروی کرے، کیونکہ یہی بات اُس کے اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ مثلاً سیدنا موسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے تو پہلی شریعت میں تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ شریعت نافذ فرما دی اور بنی اسرائیل ایمان لائے اور حق بھی یہی تھا جو ایمان نہ لایا، دربارِ خدا تعالیٰ میں مردود ٹھہرا۔

طائرِ وقت اپنی مخصوص رفتار کے ساتھ محوِ پرواز رہا۔ بنی اسرائیل میں انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے، یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں آخری صاحبِ کتاب نبی حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السّلام کی تشریف آوری ہوگئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی کتاب "انجیل" کو پیش فرمایا، بہت سے نیک بخت ایمان لے آئے، مگر ایمان نہ لانے والے بدبختوں کی بھی کمی نہ تھی، حالانکہ تمام بنی اسرائیل (یہودیوں) پر لازم تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھتے، مگر اُن کی شقاوت نے ان بدبختوں کو قعرِ مذلت میں ڈالا اور وہ اس انعام سے محروم رہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بعد حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم رونق افروزِ عالم ہوتے۔ آپ علیہ السلام نے بحکم خدائے لم یزل کامل ترین شریعت نافذ فرمادی اور وہ دین آگیا جس کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (یعنی اللہ جل شانہ، کے نزدیک پسندیدہ ترین دین اسلام ہے) دینِ موسوی و دینِ مسیحی منسوخ فرماکر دینِ اسلام پر عمل کرنے کا حکم دے دیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ مشرکین کے ساتھ ساتھ تمام اہلِ کتاب بھی ایمان لے آتے، مگر ان کا تعصب آڑے آگیا اور اُن میں اکثر دولتِ ایمان سے محروم رہ گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری پر یہودیوں نے محض ضد کی وجہ سے انکار کردیا تھا۔ بعینہٖ حضور اقدس سیدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری پر عیسائیوں نے انکار کردیا۔ اس جگہ اگر کسی غیر مسلم کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو کہ کیا جو بھی دعوئ نبوت کرے گا، اسی کو مان لیا جائے گا؟ اگر یونہی ہے، تو مسلمانوں نے کئی ایسے لوگوں کا انکار کیا، جنہوں نے خود کو نبی کہا تھا۔ مثلاً مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، سجاح، اسحاق اخرس وغیرہ وغیرہ ـــ اور ابھی کچھ عرصہ قبل مدعئ نبوت مرزا قادیانی، یہ سب اہلِ اسلام کے نزدیک اس دعوئ نبوت کی وجہ سے مردود ہوئے۔ اگر یہ جھوٹے نبی ہیں، تو معاذاللہ تعالیٰ یہودی

عیسیٰ علیہ السلام اور یہود و نصاریٰ دونوں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت یہ افترا کر سکتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے الزام لگایا بھی تھا۔ اس کا تفصیلی جواب تو انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا، جیسا کہ ہم بفضلہ تعالیٰ پہلی کتب سماوی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کی بشارت بالدلائل ثابت کریں گے، یہاں اختصاراً اتنا ہی عرض کیا جاتا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے تشریف لانے والے نبی مصدق بالنبیین (گزشتہ نبیوں کی تصدیق کرنے والے) اور مبشر بالنبیین (آنے والے انبیاء کی بشارت دینے والے) بن کر تشریف لائے ہر نبی نے اپنے بعد آنے والے نبی کے متعلق بتا دیا اور یہ بات موجودہ توراۃ و انجیل میں پائی جاتی ہے۔ موجودہ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات کو بیان کرتے ہوئے مصنفین نے جگہ جگہ لکھا "(یہ واقعہ اس لیے ہوا) تاکہ وہ نوشتہ پورا ہو جو فلاں نبی کی معرفت کہا گیا۔" مثلاً "اعمال" میں ہے،

"بھائیو! اس نوشتہ کا پورا ہونا ضرور تھا جو روح القدس نے داؤد کی زبانی اس یہوداہ کے حق میں پہلے سے کہا تھا جو یسوع کو پکڑنے والوں کا راہنما ہوا"

(اعمال باب ۱، آیت ۱۶)

آگے یہوداہ کی عبرتناک ہلاکت کا واقعہ درج کرنے کے بعد لکھا (یہ اس لیے ہلاک ہوا) "کیونکہ زبور میں لکھا ہے کہ اس کا گھر اجڑ جائے اور اس میں کوئی بسنے والا نہ رہے اور اس کا عہدہ دوسرا لے لے۔" (اعمال ب ۱، آیت ۲۰)

یعنی ہر نبی نے اپنے بعد آنے والے نبی کی بشارت دی، ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی کہ میرے بعد نبی آئے گا اور عیسائیوں کو آنے والے نبی کا انتظار بھی تھا یوحنا کی انجیل میں ہے، (حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا)

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ "مددگار" تمہارے پاس نہ آئے گا، لیکن اگر جاؤں گا،

تو اُسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔" (پ ۱۶ آیت ۷)

دوسری جگہ ہے:" اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تاکہ جب ہو جائے، تو تم یقین کرو۔ اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا، کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں (پ ۱۵، ۲۹-۳۰)

ظاہر ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد تشریف لانے والے نبی جو کہ کائنات کا سردار ہوگا، کی بشارت دی، مگر سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد آنے والے کسی نبی کی بشارت نہیں دی، بلکہ فرمایا:" میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں" مزید فرمایا: "میرے بعد تیس دجال وکذاب ہوں گے۔" (جو جھوٹا دعویٰ نبوت کریں گے) یہی وجہ ہے کہ حضور خواجہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پیدا ہونے والا ہر مدعیٔ نبوت دجال و کذاب ہوگا، کیونکہ سیدِ عالم خاتم الانبیاء ہیں۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

(۲۰) یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًاۙ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا (۳۳/ ۴۵-۴۶)

اے نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) بیشک ہم نے آپ کو بھیجا مشاہدہ کرنے والا (گواہ) بنا کر اور خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور چمکا دینے والا آفتاب بنا کر۔

اس آیۂ کریمہ میں حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی صفات بیان فرمائی گئی ہیں جن کی تشریح کرنا بساطِ انسانی سے باہر ہے۔ انتہائی اختصار کے ساتھ چند ایک وضاحتیں پیش کی جاتی ہیں،

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو ارشاد فرمایا:" اے نبی! ہم نے آپ کو بھیجا۔" ظاہر ہے کہ ہر شخص کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمایا ہے۔ خالق تو وہی ہے نہ کہ کوئی اور، مگر اس جگہ خصوصیت سے اپنے نبی کو یوں کیوں ارشاد فرمایا۔ یہ اس لیے کہ عام انسان کے دنیا میں آنے

اور نبی کی تشریف آوری میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ صاحب نور العرفان ایک بہترین مثال پیش فرماتے ہیں، بحری جہاز میں سوار مسافر بھی ہوتے ہیں اور کپتان بھی مگر حالت یہ ہوتی ہے کہ کپتان پیسے (تنخواہ) لے کر بیٹھتا ہے، جبکہ مسافر پیسے دے کر وجہ یہ ہوتی ہے کہ مسافر پار لگنے کو بیٹھتا ہے اور کپتان پار لگانے کو۔ جہاز ایک ہے، مگر سواروں کے منصب و مراتب جُدا جُدا ہیں ——— ہم دنیا میں آئے پار لگنے کے لیے اور نبی تشریف لائے پار لگانے کے لیے۔" پھر انبیاء اللہ تعالیٰ جل شانہ کے خاص بندے بن کر آئے فلہذا ان پر اعتراض، گویا اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے، اُن کی گستاخی خدائے بزرگ و برتر کی نافرمانی ہے اور اُن کی اطاعت خالقِ کائنات کی فرمانبرداری ہے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا ہے،

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ یعنی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی وہی خدا تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار ہے۔

دوسرے اس آیۂ کریمہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو "شاہد" فرمایا گیا۔ شاہد کا معنی گواہ بھی ہے۔ یعنی شہادت دینے والا حاضر بھی ہے، یعنی مشاہدہ کرنے والا محبوب بھی ہے، یہاں یہ معنی بن سکتے ہیں۔ ۱۔ شاہد بمعنی گواہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا ﴿۴/۴۱﴾

پس اُس وقت کیا حالت ہوگی کہ جب ہم ہر اُمت سے ایک ایک گواہ لائیں گے اور اے محبوب (علیک السلام) تمہیں اِن سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔

۲۔ شاہد بمعنی مشاہدہ کرنے والا۔ ایک تو مذکورہ آیۂ مبارکہ اس چیز کی شاہد (گواہ) ہے اور اسی طرح البقرہ کی ۱۴۳ آیۂ مبارکہ بھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گواہ ہیں اور گواہی بغیر مشاہدہ کے ناممکن ہے۔ وہ مشاہدہ خواہ بالعلم ہو یا بالبصر۔ بہر حال مشاہدہ ضروری ہے۔ پھر جو مشاہدات معراج کی شب فرمائے وہ تصورِ انسانی سے ماوراء ہیں۔ جنت و دوزخ کا مشاہدہ تو شاید ان مشاہدات کی نسبت کس درجہ میں ہو کیونکہ ان کا مشاہدہ زمین پر رہتے ہوئے بھی فرمایا۔

امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک طویل حدیث نقل فرماتے ہیں، اس میں یہ بھی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صلوٰۃ الخسوف ادا فرمائی، تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اپنی جگہ پر کوئی چیز (دستِ مبارک بڑھا کر) پکڑی۔ پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹے تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (حالت نماز میں)

اِنِّیْ رَاَیْتُ الْجَنَّۃَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْھَا عُنْقُوْدًا وَلَوْ اَخَذْتُہٗ لَاَکَلْتُمْ مِنْہُ مَا بَقِیَتِ الدُّنْیَا وَرَاَیْتُ النَّارَ فَلَمْ اَرَ کَالْیَوْمِ مَنْظَرًا قَطُّ اَفْظَعَ۔ (مشکوٰۃ)

میں نے جنت کو دیکھا، میں نے اس سے انگور کا ایک خوشہ لینے کا قصد کیا اور اگر میں اُس کو لے لیتا (توڑ لیتا) تو تم رہتی دنیا تک اُس کو کھاتے اور میں نے دوزخ کو دیکھا، پس میں نے اس سے بڑھ کر ہولناک منظر کبھی نہیں دیکھا۔۔۔۔ (ابھی حدیث جاری ہے)

یعنی اللہ تعالیٰ، جب، جہاں، جس شے کا چاہے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مشاہدہ کرا دیتا ہے۔

۲۔ شاہد بمعنی محبوبِ خدا: یہ معنی بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر عین صادق آتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چند صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے۔ جب صحابہ کرام کے پاس پہنچے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سُنا کہ صحابہ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔ دوسرا کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ ایک کہہ رہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور رُوح اللہ ہیں۔ ایک نے کہا کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چُن لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف

لائے اور فرمایا "جو کچھ تم نے کہا میں نے سُن لیا ہے اور تم تعجب کا اظہار کر رہے تھے کہ ابراہیم خلیل اللہ ہیں یہ درست ہے اور موسیٰ اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے والے ہیں یہ بھی درست ہے اور عیسیٰ رُوح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں یہ بھی درست ہے اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چُن لیا، یہ بھی صحیح ہے۔ خبردار! (سُن لو) اور میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں فخر سے نہیں کہتا۔ قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا میں ہوں (یعنی میرے دستِ مبارک میں ہوگا) اور فخر نہیں کرتا کہ آدم اور اس کے سوا بھی باقی تمام (انبیاء)، اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور پہلا ہوں جس کی سفارش قبول کی گئی ہے (یعنی شفاعت کا دروازہ میرے ہاتھ پہ کھلے گا) مجھے فخر نہیں اور میں پہلا ہوں جو جنت کا دروازہ ہلاؤں گا اور میرے لیے وہ کھولا جائے گا (یعنی جنت بھی میرے لیے ہی کھولی جائے گی) اور اللہ تعالیٰ مجھ کو اس میں داخل فرمائے گا اور میرے ساتھ فقراء مومن ہوں گے اور کوئی فخر نہیں کرتا کہ میں اگلے اور پچھلوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز ترین ہوں۔ (ترمذی۔ دارمی۔ مشکوٰۃ جلد ۳)

ثابت ہوا شاہد کے یہ تینوں معنی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ میں پائے جاتے ہیں۔

آیۂ زیرِ بحث میں شاہد کے بعد جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صفت مذکور ہوئی مبشر و نذیر ہے۔ یعنی خوشخبری سُنانے والے اور ڈر سنانے والے پچھلی آیۂ مبارکہ کے تحت یہ درج کیا جا چکا ہے کہ حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کسی جدید نبی کی بشارت لے کر نہیں آئے، بلکہ سلسلۂ نبوت آپ پر مکمل ہو چکا ہے اور اس جگہ جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مبشر فرمایا گیا ہے تو اس معنیٰ میں کہ اہلِ ایمان کو جنت کی بشارت دینے والے، اسی لیے ساتھ ہی نذیر کا بھی ذکر فرمایا گیا کہ نافرمانوں کو عذابِ خدا سے ڈرانے والے بھی ہیں۔ اس کے بعد ارشادِ باری تعالیٰ ہوا کہ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ کہ اللہ تعالیٰ

کی طرف بلانے والے اُس کے حکم کے ساتھ ۔ فی الحقیقت یہ صفت تمام انبیاء علیہم السلام میں پائی گئی کہ اُن تمام کی بعثِ مبارکہ کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف بلائیں، مگر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس صفتِ مبارکہ کا خصوصیت کے ساتھ کتبِ سابقہ میں بھی ذکر ہوا، کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کسی ایک زمانے یا علاقے تک محدود نہیں جیسے کہ انبیاء بنی اسرائیل صرف مخصوص علاقوں میں مبعوث فرمائے گئے۔ خود عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

" میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا، اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔" (متی کی انجیل، باب ۱۵، آیت ۲۴)

لیکن نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق قرآن حکیم میں شاندار اعلان ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ ۲۵/۱	بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اُتارا قرآن اپنے بندے پر جو (بندہ) سارے جہانوں کو ڈر سنانے والا ہو۔

ایک اور جگہ یوں ارشاد ہوا:

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۲۱/۱۰۷	(اے محبوب!) ہم نے آپ کو بھیجا تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔

ایک اور جگہ یوں ہے:

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا ۷/۱۵۸	(اے محبوب!) تم فرماؤ کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف، اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

مشکوٰۃ شریف باب فضائل سید المرسلین میں بحوالہ مسلم شریف میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ كَافَّةً ۔	اور میں تمام مخلوق کی طرف رسول (بھیجا گیا) ہوں۔

موجودہ انجیل میں ہے :

"اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا، کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔" (یوحنا کی انجیل، ب ۱۴، آیت ۳۰)

دوسری جگہ ہے :

"لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا، تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔" (انجیل یوحنا، باب ۱۶، آیت ۱۳)

مذکورہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا اگرچہ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ تو تمام انبیاء علیہم السلام تھے، مگر امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان ہی نرالی ہے۔

دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صفت سِرَاجًا مُّنِیْرًا ذکر فرمائی گئی جس کا معنیٰ بنتا ہے چمکتا ہوا سورج یا روشن چراغ۔

بے شک حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وہ آفتابِ ہدایت ہیں کہ جس سے نباتی و بیز تاریکیٔ کفر و شرک چھٹ گئی۔ ایک ہی نظر سے نہ جانے کتنے دلوں کو نورِ ایمان سے منور فرما دیا۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے :

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ (۵/۱۵) (اے لوگو!) بیشک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آگئی۔

جمہور مفسرین کرام متفق ہیں کہ اس جگہ نور سے مراد ذاتِ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ گویا کہیں تو انہیں سراجِ منیر اور کہیں نورِ مبین کہا گیا۔

(۲۹) اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (۳۳/۵۶) بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) پر اے ایمان والو! تم بھی ان پر خوب درود وسلام بھیجو۔

قرآن مجید فرقانِ حمید میں پروردگارِ عالم نے اپنے بندوں کو بہت سے حکم دیئے، مثلاً نماز پڑھو، روزے رکھو، زکوٰۃ دو، حج کرو اور ایمان لاؤ وغیرہ وغیرہ، مگر کہیں بھی یہ نہ فرمایا کہ یہ کام ہم بھی کرتے ہیں، لہٰذا تم بھی کرو اور ہمارے فرشتے بھی کرتے ہیں، تو اے اہلِ ایمان تم بھی کرو۔ صرف دُرود شریف ہی کے لیے یہ ارشاد ہوا کہ ہم بھی بھیجتے ہیں اور ہمارے فرشتے بھی۔ اے ایمان والو! تم بھی بھیجو۔ اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ کوئی کام ایسا نہیں کہ جس میں ربِ تعالیٰ اور بندہ مشترک ہو۔ اللہ تعالیٰ والا کام بندہ نہیں کرسکتا اور بندے والے کاموں سے اللہ تعالیٰ کی شان بلند و بالا ہے، مثلاً ربِ تعالیٰ کا کام پیدا کرنا، رزق دینا، مارنا اور زندہ کرنا وغیرہ ہے، جبکہ بندہ یہ کام نہیں کرسکتا، جبکہ بندے کا کام عبادت کرنا، اطاعت کرنا وغیرہ ہے اور اللہ تعالیٰ ان افعال سے پاک و منزّہ ہے۔ یہ صرف دُرود شریف ہی ہے کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے اس انداز سے حکم دیا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا درود ہے رحمت نازل کرنا اور فرشتوں اور انسانوں کا دُرود، طلبِ رحمت ہے، مگر ایک مخصوص تعلق ہر جگہ کارفرما ہے۔

اس آیۂ مبارکہ میں ایک عجیب نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اپنے محبوب پر رحمت بھیجتے ہیں اور بھیجتے رہیں گے اور تم بھی ہمارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے طلبِ رحمت کرو۔ حالانکہ مانگی تو وہ چیز جاتی ہے جو پہلے حاصل نہ ہو۔ محبوبِ کبریا علیہ السلام پر تو اتنی عظیم رحمت کا نزول ہوا کہ اُن کو "رحمۃ للعالمین" بنا دیا۔ پھر ہم کو کیوں حکم ہے—؟ وجہ یہ ہے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے دعائے رحمت کریں گے، تو کوئی بڑی بات نہیں کہ رحمتِ خدا جوش میں آجائے اور جو رحمت محبوبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر برس رہی ہے، اُن کے صدقہ سے کوئی چھینٹا ہم پر بھی پڑ جائے اور یوں ہمارا بیڑا پار ہو جائے۔

دُرود و سلام پڑھنے کے بے شمار فضائل ہیں۔ اگر تفصیل دیکھنی ہو تو ملاحظہ فرمائیے: تفسیر رُوح البیان، مظہری، افضل الصلوات، جذب القلوب، مدارج النبوۃ اور نسیم الریاض وغیرہ۔

مشکوٰۃ شریف باب الصلوٰۃ علی النبی میں ہے،

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جو مجھ پر ایک بار درود شریف بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اُس پہ دس رحمتیں بھیجے گا اور اس کے دس گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور اس کے دس درجات بلند کیے جائیں گے۔ (رواہ النسائی)

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "جب بھی کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری رُوح کو میری طرف لوٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ میں سلام عرض کرنے والے کا جواب دیتا ہوں۔"

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "سخت ترین بخیل وہ شخص ہے کہ جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔" (ترمذی، مشکوٰۃ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک دُعا زمین اور آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے اور اس کا کوئی بھی حصہ بارگاہِ قبولیت میں نہیں پہنچتا جب تک کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھا جائے۔ (ترمذی)

شفاء شریف میں انہی سے یہ حدیث پاک مروی ہے، اُس میں یہ بھی ہے کہ نماز بھی بغیر درود شریف کے قبول نہیں ہوتی (شفاء قاضی عیاض)

حضرت ابی درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت کے ساتھ درود بھیجو، اس لیے کہ جمعہ کا دن حاضر کیا گیا ہے اور فرشتے بھی اس دن حاضر ہوتے ہیں اور بیشک جو کوئی (مسلمان) مجھ پہ درود پڑھتا ہے، وہ درود میرے پاس پیش کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ پڑھنے والا فارغ ہو جاتا ہے (راوی کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا، کیا رحلت کے بعد بھی؟ تو ارشاد فرمایا

کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر اس بات کو حرام قرار دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے، لہذا اللہ تعالیٰ کے نبی زندہ ہیں اور اُن کو رزق دیا جاتا ہے (ابن ماجہ)

(۳۰) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ۳۴/۲۸

اور (اے محبوب علیک السلام) ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت کے ساتھ جو کہ (تمام) انسانوں کو گھیرنے والی ہے (آپ تشریف لائے) خوشخبری دیتے ہوئے اور ڈر سناتے ہوئے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ ایسی خصوصتیں عطا فرمائی گئی ہیں جو کہ مجھ سے قبل کسی کو نہ ملیں — ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ میں مدد کیا گیا ہوں۔ میرے لیے زمین مسجد بنا دی گئی ہے اور پاک کر دی گئی ہے۔ میری امت میں سے جس پر نماز کا وقت آئے، وہ اُسی جگہ نماز پڑھ لے۔ میرے لیے غنائم حلال کر دیئے گئے۔ مجھ سے قبل کسی نبی کے لیے مالِ غنیمت حلال نہ تھا۔ مجھے شفاعت (کبریٰ) کا حق دیا گیا اور دیگر نبی خاص خاص قوموں کی طرف بھیجے جاتے، جبکہ میں تمام انسانیت کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ (بخاری شریف، مسلم شریف)

اگرچہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو خالقِ کائنات نے بہت سے خصائص عطا فرمائے، مثلاً جوامع الکلم، ختمِ نبوت، سیادتِ انبیاء، سب انبیاء سے قبل پیدائش اور سب سے آخر بعثت، معراج شریف، سب سے زیادہ اُمت والے، سب سے قبل جنت میں جانے والے وغیرہ وغیرہ بے شمار خصائص ہیں مگر اس جگہ پانچ مخصوص خصائص کا ذکر فرمایا گیا۔ زمین کے متعلق ارشاد فرمایا کہ یہ میرے لیے مسجد بنا دی گئی ہے اور پاکیزہ کر دی گئی ہے۔ یعنی دیگر اقوام یہود و نصاریٰ کی طرح

نماز کے لیے گرجا گھر یا کسی خاص معبد خانہ میں جانا ضروری نہیں، بلکہ جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے نماز ادا کرنا جائز ہو گا۔ یہ الگ بات ہے کہ مسجد کے برابر ثواب تو نہیں ملیکن نماز ہو ضرور جائے گی۔ اس طرح اگر پانی پر قدرت نہیں تو تیمم کر لو، اللہ تعالیٰ اسی کے ساتھ تمہیں پاک فرما دے گا اور یہ ہر وہ کہ جس پر لفظ انسان صادق آتا ہے۔ آپ علیہ السلام کی امت دعوت میں شامل ہے۔

(۲۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۟ پ ۲۶	اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آگے نہ بڑھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سنتا جانتا ہے۔

اس آیہ مبارکہ کے بعض شان نزول نقل کیے گئے ہیں جن میں یہ بھی ہے کہ بعض لوگوں نے عید الضحیٰ کے دن نمازِ عید سے قبل ہی قربانی کر دی تھی ان کو منع کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مطابق بعض لوگ یوم الشک یعنی رمضان سے ایک روز قبل روزہ رکھتے تھے کہ شاید کل چاند ہو گیا ہو، ان کو منع کیا گیا اور ممکن ہے کہ ان تمام باتوں سے ممانعت کی گئی ہو۔ حاصل یہ کہ اے ایمان والو! کسی بھی صورت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔ نہ حکم دینے میں نہ دین سمجھنے سمجھانے میں، نہ راستہ چلنے میں، نہ فیصلہ کرنے میں، نہ گفتگو کرنے میں حتیٰ کہ مشکوٰۃ شریف "باب ما علی الماموم" میں ہے کہ مرض وفات شریف میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امامت فرمانے کا حکم دیا۔ ایک روز عین حالتِ نماز میں جبکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امامت فرما رہے تھے حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے۔ اسی وقت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقتدی بن گئے اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امام۔ یہ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ حدیث پاک سے ثابت ہے کہ معراج

کی رات مسجدِ اقصیٰ میں ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ علیہ السلام تک انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام موجود تھے، مگر سوائے امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے کسی نے امامت نہ فرمائی۔ حضرت جبریل علیہ السلام مؤذن تھے، تو سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام امام اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام مقتدی۔ ہاں البتہ اگر خود سید البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی غلام کو آگے فرما دیں تو اَلْحُکْمُ فَوْقَ الْاَدَبْ کے مصداق صحیح ہوگا جیسے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کی شب غارِ ثور میں پہلے داخل ہوئے یا خود خواجۂ کونین علیہ السلام نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جماعت کرانے کا حکم دیا اور دوسری توجہ طلب اِس آیۂ کریمہ میں یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ سے آگے نہ بڑھو! جبکہ ہم اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت واطراف وغیرہ سے پاک و منزہ ہے اور اس سے آگے بڑھنا غیر ممکن ہے۔ ہاں البتہ یہ ممکن ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معرفت تمہارے پاس کوئی حکم نہ آجائے۔ خود ہی فیصلہ نہ کرلیا کرو اور دوسرے یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، اللہ تعالیٰ کے وہ عبدِ خاص ہیں کہ ان کی گستاخی بارگاہِ ربّ العزت میں مردود ہونے کا باعث ہے

(۳۲) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ ۴۹/۲	اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آوازِ مبارکہ سے بلند نہ کرو اور ان کے حضور بات چلّا کر نہ کہو جیسے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہوجائیں اور تمہیں خبر ہی نہ ہو۔"

کتبِ تفاسیر میں ہے کہ ایک بار بارگاہِ نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ) میں حاضری کے دوران صدیق وفاروق صحابہ کرام کی آوازیں کچھ بلند ہوگئیں، تب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

اس سے دربارِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے کہ اس کے آداب خود خدائے لم یزل سکھاتا ہے اور یہ قیامت تک کے لیے ہے۔ آج بھی زائرین کرام جب روضۂ رسول پر شرفِ حاضری پاتے ہیں تو انتہائی ادب و احترام سے سلام عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اس آیۂ کریمہ کے نازل ہونے کے بعد یہ دونوں صحابہ یعنی صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما اتنی آہستہ گفتگو کرتے تھے کہ جیسے سرگوشی کر رہے ہوں (روح البیان)

علامہ ابن جریر نے حضرت محمد بن ثابت بن قیس بن شماس کے حوالہ سے بیان کیا اور اسے امام محی السنۃ نے بھی ذکر فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو کہ بہرے تھے اور بلند آوازی سے گفتگو کرنے کے عادی تھے) راستہ ہی میں بیٹھ کر رونے لگے۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادھر سے گزرے اور رونے کا سبب پوچھا تو حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے اور مجھے ڈر ہے کہ شاید میرے لیے ہی نازل ہوئی ہے، کیونکہ میری آواز اونچی ہے اور مجھے اپنے اعمال کے برباد ہو جانے اور دوزخی ہو جانے کا ڈر ہے۔ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہو کر یہ بات عرض کر دی۔ ادھر حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر گریہ کا اس قدر غلبہ ہوا کہ انہوں نے (گھر جا کر) اپنی بیوی جمیلہ بنت عبد اللہ بن اُبی سے کہا کہ میرے ساتھ گھوڑے باندھنے کی جگہ چلو اور گھوڑے کا رسہ مضبوطی سے میرے پاؤں کو باندھ کر کھونٹے سے کس دو (حسب الحکم) جمیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایسے ہی کیا۔ حضرت ثابت نے کہا: "اب میں باہر نہ نکلوں گا، یہاں تک کہ مجھے موت آجائے یا میرے آقا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے راضی ہو جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ جا کر ثابت کو بلا لاؤ۔ حسب الحکم حضرت عاصم اسی جگہ گئے جہاں حضرت ثابت کو دیکھا تھا جب وہ وہاں نہ ملے، تو ان کے گھر گئے۔ جا کر دیکھا تو ثابت گھوڑے کی کوٹھری میں بند ہیں —

حضرت عاصم نے کہا کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طلب فرما رہے ہیں۔ حضرت ثابت نے کہا کہ یہ رستہ توڑ دو۔ اس کے بعد دونوں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "ثابت تمہارے رونے کی کیا وجہ ہے؟" حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، آقا! میری آواز اونچی ہے۔ مجھے خوف ہے کہ یہ آیت میرے ہی متعلق نازل ہوئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم قابلِ ستائش زندگی گزارو گے اور شہادت پاؤ گے اور جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ ثابت نے کہا "میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کی خوشخبری پر راضی ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آئندہ کبھی بلند آواز سے نہ بولوں گا۔

اس جگہ یہ بھی عرض کر دوں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے آئندہ کی باتیں جاننے والے حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں خبر زمانۂ خلافتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں پوری ہو گئی۔ آپ جھوٹے مدعیٔ نبوت مسیلمہ کذاب کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے واصل باللہ ہوئے۔

امام طبری نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جنگِ یمامہ کے روز حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم پر ایک نفیس زرہ تھی۔ شہادت کے بعد ایک مسلمان ان کے پاس سے گزرا تو اس نے اس زرہ کو اتار لیا۔ جنگ کے بعد لشکرِ اسلام کے ایک آدمی کو خواب میں حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں اور یہ خواب (جو تو دیکھ رہا ہے) نیک اور اچھا ہے۔ میری وصیت کو ضائع نہ کرنا۔ تم جان لو کہ جب میں شہید ہو گیا، تو فلاں شخص نے میری زرہ اتار لی ہے اس کا گھر فلاں کونے میں فلاں جگہ پر واقع ہے۔ اس کے پاس ایسا گھوڑا ہے جو اپنی بڑی رسی کے برابر چھلانگ لگاتا ہے کہ جس سے گھوڑا باندھا جائے، وہ اسے (لمبی رسی

کے ساتھ) چھوڑ دیتا ہے کہ جہاں چاہے چرے اور میری زرہ کے اوپر اُس نے ایک دیگ رکھی ہے اور اس دیگ پر ایک اور دیگ رکھی ہوئی ہے۔ ایسی ایسی شکل وصورت کا وہ آدمی ہے اور ان علامات والی وہ زرہ ہے۔ یہ سب کچھ حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں اس آدمی کو بتادیا اور یہ بھی کہا کہ تم خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جانا اور ان سے کہنا کہ وہ میری زرہ اس شخص سے لے لیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہنا کہ وہ میری زرہ فروخت کرکے اس کی قیمت سے میرا فلاں قرض ادا کردیں اور بقیہ رقم، غرباء ومساکین میں تقسیم فرمادیں اور میرے فلاں فلاں غلام کو آزاد کردیں۔ وہ شخص جب خواب سے بیدار ہوا، تو حضرت خالد بن ولید کے پاس آیا اور اپنا خواب بیان کیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتائے ہوئے پتہ اور نشان کے مطابق آدمی بھیج کر وہ زرہ برآمد کرالی۔ سب بعینہٖ وہی کچھ تھا جو خواب میں بتادیا گیا تھا۔ اس کے بعد یہ واقعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا گیا، تو انہوں نے وصیت کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا۔

(مدارج النبوۃ، تفسیر مظہری جلد یازدہم)

سبحان اللہ تعالیٰ! اندازہ فرمائیے کہ یہ حال تو ان کے غلاموں کا تھا، خود آقا رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی کیا شان ہوگی؟

(۴۳) اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ ۴

بے شک جو لوگ (یا رسول اللہ علیک السلام) آپ کو حجروں کے باہر سے آوازیں دیتے ہیں ان میں اکثر بے عقل (جاہل) ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ محرم الحرام ۹ھ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان قبائل کی طرف جو مسلمان ہوگئے تھے۔ عمال مقرر فرمائے تاکہ وہ ان قبائل سے زکوٰۃ وصول کریں اور عمال کو نصیحت فرمائی کہ پرہیزگاری اختیار کریں اور کسی سے اعلیٰ مال کا مطالبہ نہ کریں۔ ان عاملینِ زکوٰۃ میں حضرت بشیر بن سفیان کعبی بھی تھے جن کو خزاعہ کی شاخ بنی کعب

کی طرف روانہ فرمایا۔ بنو کعب نے مال زکوٰۃ ادا کر دیا، مگر خاندان بنو تمیم والوں نے وہ مال چھین لیا اور کہا کہ خدا کی قسم ہم یہاں سے ایک اونٹ بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک نہ پہنچنے دیں گے۔ بنو کعب نے ان کو بہت سمجھایا، مگر بنو تمیم نہ مانے۔ بشر بن سفیان نے بارگاہِ نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میں حاضر ہو کر تمام واقعہ عرض کر دیا۔ یہ واقعہ سُن کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "بنی تمیم سے کون انتقام لیتے جاتا ہے؟" عیینیہ بن حصین فزاری نے عرض کیا "میں ان کے تعاقب میں جاتا ہوں اور خدا کی قسم ان کو بہت جلد بارگاہ نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ) میں حاضر کر دوں گا" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عیینیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پچاس مجاہدین کا دستہ روانہ فرمایا۔ چنانچہ یہ حضرات وہاں پہنچے[1] اور گیارہ مردوں اور پندرہ عورتوں اور تیس بچوں کو گرفتار کر لائے۔ بروایت دیگر گیارہ عورتیں مذکور ہیں۔ اس کے بعد بنی تمیم کے کچھ لوگ ان قیدیوں کی رہائی کے مطالبے کے لیے حاضر ہوتے۔ یہ اپنے ساتھ فصیح و بلیغ شاعر اور خطیب اقرع بن حابس کو بھی لائے تھے تاکہ اہلِ مدینہ کے ساتھ اپنی بڑائی ثابت کریں۔ یہ لوگ دوپہر کے وقت مسجدِ نبوی شریفہ میں پہنچے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے انہوں نے حجراتِ مقدسہ کے آگے شور مچانا شروع کر دیا کہ "اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) باہر آؤ اور ہمارے قیدی آزاد کرو۔" صحابہ کرام نے لاکھ سمجھایا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نمازِ ظہر کے لیے تشریف لائیں گے، تب بات کر لینا، مگر وہ حجراتِ مقدسہ کے آگے بھاگتے پھرتے اور شور مچاتے تھے۔ ان کی آواز سُن کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے (کچھ دیر بعد نمازِ ظہر کی ادائیگی کے بعد صحنِ مسجد میں اقامت فرمائی) اقرع بن حابس نے آغازِ گفتگو کیا اور کہا کہ "جس کی ہم تعریف کریں، وہ باعثِ عزت ہے اور جس کی توہین کریں، وہ باعثِ ذلت ہے" حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔

---

[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب بنی تمیم کو لشکرِ اسلام کی خبر پہنچی تو وہ بستی چھوڑ کر بھاگ گئے جو باقی بچے، وہ گرفتار کر لیے گئے (تفسیر مظہری جلد ۹ ص ۳۲)

کہ یہ صفت تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔" تم بتاؤ کہ چاہتے کیا ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم اپنے خطیب و شاعر کو ساتھ لائے ہیں تاکہ تمہارے ساتھ مقابلہ کریں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں شعر گوئی یا مفاخرت کے لیے پیدا نہیں ہوا، اس کے باوجود لاؤ تمہارے پاس کیا لیاقت ہے؟ بنی تمیم کی طرف سے عطارد بن حاجب جو اُن کا خطیب اور فصیح ترین شخص تھا، اٹھا اور خطبہ دیا۔ جب وہ فارغ ہوا تو حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جن کا ذکر پچھلی آیت میں گزر چکا ہے) کو حکم دیا کہ ان کے خطیب کا جواب دو۔ حضرت ثابت نے فی البدیہہ ایسا بہترین خطبہ دیا کہ بنی تمیم کی آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں۔ پھر اُن کا شاعر زبرقان بن بدر کھڑا ہوا اور فخریہ اشعار پڑھے۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے فی البدیہہ قصیدہ غرا ان کے جواب میں پڑھا۔ پھر اُن کی طرف سے اقرع بن حابس کھڑا ہوا اور چند فخریہ اشعار پڑھے۔ بارگاہِ اقدس کی اجازت سے جواباً حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اشعار پڑھے، وہ پہلے سے بھی زیادہ فصیح و بلیغ تھے۔ اس پر اقرع بن حابس نے کہا: "خدا کی قسم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی عالم الغیب سے تائید و نصرت کی جاتی ہے اور کوئی فضیلت و کرامت نہیں جو اِن کو نہ دی گئی ہو۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر شے ہماری ہر شے سے اعلیٰ و برتر ہے۔ پھر وہ مقامِ انصاف میں آئے اور مطیع و فرمانبردار ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ صرف اُن کے قیدیوں کو رہا فرما دیا، بلکہ ان کو لائق انعام و اکرام سے بھی سرفراز فرمایا۔ مذکورہ بالا آیۂ کریمہ ان ہی لوگوں کے متعلق نازل ہوئی اور اس کے بعد والی آیۂ کریمہ میں ان کی مغفرت کا اعلان بھی فرما دیا گیا (مدارج النبوۃ ج ۲)

اُن کی مغفرت فرمانے کی وجہ تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو یہ کہ اسلام قبول کرنا زمانۂ کفر کے تمام گناہوں کی معافی کا سبب ہے اور دوسرے یہ کہ یہ غلطی اُن سے قانون

بننے سے قبل واقع ہوئی۔ اس کے بعد گویا قانون بنادیا گیا کہ آئندہ ایسا ہرگز نہ کرنا۔ چنانچہ اس آیۂ کریمہ کے نزول کے بعد صحابۂ کرام (بوقتِ ضرورتِ شدید) اپنے ناخنوں سے دروازہ کھٹکھٹاتے تھے یا پھر باہر کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے۔ اگر سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لے آتے تو ٹھیک، ورنہ واپس آجاتے۔ (مختلف کتب تفاسیر وسیرت)

(۲۴) اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ ﴿۶۸﴾ بے شک آپ کا اخلاق بہت بڑی عظمت وشان والا ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ (یعنی میں محاسنِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں) یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم محض صاحبِ خلقِ عظیم ہی نہیں، بلکہ تمام اقسامِ اخلاق مثلاً سخاوت[۱]، شجاعت[۲]، رحم[۳]، عفو[۴]، صبر[۵]، احسان[۶]، صدق[۷]، حوصلہ[۸]، عفت[۹]، عدالت[۱۰]، ادب[۱۱]، اخوت[۱۲]، حیا[۱۳]، مروت[۱۴]، غیرت[۱۵]، حسنِ معاشرت[۱۶]، وفا[۱۷]، امانت[۱۸]، دیانت[۱۹]، زہد وتقویٰ[۲۰]، استقامت[۲۱]، حلم[۲۲]، حکمت[۲۳] وغیرہ اور دیگر تمام محاسنِ اخلاق کی تکمیل کے لیے تشریف لائے۔

خُلق عربی میں عادت کو کہا جاتا ہے کہ جس کی وجہ سے اچھے کام خودبخود ہو جائیں، فاعل کو تکلف سے کام نہ لینا پڑے۔ اس لحاظ سے آیۂ زیرِ بحث کا مطلب یہ ہوگا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) آپ سے جو بھی افعالِ مبارکہ صادر ہوتے ہیں یعنی سخاوت فرمانا، جان کے بدترین دشمنوں کو بھی معاف فرما دینا، بدلہ لینے کے بجائے عفو وکرم کا مظاہرہ فرمانا، دشمنانِ دین کے ساتھ انتہائی بہادری اور استقامت وشجاعت سے نبرد آزما ہونا، ایفائے عہد اتنا بے مثال کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یہاں ٹھہریئے، میں ابھی آتا ہوں فرمایا ٹھیک ہے تمہارے آنے تک

ہم یہاں ٹھہریں گے، وہ آدمی گھر کسی کام میں مشغول ہوگیا اور یاد بھول گیا، تیسرے دن یاد آیا کہ میں نے تو صادق و امین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وعدہ کیا تھا کہ آپ یہاں ٹھہریں، میں ابھی حاضر ہوتا ہوں، چنانچہ جب وہ تیسرے دن اُس جگہ پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ حضور نورِ مجسّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تین دن سے اسی جگہ بیٹھے اُس کا انتظار فرما رہے ہیں (سبحان اللہ تعالیٰ)، اتنا بے مثال ایفائے عہد فرمانا، امانت و دیانت داری، اتنے عظیم کردار والے کہ جان کے دشمن بھی صادق و امین کہیں اور ایسے ہی دیگر تمام صفاتِ مبارکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادتِ کریمہ ہیں۔ آپ علیہ السلام کو ان افعال میں تکلف سے کام نہیں لینا پڑتا۔ اسی بات کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ (ارشاد) وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ یعنی میں (اپنے اخلاق میں تکلف سے کام نہیں لیتا۔ آیۂ زیرِ بحث میں لفظِ عظیم اس طرف اشارہ ہے کہ اخلاقِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا مکمل احاطہ وادراک طاقتِ انسانی سے ماوراء ہے۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے عرض کیا تھا کہ بتائیے حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا اخلاقِ مبارکہ کیسا تھا؟ تو جواباً اُمّ المومنین نے فرمایا کہ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا خُلق قرآن تھا۔ ان الفاظ کے اگر ظاہری معنی پر بھی غور کیا جائے، تو پتہ چلتا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن پاک کی ایک مکمل ترین عملی تفسیر تھے۔ مدارج میں ہے کہ ظاہری معنی یہ ہے کہ جو کچھ قرآن کریم میں مکارمِ اخلاق اور صفاتِ محمودہ مذکور ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اُن تمام اوصاف سے متصف ہیں اور حقیقتِ واقعیہ یہ ہے کہ کسی مخلوق کا فہم وقیاس حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقامِ حقیقت اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حال کی عظمت تک نہیں پہنچ سکتا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بجز خدائے لم یزل

---

[1] تفسیر مظہری جلد ۱۰ میں ابوداؤد کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ وعدہ کرنے والے صاحب عبداللہ بن ابی الحمساء رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے ایمان لانے کے بعد یہ واقعہ بیان فرمایا۔ ۱۲

کے کما حقہٗ، کوئی بھی نہیں پہچان سکتا۔ (مدارج النبوۃ)

(۳۵) عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ (۲۷/۲۶)

(اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ہی) غیب کا جاننے والا ہے۔ پس وہ اپنے (علم) غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا، سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

علمائے اُمّتِ مُسلمہ کا اس چیز پر مکمل اتفاق ہے کہ علمِ غیب اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا خاصہ ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے بتائے بغیر کوئی بھی نہیں جان سکتا۔ آیۂ مذکورہ بالا کے مطابق یہ ثابت ہے کہ خالقِ کائنات جل شانہٗ اپنے غیوب سے انبیاء کرام علیہم السلام کو مطلع فرماتا ہے۔ خیال رہے کہ علماء تفسیر کے نزدیک غیب وہ ہے جو حواسِ خمسہ اور محض عقل سے معلوم نہ ہو سکے جیسے کہ جنّت، دوزخ، اور آئندہ وقوع پذیر ہونے والے بہت سے واقعات جیسے قیامت وغیرہ، سورۃ لقمان کے آخر میں ان کی تفصیل مذکور ہے، مگر خالقِ کائنات جل شانہٗ ان میں سے جسے چاہے اپنے رسولوں کو عطا فرمانے پر قادر ہے۔

اسی بات کو سورۃ آلِ عمران کی آیۂ مبارکہ ۱۷۹ میں یوں فرمایا گیا:

(ترجمہ) "اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ تم عام لوگوں کو علومِ غیبیہ پر مطلع فرمائے۔ ہاں البتہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے (علومِ غیبیہ عطا فرمانے کے لیے) چُن لیتا ہے، پس تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔"

موجودہ انجیلِ مقدس میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں، تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔"

(یوحنّا کی انجیل، باب ۱۶ - ۷، ۸)

اسی باب ۱۶ کی آیت ۱۲ تا ۱۴ میں ہے:

"لیکن جب وہ یعنی سچائی کا رُوح آئے گا، تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے (کچھ) نہ کہے گا، لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔" (یوحنا کی انجیل)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ مبارکہ میں مذکورہ انجیلِ مقدس کی ان آیات کی تصدیق ایک تو آیۂ زیرِ بحث سے ہوتی ہے کہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علومِ غیبیہ عطا فرمائے گئے اور دوسرے سورۃ النجم کی آیۂ مبارکہ ۳ سے کہ "یہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے، وہی کچھ فرماتے ہیں جو خدائے لم یزل کی طرف سے وحی کی جاتی ہے۔" ظاہر ہے کہ جب علومِ غیبیہ خود خدائے لم یزل عطا فرمانے والا ہو تو غلطی کا امکان ہی نہیں رہ جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو بھی پیش گوئیاں فرمائیں، وہ حرف بحرف درست ثابت ہوئیں اور ہو رہی ہیں اور یہ چیزیں محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کی واضح ترین دلیل ہیں۔

باب دوم

دلائل النبوّۃ

پروردگارِ عالم نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بطورِ دلیلِ نبوت معجزات سے بھی نوازا۔ معجزہ نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والی اُس چیز کو کہا جاتا ہے جو انسانی عقل وفہم اور شعور کو عاجز کر دے جس کے مقابلے کی سکت انسانی بس کی بات نہ ہو۔ جس زمانے میں جو بھی نبی تشریف لایا اُسے اُسی زمانے کے ماحول کے مطابق معجزہ بھی عطا فرمایا گیا، مثلاً حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے زمانہ میں جادو کا بہت زور تھا تو خالقِ کائنات جل شانہ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو وہ معجزہ عطا فرمایا کہ جس نے جادوگروں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں علمِ طب زوروں پر تھا۔ خلاقِ عالم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسا معجزہ عطا فرمایا کہ اُس وقت کے دانا وعالم (طبیب) آپ کے مقابلہ میں عاجز آ گئے، کیونکہ کوئی طبیب کسی بھی دوائی سے مادرزاد اندھے کو بینا نہیں کر سکتا تھا، کوئی بھی کوڑھی کو صحت مند نہیں بنا سکتا تھا، کوئی طبیب اگرچہ وہ طب میں کتنا ہی ماہر کیوں نہ ہو، مُردہ کو زندہ نہیں کر سکتا تھا، جبکہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے بحکمِ خدا یہ سب کچھ کر دکھایا، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ لوگوں کے سامنے مٹی سے پرندہ کی شکل بناتے اور پھونک مارتے تو بحکمِ خدا وہ لوگوں کے سامنے جاندار پرندہ بن کر پرواز کر جاتا۔

چونکہ سیدالانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف لانے سے قبل تشریف لانے والے انبیاء علیہم السلام مخصوص اوقات اور مخصوص علاقوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے تھے[۱]

[۱] جیسا کہ خود عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ "میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" (متی کی انجیل، باب ۱۵، ۲۴) یعنی آپ صرف بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے۔

اس لیے ان کو وہی معجزات عطا فرمائے گئے جو اُن اوقات یا علاقوں سے متعلقہ تھے، جبکہ امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پوری انسانیت کی طرف مبعوث ہوئے، اس لیے پروردگارِ عالم جل شانہٗ نے آپ کو ایسے معجزات سے نوازا کہ جو قیامت تک ہر دور میں بطور دلیل پیش کیے جاسکتے ہیں۔ اُن شاندار معجزات میں قیامت تک کے حالات و واقعات کی خبر دینا اور اُن اخبار کا بعینہٖ وقوع پذیر ہونا اور قرآن مجید فرقانِ حمید عجب شان کے معجزات ہیں۔ ان دونوں معجزات کو ہم جُداجُدا وضاحت کے ساتھ درج کرتے ہیں تاکہ حق کے متلاشی احباب کی راہنمائی ہوسکے۔ اس جگہ یہ وضاحت کردینا بھی ضروری ہے کہ خلاقِ عالم جل شانہٗ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سراپا معجزہ بنایا۔ خود ارشاد فرماتا ہے، قَدْ جَآءَکُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ کہ تحقیق تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے سراپا برہان تشریف لائے۔ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سرِ انور کے بال مبارک سے لے کر پائے اقدس کی خاک تک سراپا معجزہ ہیں، مگر اس جگہ صرف اخبارِ غیب اور قرآن پاک کے متعلق ہی بحث کی جارہی ہے، کیونکہ اگر دیگر معجزات کے متعلق بھی اسی طرح تحریر کرنے کی کوشش کی جائے (جبکہ معجزات خیر الانام علیہ السلام کا کما حقہٗ بیان کرنا مخلوق سے غیر ممکن ہے) تو مضمون بے حد طویل ہوجائے گا۔ ہاں البتہ اجمالی طور پر بعض معجزات کا ذکر ہوگا۔

اخبارِ غیب (علمِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَا اَعْلَمُ اِلَّا مَا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ۔ یعنی خدائے لم یزل کی قسم، میں اپنے آپ کچھ نہیں جانتا مگر وہ (سب کچھ کہ) جس کا میرے رب تعالیٰ نے مجھے علم مرحمت فرمایا (مدارج النبوۃ جلد اول)

پروردگارِ عالم جل شانہٗ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کن کن غیوب پر مطلع فرمایا، اس کا اندازہ احادیثِ مبارکہ کے عظیم ذخیرہ سے نقل کردہ چند ایک مندرجہ ذیل روایات مقدسہ سے لگائیے:

۱۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور اس وقت سے لے کر قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا، اس کا ذکر فرمایا جس نے یاد رکھا سو یاد رکھا اور جو اس کو بھول گیا، وہ بھول گیا اور بیشک میرے ساتھی اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں اور میں مذکورہ واقعات سے جب کوئی شے بھول جاتا ہوں، پھر وہ ظہور پذیر ہوتی ہے، تو مجھے اسی طرح یاد آجاتی ہے جیسے کہ کسی آدمی کا چہرہ دیکھا تھا، پھر وہ چلا گیا (اور میں اُسے بھول گیا) پھر جب اُس کو دیکھوں تو پہچان لوں۔" (بخاری، مسلم، خصائص کبریٰ جز ثانی، مشکوٰۃ جز ثالث کتاب الفتن)

۲۔ حضرت ابوزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو نمازِ فجر پڑھائی، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منبر پر چڑھے اور خطبہ دیا، یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہوگیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اُترے اور نماز ادا فرمائی، پھر خطبہ دیا (نمازِ عصر ادا فرمانے کے بعد بھی خطبہ جاری رہا) یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا جو واقعہ قبل ازیں گزر چکا تھا اور جو کچھ بھی قیامت تک پیش آنے والا تھا، حضور خواجۂ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وہ سب کچھ بیان فرمادیا جو زیادہ یاد رکھنے والا ہے، وہی زیادہ عالم ہے (مسلم شریف، خصائص کبریٰ) اسی طرح عمر بن اخطب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

۳۔ حضرت ابی ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان پر اُڑنے والے ہر پرندے تک کا ہم سے ذکر فرمادیا۔ (خصائص کبریٰ)

۴۔ حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوتے اور ہمیں مخلوقات کے بالکل ابتداء سے تمام حالات و واقعات کی خبر دینا شروع کی (اور قیامت تک کے واقعات بتادیئے) یہاں تک کہ جنتی جنت میں داخل ہوگئے اور دوزخی دوزخ میں۔ جو یاد رکھ سکا

اُس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا سو بھول گیا۔ (صحیح بخاری، مشکوٰۃ شریف جز ثالث)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایسے ہی مروی ہے (خصائص کبریٰ)

۵۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عائش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب تعالیٰ جل شانہٗ کو نہایت اچھی صورت میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ ملاءِ اعلیٰ میں فرشتے کس چیز میں گفتگو کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ تو خوب جانتا ہے۔ پس اُس نے اپنا دستِ قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا۔ میں نے اس کی سردی اپنے سینے میں محسوس کی، پس میں نے جان لی ہر وہ چیز جو زمین و آسمان میں تھی۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ آیۂ کریمہ تلاوت فرمائی (ترجمہ) "اور اسی طرح دکھلایا ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو زمین و آسمان کی بادشاہت تاکہ وہ یقین والوں سے ہو جائے۔" (مشکوٰۃ جز اوّل) تقریباً اسی کی مثل حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے (مذکورہ)

۶۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے واسطے دنیا ظاہر کی گئی اور میں نے دنیا کو اور قیامت تک ہونے والے واقعات کو اس طرح دیکھ لیا کہ جس طرح میں اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھتا ہوں (خصائص کبریٰ جز ثانی)

۷۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھی بھول گئے ہیں یا بھولنے کا اظہار کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہر ایسے فتنے کے قائد کہ جس کے تابعداروں کی تعداد تین سو یا زیادہ ہوگی، اُس کا نام، اُس کے باپ کا نام اور اُس کے قبیلے کا نام بھی ہمیں بتا دیا (سنن ابی داؤد)

مندرجہ بالا احادیثِ مبارکہ سے علمِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ خیال رہے کہ اس موضوع پر بہت سی احادیثِ مبارکہ موجود ہیں، مگر ہم نے بقدر ضرورت کے مطابق یہاں چند ایک نقل کی ہیں۔ اب حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے بہت سے ارشاداتِ عالیہ (پیشین گوئیاں) جو کہ پورے ہوئے اور ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ ان میں سے چند ایک نقل کیے جاتے ہیں تاکہ طالبِ حق کے لیے نشانِ راہ ہوں۔

۱۔ حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ "میرے بعد، خلافت تیس سال تک رہے گی۔ پھر بادشاہت میں تبدیل ہو جائے گی۔"

(احمد۔ ترمذی۔ ابی داؤد۔ مشکوٰۃ)

۲۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کو طلب فرمایا اور اُن کے ساتھ میدانِ بدر میں پہنچے (اور زمین پر نشان لگا کر فرماتے تھے) یہ فلاں کافر کے گرنے کی جگہ ہے اور پھر اپنے دستِ مقدس کو زمین پر (مختلف جگہوں پر) رکھتے تھے اور فرماتے تھے (فلاں کافر) اس جگہ (گر کر مرے گا اور (فلاں) اس جگہ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی نے ذرہ بھر بھی تجاوز نہ کیا (وہیں گر کر مرا) کہ جہاں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس کا نام لے کر ہاتھ رکھا تھا (صحیح مسلم، مشکوٰۃ)

۳۔ حضرت ابی ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "عنقریب تم مصر کو فتح کرو گے۔ مصر ایک زمین ہے کہ جس میں قیراط کا چرچا ہے۔ جب تم اس کو فتح کر لو، تو اس کے رہنے والوں پر احسان کرنا، کیونکہ ان کے لیے ذمہ ہے اور قرابت ہے یا فرمایا کہ ذمہ اور سسرال ہے، پھر جب تم وہاں ایک اینٹ کی جگہ پر دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے دیکھو تو تم مصر سے نکل جانا۔" حضرت ابوذر نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ عبدالرحمٰن بن شرجیل بن حسنہ اور اُس کا بھائی ربیعہ ایک اینٹ کی جگہ کے لیے جھگڑ رہے تھے، تو میں مصر سے نکل گیا۔ (صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف)

مصر، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں فتح ہوا۔ ابن خلدون میں ہے کہ اسلامی فوجیں ۲۱ھ، ۲۳ھ یا ۲۵ھ (اختلاف کے ساتھ) عمرو ابن العاص کی کی زیرِ قیادت مصر کی طرف روانہ ہوئیں۔ ابن اثیر نے ۱۶ھ کو ترجیح دی ہے۔ بہرحال سب

واقعہ پیش آیا جس کا حضرت ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تذکرہ کر رہے ہیں جسے کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے پیش آنے سے بہت عرصہ پہلے ہی بیان فرما دیا تھا۔

۴۔ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ایک پہاڑ پر تشریف فرما تھے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم) بھی موجود تھے۔ اتنے میں پہاڑ نے حرکت کی، تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ٹھہر جا! حرکت نہ کر۔ تجھ پر نبی ہے، صدیق ہے اور شہید موجود ہیں۔ (خصائص کبریٰ)

ہر شخص جانتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد مذکورہ صحابہ کرام مرتبہ شہادت کے عظیم منصب پر فائز ہوئے اور اس بات کی خبر سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بہت پہلے ہی دے دی تھی۔ اس حدیث پاک کے علاوہ بھی خصائص کبریٰ میں بہت سی احادیثِ مبارکہ منقول ہیں کہ جن میں خواجۂ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مذکورہ صحابہ اور بہت سے دوسرے صحابہ کرام کی شہادت وغیرہ کی باتیں تفصیل سے بیان فرمائیں بلکہ اپنے نواسے حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا تذکرہ فرماتے ہوئے یہاں تک نشانی بیان فرما دی کہ

(۵) حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تھوڑی سی مٹی عطا فرمائی اور فرمایا کہ اس مٹی کو سنبھال کر رکھ لو۔ جس دن یہ خون بن جائے سمجھ لینا کہ میرا نواسہ شہید کر دیا گیا ہے، چنانچہ سنہ ۶۱ھ دس محرم الحرام کو وہ مٹی خون بن گئی۔ (خصائص کبریٰ جلد دوم)

۶۔ اسی طرح سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فتوحاتِ اسلامیہ کی خبر دی اور فرما دیا کہ فلاں فلاں شہر اور علاقہ فتح ہوگا اور فلاں فلاں واقعات پیش آئیں گے، حتیٰ کہ حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے سراقہ! وہ کیسا وقت ہوگا

کہ جب تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے سونے کے کنگن ہوں گے۔ تو جب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایران فتح ہوا اور مالِ غنیمت کے ساتھ کسریٰ کے کنگن بھی دربارِ خلافت میں پہنچے، تو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ دونوں کنگن حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں پہنا دیئے اور کہا کہ "حمد ہے اُس خدا تعالیٰ کی کہ جس نے کسریٰ کے ہاتھوں سے کنگن چھین کر سراقہ کے ہاتھوں میں پہنا دیئے۔" ایسے ہی؛

۷۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمادیا: میرے بعد خلافت تیس برس ہوگی، پھر بادشاہت ہوگی۔" چنانچہ خلافت تیس برس رہی پھر حضرت امیر معاویہ کی حکومت شروع ہوگئی۔

۸۔ یوں ہی حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا لعابِ دہن چٹاتے ہوئے ان کی والدہ سے فرمایا کہ یہ "ابوالخلفاء" ہیں، یعنی کئی حاکموں کے باپ ہیں، چنانچہ خاندانِ عباسی کی بہت عرصہ تک حکومت رہی۔ (خصائصِ کبریٰ)

۹۔ یوں ہی ایک بار حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ "تم آخر عمر میں نابینا ہو جاؤ گے" چنانچہ آخری عمر میں اُن کی بصارت جاتی رہی۔ (مدارج النبوۃ)

۱۰۔ اسی طرح بغداد کے آباد ہونے کی خبر دی کہ "دجلہ اور دجیل کے درمیان ایک شہر آباد ہوگا۔" پھر اس شہر کی کیفیات بھی بیان فرمائیں۔ (مدارج النبوۃ)

۱۱۔ یوں ہی واقعہ حرہ یعنی مدینہ طیبہ پر یزید پلید کے حملہ کی خبر دی، چنانچہ یہ واقعہ ۶۲ھ میں پیش آیا۔ حضرت سعید ابن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حملہ کے ایام کے دوران مسجدِ نبوی شریف میں رہا۔ مسجدِ نبوی میں اُن دنوں کوئی نمازی یا مؤذن نہ آتا تھا۔ سخت افراتفری اور مصیبت کے ایام تھے، مگر میں ہر نماز کے وقت روضۃ الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اذان کی آواز سُنا کرتا تھا اور اُسی کے مطابق نماز ادا کرتا تھا۔ (تاریخِ مدینہ)

۱۲۔ اسی طرح حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ یہ آگ سے جل کر مریں گے، چنانچہ آخری عمر میں ان کو نمونیہ ہوگیا۔ ان کی چارپائی کے قریب آگ رکھ دی گئی،

تاکہ ان کو گرمی پہنچے اور سپاہی آگ میں گر کر فوت ہو گئے۔ (خصائص کبریٰ)

۱۳- اسی طرح ہجرت کے آٹھویں سال سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک رات وضو فرما رہے تھے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سنا کہ دورانِ وضو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ (تین بار) پھر فرمایا: نُصِرْتُ نُصِرْتُ نُصِرْتُ یعنی میں مدد کرتا ہوں، میں مدد کرتا ہوں، میں مدد کرتا ہوں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ کس سے گفتگو فرما رہے تھے، یہاں تو کوئی بھی نہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں خاندانِ بنو بکر نے قریش کی مدد سے خاندانِ بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا ہے اور خاندانِ بنو خزاعہ والے مجھے مدد کے لیے پکار رہے ہیں کہ ہم پر شب خون مارا گیا ہے ہماری مدد فرمایئے۔" اس واقعہ کے تین دن بعد عمرو بن سالم خزاعی چالیس سواروں کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ میں آیا اور وہ واقعہ عرض کیا جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پہلے ہی بیان فرما چکے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے مدد کا وعدہ فرمایا اُن کو تسلی دی اور فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ابی سفیان صلح کرنے اور تجدیدِ عہد کرنے آیا ہے مگر بے نیل ومرام مکہ لوٹ گیا ہے اور ساتھ ہی صحابہ کرام کو فتح مکہ کی خوشخبری سنا دی۔ چند ہی روز بعد بمطابق خبرِ نبوی، ابی سفیان مدینہ میں صلح اور تجدیدِ عہد کے لیے آیا، مگر خائب وخاسر واپس لوٹا اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی خبر کے عین مطابق مکہ فتح ہو گیا (مدارج النبوۃ)

۱۴- اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر دی کہ تم آخر زندگی میں نابینا ہو جاؤ گے، چنانچہ وہ آخر عمر میں بصارت سے محروم ہو گئے۔ پھر بینا ہوتے اور وفات پائی۔ (خصائص کبریٰ)

۱۵- اسی طرح سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بصرہ کو آباد کرنے کی خبر دی اور فرمایا

کہ تم لوگ بہت سے شہر آباد کرو گے، اُن میں سے ایک شہر بصرہ ہوگا جس میں خسف اور مسخ ہوگا (عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

یہ تمام اخبار و واقعات پوری شرح وبسط کے ساتھ کتب تواریخ، سیر و احادیث میں مذکور ہیں۔ ہم نے ان کو انتہائی اختصار کے ساتھ یہاں نقل کیا ہے، کیونکہ شرح وبسط کی صورت میں کتاب کی ضخامت بہت بڑھ جاتی، پھر ان کے سوا اور بھی بہت سے واقعات ہیں کہ جن کو اختصاراً ابھی درج نہیں کیا جاسکا اور وہ مذکورہ کتب میں جابجا پائے جاتے ہیں۔ دراصل ثابت کرنا تو صرف یہ مقصود تھا کہ رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے قیامت تک کے واقعات بیان فرمائے اور جو کچھ بیان فرمایا بالکل برحق بیان فرمایا اس میں شبہ کا شائبہ تک بھی نہیں۔ اس لیے کہ "وہ اپنی مرضی سے نہیں فرماتے، وہی کچھ فرماتے ہیں جو اُن کو وحی کی جاتی ہے۔" (القرآن)

مذکورہ بالا اخبار و واقعات تو عام حالات کے مطابق تھے جو کہ بیان فرمائے گئے اور پورے ہوئے۔ اب اس جگہ ہم حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ارشاد فرمودہ قیامت کی کچھ نشانیاں بھی اختصاراً نقل کرتے ہیں، جن میں کچھ تو پوری ہوگئیں اور کچھ پوری ہو رہی ہیں۔

عَلَامَاتُ الْقِیَامَہ

حجاز کی آگ

حضرت سعید ابن المسیب، حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ قیامت نہ ہوگی، یہاں تک کہ سرزمینِ حجاز سے ایک آگ نکلے گی جو بصرہ (شام کے ایک شہر) کے اونٹوں کی گردنیں روشن کر دے گی۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم کتاب الفتن)

یہ پیشین گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ ۶۵۴ھ جمادی الاولی کی آخری تاریخ کو مدینہ طیبہ میں کئی بار زلزلہ آیا، چونکہ یہ خفیف تھا، اس لیے کسی کو محسوس ہوا اور کسی کو محسوس نہ ہوا۔ پھر منگل کے دن سخت زلزلہ آیا جسے سب نے محسوس کیا۔ پھر ۳ جمادی الآخر بدھ کی رات کے آخری حصہ میں اتنا شدید زلزلہ آیا کہ اس کی ہیبت سے لوگ کانپ گئے زلزلوں کا یہ سلسلہ جمعہ کے دن تک جاری رہا۔ زلزلہ کی آواز بجلی کی کڑک گرج سے زیادہ تھی۔ زمین اور دیواروں پر لرزہ طاری تھا، صرف ایک دن میں اٹھارہ بار زلزلہ آیا۔ جمعہ کے دن دوپہر سے قبل زلزلوں کا سلسلہ بند ہو گیا۔ دوپہر کے وقت مدینہ طیبہ کے مشرق کی جانب کچھ فاصلہ پر (بنی قریظہ کے حرہ کے قریب) آگ نمودار ہوئی۔ اس کے ظاہر ہونے کی جگہ سے آسمان پر دھواں پھیل گیا جو اس کثرت سے تھا کہ اس نے تمام افق کو گھیر لیا۔ جب تاریکی چھا گئی اور رات آ گئی تو اس کے شعلے بہت تیز ہو گئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ آگ بہت بڑا قلعہ بند شہر ہے جس میں بڑے بڑے برج اور مینارے دکھائی دیتے تھے اور ایسے محسوس ہوتا تھا کہ آدمیوں کی ایک بہت بڑی جماعت بنے ہوئے اسے کھینچے لا رہی ہے۔ اس آگ کو دیکھ کر اہلِ مدینہ سخت خوفزدہ ہو گئے، چنانچہ قاضی سنان حسینی کہتے ہیں، "میں امیرِ مدینہ عزیز الدین کے پاس گیا اور کہا کہ ہم کو عذاب نے گھیر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیجیے۔ یہ سن کر اس نے اپنے تمام غلام آزاد کر دیئے، اور لوگوں کے اموال ان کو واپس کر دیئے۔ پھر وہ اپنے قلعہ سے نکل کر حرم نبوی میں آیا، اس نے اور تمام اہل مدینہ نے حتیٰ کہ عورتوں اور بچوں نے بھی وہ رات حرم شریف میں گزاری۔ لوگ گریہ وزاری کرتے ہوئے روضہ اقدس کے گرد کھڑے اپنے گناہوں کا اعتراف کر رہے تھے اور نبی الرحمۃ سے پناہ طلب کر رہے تھے۔"

علامہ قسطلانی جنہوں نے اس آگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی۔ فرماتے ہیں کہ یہ آگ بڑھتی ہوئی حرہ اور وادی شظات کے

متصل آپہنچی، وادیٔ شظات سے گزر کر یہ آگ حرمِ نبوی کے مقابل آکر ٹھہر گئی۔ اس آگ کی آواز (رعد) بجلی کی گرج کی مانند تھی اور دریا کی طرح موجیں مارتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس سے سُرخ اور نیلی نہریں رواں دواں ہیں۔ اس آگ کی شدّتِ حرارت اس قدر تھی کہ دو تیر کے فاصلے تک اس کی حرارت کے شعلے اور ہیبت پہنچتی تھی۔ ان تمام باتوں کے باوجود مدینہ طیّبہ میں خنک اور ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں اور آگ کی ہلکی سی تپش بھی محسوس نہ ہوتی تھی، حالانکہ اس آگ کی روشنی حرمِ نبوی اور جملہ مکاناتِ مدینہ کو مثلِ آفتاب کے روشن کیے ہوئے تھی۔ یہاں تک کہ لوگ رات کو اس کی روشنی میں کام کرتے تھے۔ ان دنوں آفتاب و مہتاب کو گہن لگ گیا تھا اور یہ آگ جس بھی پتھر یا درخت کے قریب پہنچی، جلا کر بھسم کر دیتی، پتھر رانگ کی طرح پگھلتے ہوئے نظر آتے۔ آگ کے پگھلے ہوئے پتھروں اور راکھ کی ایک بہت بڑی دیوار بن گئی جو بہت عرصہ تک انسانوں اور جانوروں کے لیے سدِّراہ بن گئی (اس کے نشانات اب تک کچھ نہ کچھ مل سکتے ہیں۔ اہلِ مدینہ اس جگہ کو حبس کہتے ہیں)۔ انتہائی تعجب کی بات ہے اور حضور سیّدِ عالم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ایک عظیم معجزہ کہ جب یہ آگ حرمِ نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ) کے متصل پہنچی، تو وہاں ایک بہت بڑا پتھر پڑا تھا جس کا نصف حصّہ تو حرم شریف میں داخل تھا اور نصف حصّہ سرزمینِ حرم سے باہر تھا، آگ اس پتھر کو بھی آلگی اور تیزی سے اسے پگھلانا شروع کر دیا، لیکن جب حرم سے باہر کا حصّہ جل گیا اور آگ داخلی حصّہ تک پہنچی، تو وہاں پہنچتے ہی بیک لخت بجھ گئی (سُبْحَانَ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔)

مخبرِ صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے فرمانِ مقدّس کے مطابق شہر بصرہ تک

لہ یہ لمبائی کی ایک مقدار ہے، یعنی ایک آدمی کمان میں تیر رکھ کر پوری قوت سے چلائے جہاں جا کر گرے، وہاں سے پھر آگے چلائے، یہ دو تیر کا فاصلہ ہوا۔ ۱۲ منہ

اس آگ کی روشنی پہنچی (البتہ دُوری کی وجہ سے اتنی بُلند تھی کہ کھڑے) اونٹوں کی گردنیں اُس سے روشن ہوگئیں ۔ یہ آگ باون دن روشن رہی ۔

(وفاء الوفا ۔ جذب القلوب الی دیار المحبوب ۔ تاریخ مدینہ ۔ شرح صحیح مسلم از امام نووی)

حادثہ بغداد

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "میری اُمت کے لوگ ایک پست زمین میں کہ جسے بصرہ[1] کہا جائے گا ایک دریا کے نزدیک اُتریں گے جس کو دجلہ کہتے ہیں ۔ اس دریا پر پُل ہوگا بصرہ کے باشندے بکثرت ہوجائیں گے، تو وہ مسلمانوں کا ایک بڑا شہر بن جائے گا ۔ جب آخر زمانہ آئے گا، تو قنطورا[2] کے بیٹے آئیں گے (یعنی تاتاری) جن کے چہرے فراخ اور آنکھیں چھوٹی ہوں گی ۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اس دریا (دجلہ) کے کنارے پر اُتریں گے ۔ اس وقت بصرہ (بغداد) کے باشندے تین گروہوں میں بٹ جائیں گے ۔ جن میں ایک گروہ بیلوں کی دُموں (یعنی بیلوں پر سوار ہوکر) بیابانوں میں پناہ لے گا اور ہلاک ہوجائے گا ۔ ایک گروہ اُن سے امان طلب کرے گا، وہ بھی ہلاک ہوجائے گا ۔ ایک گروہ اپنی اولاد کو پسِ پشت ڈال کر اُن سے لڑائی کرے گا، وہ مرتبہ شہادت پر فائز ہوگا ۔

(رواہ ابی داؤد، مشکوٰۃ باب الملاحم)

یہ پیشین گوئی ماہِ محرم ۶۵۶ھ میں پوری ہوئی ۔ جب چنگیز خان تاتاری کے پوتے ہلاکو نے بغداد کو تہِ تیغ کیا ۔ یہاں ہم تفصیل تو درج کرنے سے معذور ہیں ۔ اگر آپ کو تفصیل درکار ہو تو کتبِ تواریخ خصوصاً طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جزء خامس کا مطالعہ فرمائیں ۔ البتہ اس پیشین گوئی کی وضاحت کے لیے ہم اختصاراً یہاں نقل کرتے ہیں ۔:

آخری خلیفہ عباسی معتصم باللہ کا وزیر محمد بن العلقمی رافضی تھا ۔ یہ شہزادہ ابوبکر اور امیر رکن الدین

---

[1] بصرہ یہ بغداد کا ایک نواحی گاؤں جو بغداد بننے کے بعد اس میں ہی شامل ہوگیا (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ)

[2] قنطوراء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی لونڈی تھی ۔ اس کی نسل سے تاتاری (ترک) پیدا ہوئے ۔ ۱۲

دو بدار کا سخت دشمن تھا، کیونکہ یہ دونوں اہل سنّت تھے اور انہوں نے کرخ نامی گاؤں کے رافضیوں کو اس بنا پر سزا دی تھی کہ انہوں نے اہل سنّت کو لوٹ لیا تھا، چونکہ یہ بظاہر تو اُن کے خلاف کچھ نہ کر سکتا تھا، اس لیے پوشیدہ طور پر ہلاکو کو بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ دربارِ ہلاکو میں حکیم نصیرالدین طوسی ابن علقمی کا ہم مسلک تھا، اُس نے بھی ہلاکو کو ترغیب دی، چنانچہ ماہِ محرم ۶۵۶ھ میں ہلاکو نے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ بغداد پر حملہ کر دیا۔ اہل بغداد نے مقابلہ تو کیا، مگر اکثر تہہ تیغ ہو گئے، کچھ جنگلوں کی طرف بھاگ گئے اور وہاں ہلاک ہو گئے کچھ دریائے دجلہ کے پانی میں ڈوب گئے اور بغداد تاتاریوں کے گھیرے میں آ گیا۔ اس وقت ابن علقمی نے خلیفہ کو صلح و امان کا مشورہ دیا اور کہا کہ اس مقصد کے لیے میں خود ہلاکو کے پاس جاتا ہوں، چنانچہ وہ گیا اور واپس آکر خلیفہ معتصم سے کہنے لگا کہ جناب ہلاکو کی یہ دلی خواہش ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح آپ کے بیٹے امیر ابوبکر سے کر دے اور آپ کو منصبِ خلافت پر مامور رکھے، مگر وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ آپ اس کی اطاعت قبول کر لیں اور خود جا کر اُس سے امان طلب کریں، لہٰذا آپ فوراً ایسے کر لیں تاکہ مسلمان خون ریزی سے بچ جائیں۔ خلیفہ مان گیا اور امرائے سلطنت کے ساتھ خود طلبِ امان کے لیے ہلاکو کے پاس پہنچا۔ خلیفہ کو ایک خیمے میں اتار لیا گیا۔ پھر ابن علقمی دوبارہ شہر پہنچا اور تمام بڑے بڑے علماء و فقہاء سے کہا کہ امیر المومنین بلاتے ہیں تاکہ سب شہزادہ صاحب کے عقد میں شامل ہوں۔ اس طرح وہ ان علماء کو گروہ در گروہ بھیجتا رہا اور پروگرام کے مطابق تاتاری اُن کو قتل کرتے رہے۔ جب ان سب کا کام تمام ہو گیا تو امراء اور وزراء سلطنت کی باری آ گئی، وہ بھی قتل کر دیئے گئے۔ پھر خلیفہ کی سب اولاد بھی قتل کر دی گئی۔ پھر خلیفہ کو دربار میں طلب کیا گیا۔ ہلاکو نے معتصم باللہ سے چند ایک باتیں دریافت کیں۔ پھر حکیم نصیرالدین کے مشورہ کے مطابق خلیفہ معتصم باللہ کو ایک بوری میں بند کر کے ہتھوڑے اور لاتیں مار مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ۲۸ محرم الحرام ۶۵۶ھ کو پیش آیا۔ پھر شہر پر اجتماعی حملہ کر دیا

گیا۔ شہر میں قتال و جدال کے ساتھ ساتھ خوب خوب عصمت دری بھی کی گئی۔ خود خلیفہ کے حرم کو بھی لوٹ لیا گیا اور آبرو ریزی کی گئی۔ غارت گری کا یہ بازار ایک ماہ سے زیادہ عرصہ تک جاری رہا ـــــــ اور مؤرخین کے مطابق کم و بیش اٹھارہ لاکھ انسانوں کو قتل کر دیا گیا۔ خلیفہ معتصم باللہ کے ساتھ ہی خاندانِ بنو عباس کی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

دیگر علاماتِ قیامت (جو ظاہر ہو چکی ہیں اور زیادہ ہو رہی ہیں۔)

مخبرِ صادق نبیٔ برحق خواجۂ کونین سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے قیامت کی نشانیاں بیان فرمائیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

" علم اٹھا لیا جائے گا۔ جہالت زیادہ ہو گی۔ زنا بہت ہو گا۔ شراب نوشی کثرت سے ہو گی۔ آدمی کم اور عورتیں زیادہ ہوں گی۔" (بخاری و مسلم)، ذلیل لوگوں کی کثرت ہو گی۔ اُجرت لینے والے منبروں پر بیٹھیں گے۔ قرآن شریف سازوں سے پڑھا جائے گا۔ مسجدوں میں نقش و نگار ہوں گے، اور اونچے اونچے منبر بنائے جائیں گے۔ زکوٰۃ کو تاوان اور امانت کو غنیمت سمجھا جائے گا۔ مرد اپنی بیوی کی اطاعت کرے گا اور ماں کی نافرمانی کرے گا۔ اپنے باپ کو دور اور دوست کو قریب کرے گا۔ اُمت کے بعد والے پہلوں کو بُرا بھلا کہیں گے۔ فاسق آدمی قبیلہ کا سردار ہو گا۔ رئیس قوم ذلیل بن جائے گا۔ انسان کی عزت اُس کی شرارت سے بچنے کے لیے کی جائے گی۔" (خصائص کبریٰ)

" نہر فرات سے سونا برآمد ہو گا اور وہاں خوں ریز جنگ ہو گی۔" (بخاری و مسلم)

" زمانہ قریب ہو جائے گا، یہاں تک کہ سال مہینہ کی مانند، مہینہ جمعہ کی مانند، اور جمعہ ایک دن کی مانند اور دن ساعت کی مانند اور ساعت اُٹھنے والے شعلے کی مانند ہو گی ـــــــ دین کے سوا دوسرے علوم حاصل کیے جائیں گے۔ گانے بجانے والیوں کی کثرت ہو گی۔ باجے ظاہر ہوں گے۔ سُرخ ہوائیں چلیں گی، زلزلے آئیں گے اور

لوگ زندہ دفن[1] ہوں گے۔ مساجد میں بلند آواز سے باتیں کی جائیں گی۔ ریشم پہنا جائے گا" (ترمذی) "عابد جاہل اور قاری فاسق ہوں گے۔ چاند اتنا بڑا نظر آئے گا کہ گویا کل کا ہے۔ امانتدار کم ہو جائیں گے، تجارت بڑھ جائے گی۔ کاتبوں کی کثرت اور علماء کی قلت ہوگی۔ جھوٹی گواہی عام ہوگی۔ علمِ دین، دُنیا کی خاطر سیکھا جائے گا۔ اولادِ زنا[2] کی کثرت ہوگی۔ اونچے مکانات بنانے پر فخر کیا جائے گا۔ قریبی لڑکی سے اُس کی غربت کی وجہ سے شادی نہ کی جائے گی، جبکہ غیر سے صرف مال کی خاطر شادی کی جائے گی۔ محض حصولِ دولت کی خاطر لوگوں کی منافقانہ تعریف کی جائے گی۔ خطیب منبروں پر جھوٹ بولیں گے۔ آلاتِ لہو کو حلال خیال کیا جائے گا۔ مرد عمامے (پگڑیاں) چھوڑ کر تاج (خوبصورت ٹوپیاں) پہنیں گے۔ قرآن کو تجارت بنا لیا جائے گا۔ باجے بجانا، جُوا کھیلنا عام ہو جائے گا" (مختلف کتب)

ان نشانیوں کے بعد بڑی بڑی نشانیوں کا ظہور ہوگا۔

مثلاً جب یہ نشانیاں مکمل ہو چکیں گی تو ایک شخص یزید بن ابی سفیان اُموی کی اولاد سے سفیان نام سے جانبِ دمشق سے ظاہر ہوگا، وہ اہل بیت عظام کو بُری طرح قتل کرے گا۔ شام و مصر کے اطراف میں اس کا حکم جاری ہوگا۔

---

[1] ۱۹۸۵ء میں تاریخ کے دو عظیم ترین حادثات وقوع پذیر ہوئے پہلے میکسیکو سٹی میں دنیا کا طاقتور ترین زلزلہ آیا۔ غیر سرکاری اطلاع کے مطابق بیس ہزار سے زائد لوگ عمارتوں کے نیچے دب کر ہلاک ہو گئے۔ دوسرا حادثہ نومبر ۱۹۸۵ء میں کولمبیا کے شہر آرمیرو کے قریب آتش فشاں پہاڑ پھٹنے سے پیش آیا جس کے گرم لاوے اور آسمان سے برسنے والی راکھ اور آگ سے کم و بیش ۲۵ ہزار افراد زندہ جل گئے اور پچاس ہزار سے زائد افراد زخمی ہو گئے۔ سارا میرو شہر راکھ میں دب کر گویا صفحۂ ہستی سے مٹ گیا (معاذ اللہ) (روزنامہ جنگ لاہور ۵ انومبر ۱۹۸۵ء)

[2] مغربی ممالک میں یہ وبا بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ وہاں بن بیاہی ماؤں کی اولاد کی پرورش کے لیے مستقل ادارے قائم کیے گئے ہیں، جہاں بے شمار ایسے بچے پرورش پا رہے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ہر پیدا ہونے والے دس بچوں میں کم از کم دو بچے ایسے ضرور ہوتے ہیں۔

اسی اثناء میں شاہِ روم کی عیسائیوں کے ایک فرقہ سے جنگ، اور دوسرے سے صلح ہوگی۔ لڑنے والا فرقہ قسطنطنیہ پر قبضہ کرلے گا۔ شاہ روم شام میں آجائے گا اور دوسرے فرقہ کی مدد سے خونریز لڑائی کے بعد فتح پالے گا۔ اس کے بعد ایک شخص کہے گا کہ یہ فتح صلیب کی مدد سے ہوئی۔ اسی بات پر عیسائی لشکر اور مسلمانوں میں لڑائی ہوجائے گی۔ بادشاہِ اسلام شہید ہوجائے گا اور اہلِ ایمان مدینہ منورہ آجائیں گے۔ عیسائی سلطنت خیبر تک پھیل جائے گی۔ اس وقت اہلِ اسلام امام مہدی کے متلاشی ہوں گے تب حضرت امام کا ظہور ہوگا۔ آپ مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف کے پاس تشریف فرما ہوں گے۔ وہاں مقام ابراہیم اور حجر اسود کے درمیان آپ سے بیعت کی جائے گی۔ آپ کا اسم گرامی محمد بن عبداللہ ہوگا اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد سے ہوں گے۔ اہلِ اسلام کی مدد کے لیے ایک شخص حارث نام ماوراء النہر سے ایک لشکر بھیجے گا۔ دوسری طرف ظالم سفیانی جس کا اوپر ذکر ہوا حضرت امام کے مقابلہ کے لیے لشکر بھیجے گا، مگر وہ لشکر شکست کھا جائے گا۔ پھر وہ خود لشکر لے کر آئے گا، مگر زمین میں دھنس جائے گا یہ خبر دُور دُور تک پہنچے گی۔ اہلِ اسلام کثرت سے حضرت امام کے لشکر میں شامل ہوجائیں گے۔ پھر ان کا مقابلہ حلب یا دمشق کے نواح میں عیسائیوں سے ہوگا۔ تین شدید ترین مقابلوں اور خوفناک حملوں کے بعد لشکرِ اسلام فتح پا جائے گا۔ اس کے بعد ایک اور سخت لڑائی سے قسطنطنیہ بھی فتح ہوجائے گا۔ ابھی اہلِ اسلام لڑائی سے فارغ ہوتے ہی ہوں گے کہ شیطان آواز دے گا کہ "دجال تمہارے اہل و عیال میں آگیا ہے۔" یہ سنتے ہی مسلمان اس طرف متوجہ ہوں گے اور دس سواروں کو بھیجیں گے تاکہ تحقیق کریں۔ حضور مخبرِ صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں ان سواروں کے نام، ان کے باپوں کے نام، ان کے قبیلوں کے نام حتیٰ کہ جن گھوڑوں پر یہ سوار ہوں گے، اُن کے رنگ بھی جانتا ہوں۔" (مُسلم، مشکوٰۃ)

وہ اس وقت رُوئے زمین پر بہترین سوار ہوں گے، یہ افواہ غلط ثابت ہوگی۔

لشکرِ اسلام قسطنطنیہ سے روانہ ہو کر شام پہنچے گا، تو جنگِ عظیم کے ساتویں سال شام و عراق کے درمیان ایک جگہ سے دجال ظاہر ہوگا۔ اس کے ظہور سے قبل دو سال قحط رہے گا۔ تیسرے سال دورانِ قحط ہی اس کا ظہور ہوگا۔ دجال کی ایک آنکھ اور ابرو بالکل نہ ہوگی، بلکہ جگہ ہموار ہوگی، وہ ایک بڑے گدھے پر سوار ہوگا، اس کی پیشانی پر ک اف ر (کافر) لکھا ہوا ہوگا جسے ہر صاحبِ ایمان خواہ پڑھا ہوا ہو یا ان پڑھ، بہر حال پڑھ لے گا۔ وہ رُوئے زمین پر گھومے گا اور لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دے گا۔ اس کے ساتھ ایک باغ ہوگا جسے وہ جنت کہے گا اور ایک آگ ہوگی، جسے وہ جہنم کہے گا، حالانکہ معاملہ برعکس ہوگا۔ وہ اپنے ماننے والوں کو اُس باغ میں اور نہ ماننے والوں کو آگ میں ڈالے گا۔ وہ لوگوں کو عجیب و غریب شعبدے دکھائے گا، جو محض باطل ہوں گے۔ بہت سے لوگ اُس کے فریب میں پھنس جائیں گے۔ لوگ دیکھیں گے کہ گویا اُس کے کہنے سے بارش ہو رہی ہے۔ زمین سے پیداوار ہو رہی ہے۔ مُردے زندہ ہو رہے ہیں وغیرہ وغیرہ، حالانکہ یہ سب شیطانی اثرات سے ہو رہا ہوگا۔ اسی اثناء میں اُس کے پیروکار ایک مومن کو پکڑ کر لائیں گے، وہ اُسے دیکھتے ہی پکار اُٹھے گا کہ لوگو! یہ دجّال ہے جس کا ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم سے ذکر فرمایا ہے۔ یہ سُن کر دجّال کہے گا کہ اس کا سر پھوڑ دو۔ چنانچہ ایسے ہی کیا جائے گا۔ پھر دجّال کہے گا کہ مجھ پر ایمان لاؤ، مگر وہ مومن صاف انکار کر دے گا۔ پھر دجّال کے حکم سے اس مومن کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔ دجّال ان ٹکڑوں کے درمیان سے چلے گا اور حکم دے گا کہ زندہ ہو جا، وہ مومن زندہ ہو جائے گا۔ دجّال اُسے پھر اپنی عبادت کی دعوت دے گا۔ مومن کہے گا کہ اب تو مجھے کامل یقین ہو گیا کہ تو ہی جھوٹا اور دجّال ہے اور پھر وہ مومن لوگوں کو کہے گا کہ بے پرواہ ہو جاؤ کہ اب یہ کسی کو قتل نہ کر سکے گا۔ دجال اُسے قتل کرنا چاہے گا، مگر نہ کر سکے گا۔ پھر وہ اسے آگ میں ڈال دے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ وہ شخص عند اللہ بہت بڑا

شہید ہوگا۔ پھر دجّال شام سے اصفہان کی جانب آئے گا اور ستر ہزار یہودی وہاں اُس کے پیروکار بن جائیں گے۔ پھر وہاں سے مکّۃ مکرّمہ کی طرف آئے گا، مگر مکّہ مکرّمہ میں فرشتوں کی محافظت کے سبب داخل نہ ہو سکے گا۔ پھر مدینہ طیبہ کی طرف قصد کرے گا، مگر وہاں بھی فرشتوں کی محافظت کی وجہ سے خائب و خاسر لوٹے گا، البتہ کچھ لوگ ان شہروں سے باہر آکر اس کے دام میں پھنس جائیں گے۔ دجّال یہاں سے واپس شام کا ارادہ کرے گا۔ اس کے دمشق پہنچنے سے قبل امام مہدی وہاں پہنچ کر اس سے مُقابلہ کی تیاری فرما چکے ہوں گے۔ اسی دوران اچانک اللہ تعالیٰ نماز کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجے گا۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے نہایت نورانی شکل میں دمشق کے مشرقی جانب سفید منارہ پر نزول فرمائیں گے اور حضرت امام مہدی کی اقتداء میں نماز ادا فرمائیں گے۔ پھر لشکرِ اسلام کا لشکرِ دجال سے مقابلہ ہوگا۔ بڑا گھمسان کا معرکہ ہوگا۔ اس وقت دمِ عیسیٰ میں یہ خاصیت ہوگی کہ جس بھی کافر تک آپ کا سانس پہنچے گا، وہ ہلاک ہو جائے گا اور دجّال آپ کے سانس سے پگھلے گا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر دجال بھاگ جائے گا، مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کا تعاقب فرمائیں گے اور بیت المقدس کے قریب مقام "لُد" کے دروازے کے قریب نیزہ مار کر اُسے قتل کر دیں گے۔ پھر اہلِ اسلام لشکرِ دجال کے قتل میں مشغول ہوں گے، یہودیوں کو کوئی چیز پناہ نہ دے گی، حتّٰی کہ اگر یہودی کسی پتھر کی اوٹ میں چھُپا ہوگا، تو وہ پتھر بھی بول اُٹھے گا کہ یہاں یہودی ہے۔ زمین پر دجال کا فتنہ چالیس دن رہے گا۔ اس فتنہ کے فرو ہو جانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اصلاحات میں مشغول ہوں گے۔ صلیب کو توڑ دیا جائے گا، خنزیر کو قتل کر دیا جائے گا۔ کفّار کے لیے سوائے قبولِ اسلام یا قتل کے کوئی تیسرا حکم نہ ہوگا۔ تمام کافر (عیسائی، یہودی دیگر مشرک) مسلمان ہو جائیں گے۔ امام مہدی کی خلافت سات آٹھ یا نو سال ہو گی۔ اس کے بعد حضرت امام علیہ السلام کا وصال ہو جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائیں گے۔

یاجُوج و ماجُوج

اس کے بعد لوگ امن وچین کی زندگی بسر کر رہے ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی آئے گی کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو نکالنے والا ہے کہ جن سے مقابلہ کی کسی کو ہمت نہیں ہے۔ اس لیے تم بندگانِ خدا کے ساتھ کوہِ طور کی جانب نکل جاؤ، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قلعہ طُور میں پناہ گزیں ہو جائیں گے۔ اس وقت یاجوج وماجوج نکل پڑیں گے جو اس قدر کثرت سے ہوں گے کہ اُن کی پہلی جماعت جب بحیرۂ طبریہ کے پاس سے گزرے گی، تو اس کا تمام پانی پی جائے گی۔ پھر آخری جماعت گزرے گی، تو کہے گی "یہاں کبھی پانی تھا؟" وہ زمین میں بہت قتل وغارت گری کریں گے۔ پھر وہ کہیں گے کہ اہلِ زمین تو ہم نے ہلاک کر دیئے، آؤ ہم آسمان والوں کو بھی قتل کر دیں۔ وہ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے، تو اللہ تعالیٰ اُن کے تیر خون آلود کر کے واپس لوٹائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھی وہاں محصور ہوں گے، سخت قحط ہوگا، پھر آپ ان کے حق میں بددعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ یاجوج وماجوج کو ہلاک فرما دے گا۔ اہلِ ایمان جب قلعہ سے اُتر کر دیکھیں گے تو زمین پر ایک بالشت بھر بھی جگہ ایسی نہ ہوگی، جہاں کوئی مردہ یا اسی کی چربی نہ پڑی ہو، سخت بدبُو اُٹھ رہی ہوگی۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے اللہ تعالیٰ بڑے بڑے پرندے بھیجے گا جو اُن کی لاشوں کو اُٹھا کر جہاں اللہ تعالیٰ چاہے گا لے جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک اس دنیا میں قیام فرمائیں گے۔ آپ نکاح بھی فرمائیں گے، اولاد ہوگی، پھر انتقال فرما جائیں گے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ انور میں دفن ہوں گے۔ پھر زمین پر کچھ عرصہ عدل وانصاف رہے گا، مگر پھر کفر وجہالت شروع ہو جائے گی۔ اسی اثناء میں ایک مکان مشرق میں اور ایک مغرب میں غرق ہو جائے گا۔

دُخان

اس کے بعد ایک دن اچانک ایک بڑا دھواں آسمان پر نمودار ہوگا جو چالیس روز تک رہے گا جس سے مسلمان زکام میں مبتلا

ہو جائیں گے، جبکہ کافروں اور منافقوں پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی۔ کوئی ایک کوئی دو، کوئی تین دن بعد ہوش میں آئے گا۔

مغرب سے طلوعِ آفتاب

اس واقعہ کے بعد ماہ ذی الحجہ میں یوم نحر کے بعد رات اس قدر طویل ہو جائے گی کہ بچے چلا اٹھیں گے۔ مسافر تنگدل اور مویشی چراگاہ کے لیے بے قرار ہو جائیں گے یہاں تک کہ لوگ اس بے چینی کی وجہ سے نالہ وزاری کریں گے اور توبہ توبہ پکاریں گے۔ آخر تین چار شب کی مقدار میں رات دراز ہونے کے بعد حالتِ اضطراب میں سورج مغرب کی طرف سے چاند گرہن کی طرح (یعنی گرہن لگے ہوئے) تھوڑی سی روشنی لے کر نکلے گا، تھوڑا سا بلند ہو گا، پھر مغرب ہی میں غروب ہو جائے گا اور اس کے ساتھ ہی توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ پھر حسبِ معمول سورج مشرق سے طلوع ہوتا رہے گا۔

دابۃ الارض

دوسرے روز لوگ اسی کا ذکر کر رہے ہوں گے کہ کوہِ صفا زلزلہ سے پھٹ جائے گا اور اس سے ایک عجیب شکل کا جاندار نکلے گا جسے "دابۃ الارض" کہتے ہیں۔ اس کے بعد وہ مِن میں ظاہر ہو کر غائب ہو جائے گا۔ پھر دوبارہ مکہ مشرفہ میں ظاہر ہو گا۔ اس کے ہاتھ میں موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا عصا اور دوسرے ہاتھ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہو گی۔ وہ اتنی تیزی سے شہروں کا دورہ کرے گا کہ کوئی بھی بھاگنے والا اس سے بچ نہ سکے گا۔ وہ ہر اہلِ ایمان کی پیشانی پر عصائے موسیٰ سے ایک نورانی خط کھینچے گا جس سے اُس کا تمام چہرہ منور ہو جائے گا، اور ہر کافر کی ناک یا گردن پر خاتمِ سلیمان سے مہر لگا دے گا جس سے ہر کافر کا چہرہ سیاہ اور بے رونق ہو جائے گا۔ اس کے بعد ایک ٹھنڈی ہوا چلے گی جس سے ہر صاحبِ ایمان کے پہلو میں درد ہو گا۔ پھر افضل فاضل سے، فاضل ناقص سے اور ناقص فاسق سے پہلے مرنا شروع ہو جائیں گے، یہاں تک کہ کوئی بھی اہلِ ایمان باقی نہ رہے گا۔ بعدازاں

کفارِ حبشہ کا غلبہ ہوگا اور اُن کی سلطنت قائم ہوجائے گی۔ وہ خانہ کعبہ کو گرادیں گے، حج موقوف ہوجائے گا۔ قرآن پاک دلوں سے، زبانوں سے اور کاغذوں سے اٹھ جائے گا۔ خدا ترسی اور خوفِ آخرت دلوں سے ختم ہو جائے گا۔ شرم و حیا نام کی کوئی شے نہ ہوگی۔ آدمی گدھوں اور کتوں کی مانند، دوستوں کے سامنے جماع کریں گے۔ ظلم و جبر میں اضافہ ہوجائے گا۔ قحط سالی شروع ہوجائے گی۔

ایک بڑی آگ کا ظہور

اس وقت ملکِ شام میں کچھ ارزانی ہوگی، لوگ بمعہ اہل و عیال شام کو روانہ ہوں گے۔

اسی دوران ایک بڑی آگ جنوب کی طرف سے ظاہر ہوگی جو لوگوں کا تعاقب کرے گی، یہاں تک کہ لوگ شام پہنچ جائیں گے، پھر وہ آگ غائب ہوجائے گی۔

نفخِ صُور

اس کے بعد چند سال تک لوگ عیش و عشرت اور غفلت کی زندگی بسر کریں گے۔ بُت پرستی عام ہوجائے گی۔ کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا۔

پھر یکایک بروز جمعہ جو کہ یومِ عاشورہ بھی ہوگا۔ صبح کے وقت اللہ تعالیٰ جل شانہٗ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم دے گا۔ اس کی آواز ایک زبردست چنگاڑ کی صورت اختیار کر جائے گی۔ آواز کے صدمہ سے زمین کانپ رہی ہوگی، جنگلی جانور شہر اور شہروں کے مکین جنگلوں کی طرف بھاگیں گے۔ انسان و حیوان سخت خوفزدہ اور سرگرداں ہوں گے۔ آواز مسلسل بڑھتی ہی جائے گی، حتیٰ کہ انسان و حیوان سب اُس کی شدت کے صدمہ سے ہلاک ہوجائیں گے۔ آواز کی شدت میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا۔ پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر فضاؤں میں بکھر جائیں گے۔ چاند، ستارے، سورج سب ٹوٹ پھوٹ کر گر جائیں گے۔ حتیٰ کہ تمام کائنات تباہ و ہلاک ہوجائے گی۔ خداوند کریم جل شانہٗ ارشاد فرماتا ہے، كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ جو کچھ اس پر ہے، وہ سب فنا ہونے والا ہے، صرف آپ کا پروردگار ہی باقی رہنے والا ہے جو

جلالت اور بزرگی والا ہے۔ یعنی وہ وقت آجائے گا کہ سوائے ذاتِ باری تعالیٰ جل شانہ کے کچھ بھی نہ ہوگا۔ (یہ تمام مضمون بحوالہ مختلف کتبِ احادیث و سیرت خصوصاً مشکوٰۃ شریف، کتاب الفتن، باب الملاحم، باب اشراط الساعۃ، باب علامات بین یدی الساعۃ و ذکر الدجال)

اعجاز القرآن

قرآن مجید ایک نہیں بلکہ بہت سے معجزات کا مجموعہ ہے۔ اس کا ہر ہر جملہ بلکہ ہر ہر حرف (جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا) سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا عظیم الشان معجزہ ہے۔ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات ایک مخصوص زمانے اور وقت تک محدود تھے۔ مثلاً حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا عصا اور ید بیضا بلاشبہ عظیم معجزے تھے لیکن کب تک محض اُس وقت تک جب تک کہ موسیٰ کلیم اللہ اس دنیا میں تشریف فرما تھے۔ آپ کی رحلتِ شریفہ کے ساتھ ہی یہ معجزات ختم ہو گئے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عظیم الشان معجزات مثلاً مُردوں کو زندہ کرنا، مٹی کا پرندہ بنا کر اڑا دینا، بیماروں کو شفا دینا وغیرہ بھی اُسی وقت تک رہے، جب تک کہ آپ کو آسمان پر نہیں اُٹھایا گیا۔ اگرچہ موجودہ اناجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی کرامات کا بھی قدرے اختلاف سے تذکرہ موجود ہے اگر اسے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے، تو بھی محض وہ ایک مخصوص زمانے تک محدود تھے جو کہ آج بالکل معدوم ہیں۔ ان تمام باتوں کے برعکس حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا معجزہ قیامت تک کے لیے موجود، اور لوگوں کو مقابلہ کا چیلنج دے رہا ہے۔ اس جگہ ہم قرآن کریم کو مختلف وجوہ سے شاندار معجزہ ہونا ثابت کرتے ہیں۔ (و باللہ التوفیق)

فصاحت و بلاغت[1]

جس زمانے میں قرآن پاک کا نزول ہوا، اگرچہ اخلاقی لحاظ سے لوگ انتہائی پستی میں گرے ہوئے

---

[1] کم علم کے سامنے دقیق علمی گفتگو یا عالم و فاضل کے سامنے عامیانہ گفتگو فصاحت نہیں ہر ایک کے ذوق کے مطابق گفتگو ہی فصاحت ہوگی۔ یہ اعزاز صرف قرآن حکیم کو ہی حاصل ہے کہ اس کی ہر آیت خلص و عام مسلمان کو یکساں مفید ہے

تھے۔ اپنے آپ کو محض غیرت مند ثابت کرنے کے لیے اپنی بچیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ بُت پرستی عام تھی۔ اپنی جھوٹی اَنا اور سرداری کی خاطر قبیلوں کے قبیلے ہلاک کر دیتے۔ معمولی سے طعن پر اس حد تک بھڑک جاتے کہ کئی سال تک لڑائی کا ساسماں رہتا، مگر فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے یگانۂ روزگار تھے۔ کسی میں مجال نہ تھی کہ اُن کا مقابلہ کرتا۔ وہ اس میدان کے بلا شرکتِ غیرے شہسوار تھے۔ اُن دنوں نزولِ قرآن نے اُن کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ وہ محبوبِ خدا سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم، ان ہی کے درمیان پیدا ہوئے۔ ں کی آنکھوں کے سامنے ہی پرورش پائی ۔ یہ ادیب و فاضل اور شاعر و نثر نگار اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ مکہ مکرمہ کی گلیوں میں پلنے والے حضرت عبداللہ کے اس یتیم لختِ جگر نے کسی بھی اُستاد کے سامنے کبھی زانوئے ادب تہہ نہیں کیا۔ اس محبوبِ مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ ہی کبھی کوئی شعر—— کہا۔ زمانۂ جاہلیت میں ہونے والے میلوں میں کبھی شرکت نہیں کی، کبھی اپنے دستِ مبارک سے کوئی شئے تحریر نہ فرمائی۔ چالیس سال کا طویل عرصہ اسی طرح گزر گیا، البتہ اس دوران آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بزرگی، دیانت داری، شرافت، سچائی، صلہ رحمی، عفت و پاک دامنی کی خوشبو میں ہر چار سُو پھیل گئیں۔ اظہارِ نبوت سے قبل خواجۂ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کوہِ حرا کی غار میں گوشہ نشین ہو گئے۔ پھر یکایک فاران کی چوٹیوں سے وہ نسخۂ کیمیا لے کر تشریف لائے کہ جس نے کائنات والوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ اقلیمِ سخن کے شہنشاہ ان کے حضور طفلِ مکتب نظر آنے لگے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلا خوف و خطر اعلان فرمادیا کہ لوگو! تم اور تمہارے یہ معبودانِ باطلہ جھوٹے اور جہنم کا ایندھن ہیں۔ اگر تم کو اس میں کوئی شک ہو تو تم کو کھلا چیلنج ہے کہ میری چالیس سالہ زندگی میں ایک معمولی سا جھوٹ بھی ثابت کر دکھاؤ۔ اگر تم اس سے عاجز ہو تو یہ قرآن جو میں پیش کر رہا ہوں اس کی مثل ایک بھی آیت لا کر دکھاؤ اور فرمایا گیا کہ "اگر تمام جنّ و انس بھی مل کر اس کی مثل

بنانا چاہیں گے تو نہ بنا سکیں گے۔" (سورۃ بنی اسرائیل، رکوع ۱۰)

اہلِ مکہ بھلا اس ہستی کی طرف جھوٹ کی نسبت کیسے کرسکتے تھے، جسے وہ خود صادق و امین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ باقی رہا قرآن کا مقابلہ تو اس میں اہلِ مکہ ہی کیا، پوری دُنیا کے انسان بشمول یہود و نصاریٰ مخاطب تھے اور آج تک ہیں، مگر کسی میں مجال دم زدن تھی، نہ قیامت تک ہوسکتی ہے۔ بڑے بڑوں کی عقلیں جواب دے گئیں۔ بطورِ نمونہ چند ایک واقعات سپردِ قلم کیے جاتے ہیں:

حضرت لبید بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک الشعراء تھے۔ سبع معلقات یعنی وہ سات تحریریں جو کہ بیت اللہ میں لٹکائی جاتی تھیں، ان میں ان کے اشعار بھی ہوتے تھے، لیکن جب انہوں نے قرآن پاک کی چند آیاتِ مقدسہ دیکھیں، تو پکار اُٹھے: "خدا کی قسم یہ انسان کا کلام نہیں" یہ کہتے ہوئے مسلمان ہوگئے۔ قبولِ اسلام کے بعد انہوں نے شعر کہنے بند کر دیئے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ایک بار حضرت لبید سے کہا کہ مجھے کوئی اپنا شعر سنائیں تو آپ نے سورۂ بقر سنا دی اور کہا کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے سورۂ بقر سکھا دی ہے، میں نے شعر نہیں کہے۔

ابو عبید سے مروی ہے کہ ایک شخص نے قرآن پاک کی اس مختصر آیۂ مبارکہ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ سُنی، تو فوراً سجدہ میں گر گیا اور بولا کہ میں نے اس کلام کی فصاحت پر سجدہ کیا۔

حضرت ابی ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایمان لانے کا طویل واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے تحقیقِ حال کے لیے اپنے بھائی انیس کو مکہ مکرمہ بھیجا۔ خدا کی قسم! مجھے اس سے بڑا شاعر نظر نہیں آیا۔ زمانہ جاہلیت میں اُس نے بارہ[۱۲] نامی گرامی شعراء کو مقابلہ میں شکست دی تھی۔ جب وہ مکہ سے واپس آیا، تو کہنے لگا: لوگ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو کاہن، شاعر، جادوگر بتاتے ہیں۔ میں نے اُن کا کلام سُنا۔ خدا کی قسم! وہ ایک نرالا ہی کلام ہے۔ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ میرے نزدیک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سچے اور

لوگ جھوٹے ہیں۔ (مسلم شریف)

عبداللہ بن مقفع نسلاً آتش پرست اور عربی کا مشہور انشاء پرداز تھا۔ اس نے قرآن پاک کا معارضہ کرنے کا ارادہ کیا، بلکہ کچھ نہ کچھ تحریر بھی کرلیا۔ ایک دن وہ بازار میں جارہا تھا کہ ایک بچے کو قرآن پاک کی یہ آیہ کریمہ "وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ" پڑھتے ہوئے سنا تو فوراً گھر پلٹ گیا اور اپنا لکھا ہوا مٹا دیا۔ پھر کہنے لگا "میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کلام کا مقابلہ ناممکن ہے اور یہ ہرگز انسانی کلام نہیں ہے" (سیرتِ رسولِ عربی، اظہارِ حق)

ہیبتِ کلام واسلوبِ بیان

قرآن پاک کا قدرتی دبدبہ اور اسلوبِ بیان بھی ایک معجزہ ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ابوجہل اور دوسرے کفار نے مشورہ کیا کہ دینِ مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے۔ تم کسی ایسے شخص کو تیار کرو جو جادو، کہانت، شعر، نثر سب سے واقف ہو، وہ جاکر اُن سے گفتگو کرے، چنانچہ عتبہ بن ربیعہ کو تیار کیا گیا۔ عتبہ بارگاہِ نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ) میں حاضر ہوا اور بڑی چکنی چپڑی باتیں کیں اور بڑے بڑے لالچ دیئے کہ آپ بتوں کی مخالفت ترک کردیں، ہم آپ کی ہر خواہش پوری کردیں گے، خواہ وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ جب عتبہ اپنی بات پوری کرچکا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس کے سامنے سورۃ حٰمٓ السجدہ (پارہ ۲۴) کی تلاوت شروع فرمادی۔ اس دوران عتبہ بن ربیعہ اپنے دونوں ہاتھوں کی پشت کے پیچھے ٹیک لگائے مبہوت ہوکر سنتا رہا، گویا کہ ہوش میں ہی نہیں ہے۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اس آیہ مبارکہ پر پہنچے کہ

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ (آیہ ۱۳)

"پھر اگر یہ لوگ نہیں مانتے، تو ان سے فرما دو کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی عاد و ثمود پر آفت آئی تھی۔"

یہ سنتے ہی عتبہ نے اپنا ہاتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منہ پر رکھ دیا اور پکار اٹھا "میں تمہیں تمہاری رحم دلی کی قسم دیتا ہوں، آگے کچھ نہ کہیں" پھر اٹھا اور اپنے گھر چلا گیا، اس کی حالت غیر تھی۔ ابوجہل اپنے ساتھیوں سے بولا کہ عتبہ ہمارے پاس نہیں آیا، غالباً وہ بھی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سے مل گیا ہے، چلو اُس کے گھر چلیں، چنانچہ یہ سب عتبہ کے پاس پہنچے۔ ابوجہل نے کہا، عتبہ تجھے کیا ہوا ہے؟ کہ تو اُن کی طرف مائل ہو گیا ہے (اور بطور طعنہ کہا) اگر کچھ مال کی ضرورت ہے تو ہمیں بتا ہم تیرے لیے اتنا جمع کر دیں کہ جو تجھے ان سے بے نیاز کر دے گا۔ یہ سن کر عتبہ غصہ میں آگیا اور بولا" بخدا! تم اس بات سے بخوبی واقف ہو کہ میں تم سب سے زیادہ مالدار ہوں، مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں، مگر بات یہ ہے کہ جب میں اُن کی خدمت میں گیا، تو انہوں نے اُس کلام کے ساتھ میری باتوں کا جواب دیا کہ جو خدا کی قسم نہ کہانت ہے نہ جادو، وہ ایک عجیب کلام ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ آج مجھ کو یقین ہو گیا تھا کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے گا، تو میں نے صلہ رحمی کی قسم دے کر انہیں چپ کرایا۔ میری بات مانو تو اُن سے تعرض نہ کرو اور خدا کی قسم آج کے بعد میں اُن سے گفتگو کرنے نہ جاؤں گا۔" (خصائص کبریٰ (کئی روایات کا خلاصہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ولید بن مغیرہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے سامنے قرآن پاک کی تلاوت فرمائی، باوجودیکہ وہ ایک بدترین قسم کا دشمن تھا۔ مگر قرآن پاک سنتے ہی اُس پر رقت طاری ہو گئی۔ ابوجہل کو اس بات کا پتہ چلا، تو فوراً ولید کے پاس آیا اور بولا: "تیری قوم تیرے لیے چندہ جمع کر رہی ہے" ولید نے پوچھا کہ کیوں؟ ابوجہل بولا تو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جو (کھانا کھانے) جاتا ہے۔" یہ سُن کر ولید بولا قریش سے میری مالداری کسی سے پوشیدہ نہیں اور یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں کہ میں شعر، رجز، قصیدہ کا کتنا بڑا عالم ہوں، بخدا جو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں، وہ ایک جدا ہی کلام

ہے۔ اس میں بڑی حلاوت، خوبی اور خوش دلی ہے۔ اس کی شاخیں تروتازہ اور پھل دار ہیں۔ اس کی جڑ پھلوں سے لبریز ہے، وہ سب اقوال پر فائق ہے اور کوئی قول اس پر فوقیت نہیں رکھتا۔ وہ اپنے ماتحت قول کو ضعیف و پامال کرتا ہے۔ ابوجہل بولا تیری قوم اُس وقت تک تجھ سے راضی نہ ہوگی جب تک کہ تو کوئی ایسی بات نہ کہے جس سے یہ ثابت ہو کہ تو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا منکر ہے۔ تھوڑی دیر سوچ کر بولا "تم اُس کی گفتگو کو جادو سمجھو جو اُس نے دوسروں سے سُن رکھا ہوگا۔ تب قرآن پاک پارہ ۲۹ سورۃ مدثر کی ابتدائی آیات مقدسہ نازل ہوئیں (جن میں ولید کی خوب مذمت کی گئی) (خصائص کبریٰ جزء اوّل)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت ضماد مکہ مکرمہ میں آئے وہ جنوں اور آسیب وغیرہ کی جھاڑ پھونک کے بڑے ماہر تھے۔ مکہ کے بے وقوفوں سے سنا کہ عیاذاً باللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مجنون ہیں۔ ضماد نے دل میں خیال کیا کہ میں اس شخص کا علاج کرتا ہوں، شاید یہ میرے ہاتھوں شفایاب ہو جائے (اور میں قریش کے سامنے سرخرو ہو جاؤں) ضماد کہتے ہیں کہ میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جنات وغیرہ کے لیے جھاڑ پھونک کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے شفا دے دیتا ہے۔ اس کی بات سُن کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کلمات "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ" آخر تک پڑھے۔ ضماد سُن کر بولے دوبارہ پڑھیے، چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کلمات دوبارہ تلاوت فرمادیئے۔ ضماد بولے، واللہ! میں نے کاہنوں کا کلام، جادوگروں کی باتیں اور شاعروں کے شعر سنے مگر ان جیسے کلمات میں نے نہیں سُنے۔ یہ کلمات تو دریائے بلاغت کی تہہ کو پہنچے ہوئے ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا دستِ مبارک بڑھائیے تاکہ میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کروں۔ چنانچہ حضرت ضماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہو گئے۔ (صحیح مسلم۔ خصائص کبریٰ)

ان کے سوا بھی اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں۔ مذکورہ بالا واقعات میں جن

لوگوں کا ذکر کیا گیا، وہ پورے عرب میں علم وفضل کے ستون مانے جاتے تھے، لیکن وہ سب کے سب مقابلہ سے عاجز آگئے۔ اس حقیقت سے اپنے پرائے سب اچھی طرح آشنا ہیں کہ کفارِ مکہ کو اپنے ہی قبیلوں، اپنے ہی بھائی بیٹوں سے کئی بار جنگ کرنا پڑی اور ذلت کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اسی طرح مدینہ طیبہ اور دُور ونزدیک کے یہودی اور عیسائی قرآن پاک میں مذکور انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کی بناء پر ذلت ورسوائی کی داستانیں سنتے اور اپنے ہی آپ میں جلتے رہے، مگر وہ قرآن پاک کا مقابلہ نہ کر سکے، حالانکہ اگر وہ قرآن کریم کے مقابلہ میں ایک چھوٹی سی سورت بھی بنا لاتے تو ان کی عزت بچ جاتی اور ذلیل ورسوا ہو کر انہیں جزیرہ عرب سے نہ نکلنا پڑتا، جبکہ ان کے مجمعوں اور اُن کے بازاروں میں مسلمان علی الاعلان چیلنج کرتے پھرتے ہیں کہ اگر یہ نازل شدہ قرآن غلط ہے تو:

فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ○ (البقرۃ - رکوع ۲)	"لاؤ اس کی مثل تم بھی کوئی سورۃ بنالاؤ اور اپنے تمام مددگاروں کو بلا لو، خدا کے سوا۔ اگر تم سچے ہو۔ تو پھر تم جب یہ نہ کر سکو اور تم ہرگز ہرگز کر بھی نہیں سکتے تو پھر (ایمان لاکر) بچو اُس آگ سے کہ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو کہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔"

اس قدر ذلت ورسوائی کے باوجود اُن کا قرآن پاک سے معارضہ نہ کر سکنا ایک عظیم الشان معجزہ ہے اور یہ معجزہ آج بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ (عقل والو! عبرت پکڑو)

قرآن پاک کے واقعات اور پیشین گویاں قرآن مجید اور فرقانِ حمید نے جو گزشتہ اقوام کے حالات و واقعات بیان فرمائے خواہ وہ واقعات سکندر ذوالقرنین کے تھے یا خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے وہ واقعات بنی اسرائیل کی عزت افزائی کے تھے یا ذلت و رسوائی کے وہ واقعات انبیاء کرام علیہم السلام اور رسولانِ عظام کے تبلیغ فرمانے کے تھے یا بدبخت کافروں کے گستاخانہ رویّہ کے تھے، سب کے سب انتہائی نپے تلے الفاظ میں من وعن بیان فرما دیئے اہلِ کتاب کہ جن کو اپنی کتابوں پر ناز تھا، وہ بلاشبہ خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے نازل شدہ کتابیں بالکل برحق تھیں، لیکن اُن میں تغیّر و تبدّل کر دیا گیا تھا۔ اگر وہ لوگ قرآن مجید کی کسی بھی خبر کو سابقہ کتب سماوی کے خلاف پاتے، تو یقیناً ان کے ہاتھ قرآن کریم کو جھٹلانے کا معقول بہانہ آجاتا، مگر وہ خائب و خاسر رہے۔ قرآن پاک نے بالکل واضح ترین الفاظ میں ان کی سیہ کاری کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا، ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ[۲] کہ انہوں نے کلامِ الٰہی میں تحریف کی ہے۔ پھر اُن کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا، وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۵ (البقرۃ ۴۱) "یعنی بدبختو امیری (اللہ تعالیٰ کی) آیتوں کو مال و دولت کے لالچ میں فروخت نہ کرو۔" یعنی امیر لوگوں سے پیسے لے کر آیاتِ الٰہیہ کو کیوں تبدیل کر رہے ہو۔

اندازہ کیجئے قرآن پاک نے اُن کے کیسے گھناؤنے کردار سے پردہ اُٹھایا، مگر وہ نہ تو قرآن پاک کا مقابلہ کر سکے اور نہ اسے جھوٹا ثابت کر سکے۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

قرآن پاک اور جدید سائنس

کوئی معاند قرآنی حقائق سے چشم پوشی تو کر سکتا ہے، مگر جھٹلا نہیں سکتا۔

"بائبل، قرآن اور سائنس" نامی کتاب کے مصنف "موریس بوکائیے" اس حقیقت کا اظہار یوں کرتے ہیں:

(تلاوتِ قرآن پاک کرتے ہوئے) "جو بات پہلے پہل سامنے آتی ہے اور قاری کو چونکا دیتی ہے، وہ ان موضوعات زیر بحث کی کثرت ہے اور موضوعات یہ ہیں: تخلیق، فلکیات، زمین سے متعلق بعض مادوں کی تشریح، عالم حیوانات و نباتات، انسان کی

تولید، جبکہ بائبل میں فاش غلطیاں دیکھنے میں آتی ہیں[1]۔ قرآن کریم میں مَیں ایک بھی غلطی کا پتہ نہیں چلا سکا[2]۔ اس موقع پر میں نے توقف کر کے خود سے سوال کیا کہ "اگر کوئی انسان قرآن کا مصنف ہوتا تو کیا وہ ساتویں صدی عیسوی[3] میں ایسے حقائق بیان کر دیتا جو آج کی جدید سائنسی معلومات سے پوری طرح مطابقت کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں؟ اس میں قطعًا کوئی شک وشبہ نہیں کہ قرآن کا جو متن آج ہمارے پاس موجود ہے۔ ۔۔۔ اگر مجھے ان الفاظ میں گفتگو کرنے کی اجازت دی جائے، تو قطعی طور پر اُسی زمانے کا متن ہے۔ اس مشاہدے کے لیے کیا توجیہہ وتاویل ہو سکتی ہے؟ میری رائے میں کوئی بھی تاویل ممکن نہیں، کوئی دلیل اس سلسلہ میں نہیں ہو سکتی کہ جس زمانہ میں شاہ داگوبرٹ[4] فرانس پر حکومت کرتا تھا، اُس وقت جزیرۃ العرب کا ایک باشندہ بعض موضوعات پر ایسی سائنسی معلومات رکھتا ہو، ہمارے زمانے سے بھی دس صدی کے بعد کے دور سے تعلق رکھتی ہوں" (ص ۱۵۰ مطبوعہ کراچی)

جناب موریس بوکائیے نے ایک ایسی مسلّمہ حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ جس سے فرار ناممکن ہے۔ بطورِ دلیل ہم موریس بوکائیے صاحب کے پیش کردہ موضوعات میں سے سب سے آخری موضوع "انسان کی تولید" پر تھوڑی سی بحث کرتے ہیں۔

---

[1] بائبل میں سائنس کے لحاظ سے فاش غلطیوں کا پایا جانا دو وجہ سے ہے (۱) یہ بائبل کا دَور ہی نہیں، بائبل کا انتہائی زمانہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثتِ مبارکہ تک تھا، اُس کے بعد بائبل منسوخ ہو چکی ہے۔ آج اس پر عمل کرنا سوائے جہالت اور ہٹ دھرمی کے کچھ بھی نہیں۔ (۲) موجودہ بائبل مکمل طور پر وہ بائبل ہی نہیں جو مختلف ادوار میں تورات، زبور، انجیل اور دیگر صحائف کی شکل میں نازل کی گئی تھی، اس میں شدید ترین تحریفات کے ساتھ اپنی تصنیفات بھی شامل ہیں جیسے یوحنا کی انجیل، لوقا کی انجیل، متی کی انجیل وغیرہم۔ ۱۲

[2] یہ اس لیے کہ قرآن پاک قطعًا غیر محرف ہے اور اس کا دور قیامت تک ہے ۱۲۔

[3] نزولِ قرآن کا زمانہ ۱۲۔

[4] شاہ داگوبرٹ یا ڈگوبرٹ اوّل ۶۲۹ء سے ۶۳۹ء تک فرانس پر حکمران رہا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہم عصر تھا۔ ۱۲

تولیدِ انسانی کی ابتدائی حالت

(ا) خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ (پ۱۴) اُس (اللہ تعالیٰ) نے انسان کو ایک نتھری بوند (منی) سے پیدا کیا۔

اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی (پ۲۹) کیا وہ (انسان) منی کی ایک بوند نہ تھا کہ جس کو ٹپکایا جاتے (رحم میں)

ان آیاتِ مقدسہ میں انسان کی بالکل ابتدائی حالت کو محض پانی کی ایک بوند فرمایا گیا۔

(ب) اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ (پ۲۹) تحقیق ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفہ (بوند) سے پیدا فرمایا۔

اس آیۂ مبارکہ میں یہ واضح فرمایا گیا، وہ پانی مختلف اجزائے ترکیبی کا مرکب[1] ہوتا ہے۔ اور یہ وہ حقیقت ہے کہ جس سے سائنس دان قطعاً ناآشنا تھے۔ ۱۷ویں صدی عیسوی کے آخر میں خورد بین ایجاد ہوئی اور اٹھارہویں صدی کے اوائل میں یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ ؛ "انسانی بچّہ کی تولید جنین کے خلیوں کی نشوونما اور ان کے باہمی امتیاز کا نتیجہ ہوتی ہے۔" (مقالہ ڈاکٹر کیتھ ایل مور (کنیڈا) ترجمہ عمیتوتل لوتھر راتق)

جبکہ قرآن پاک نے اس سے تقریباً گیارہ سو سال قبل اس حقیقت کو آشکارا فرما دیا تھا۔ آیۂ مذکورہ بالا کی دوسری تشریح یہ بھی ہے کہ "انسان کو ماں باپ (دونوں) کے (مخلوط) نطفہ سے پیدا فرمایا گیا۔" ۱۷ویں صدی عیسوی میں سائنس دانوں کے مختلف خیال تھے۔ ایک گروہ کا نظریہ تھا کہ "مادۂ تولید (مرد کے نطفہ) میں منقش انسان کا چھوٹا سا عکس ہوتا جو مادۂ تولید کے اندر ہی بڑھتا رہتا ہے، جبکہ دوسرے گروہ کا دعویٰ تھا کہ انسان کا عکس (عورت کے) بیضہ

---

[1] طبِ جدید کے مطابق نطفہ ان غدود سے نکلنے والے مادہ کا مرکب ہوتا ہے: (۱) خصیتے (۲) حوصلہ منویہ (۳) غدہ مثانہ (۴) دائرۂ بول کے ملحقہ غدود۔ ۱۲

میں ہوتا ہے جو نطفہ یا مادہ تولید میں بڑھتا ہے۔ اٹھارہویں صدی میں (سائنس دان) سپالنزنی نے تجربے سے ثابت کیا کہ جنین کی نشوونما میں مرد و عورت ہر دو کے جنین کا کردار انتہائی ضروری ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مادہ تولید ہی باعث تولید ہے (مذکورہ بالا مقالہ) اور قرآن پاک نے اس تحقیق سے گیارہ سو سال پہلے ہی فرما دیا تھا کہ اصل حقیقت کیا ہے۔

(ج) ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۞ ۳۲ — پھر اس (انسان) کی نسل رکھی۔ ایک بے قدر (حقیر) پانی کے خلاصہ (جوہر) سے۔

اس آیہ مبارکہ میں اشارہ فرمایا گیا کہ انسان اس حقیر پانی کی پوری بوند سے نہیں بلکہ اس کے جوہر اور خلاصہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس حقیقت کا پتہ سائنس دانوں کو تب چلا جب انتہائی طاقتور خوردبین ایجاد ہو گئی۔ اُس وقت انہوں نے دیکھا کہ ایک قطرہ مادہ منویہ میں کروڑوں کے حساب سے کرم منی ہوتے ہیں، مگر ان میں سے صرف ایک ہی خلیہ بیضہ دان تک پہنچتا ہے (سبحان اللہ تعالیٰ صداقتِ قرآن اظہر من الشمس ہے۔)

تخلیقِ انسانی کے دوسرے مراحل

(ا) وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۞ ۲۲ — اور پھر ہم ٹھہرائے رکھتے ہیں جسے چاہیں ماں کے پیٹ میں ایک خاص مدت تک۔

(ب) ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۞ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ — پھر ہم نے اس کو (انسان کو) پانی کی ایک بوند کیا۔ ایک مضبوط (محفوظ) مقام (رحم مادر) میں ٹھہرایا۔ پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو ایک لوتھڑا (سا) بنا دیا۔ پھر ہم نے اس لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنا دیا۔ پھر ہم نے اس گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں بنا دیا۔ پھر ہم نے

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ؕ ۲۳-۱۲-۱۴
ان ہڈیوں پر گوشت پہنایا۔ پھر ہم نے اسے اور صورت میں اٹھان دی (یعنی روح ڈالی اور پیدا فرمایا) تو اللہ تعالیٰ جل شانہ، بڑی برکت والا ہے سب سے بہتر پیدا فرمانے والا ہے۔

یعنی ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ وہ پانی (جس کا اوپر ذکر ہوچکا ہے) رحمِ مادر میں نشوونما پاتا ہے۔ سبحان اللہ تعالیٰ! تخلیقِ انسانی کو کس قدر بہترین انداز میں مرحلہ وار بیان فرما دیا گیا اور بڑے واضح اور بلیغ طریقہ سے اس حقیقت سے پردہ اٹھا دیا کہ جنین کی رحمِ مادر میں کیا کیا صورتیں اور شکلیں ہوتی ہیں۔ اسی چیز کو دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا۔

فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا۔

پس ہم نے تمہیں پیدا فرمایا مٹی سے، پھر پانی کی بوند سے، پھر لوتھڑے سے پھر گوشت کی بوٹی سے شکل و شباہت والی بھی بے شکل بھی، اس لیے کہ ہم تمہارے لیے (اپنی نشانیاں) ظاہر فرمائیں اور ہم تمہیں ٹھہرائے رکھتے ہیں، تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں جسے چاہیں ایک مقررہ میعاد تک پھر تمہیں نکالتے ہیں (بصورتِ) بچہ۔

قرآن مجید نے انسانی تخلیق کے جو مراحل بیان فرمائے، ان کے متعلق پروفیسر ڈاکٹر کیتھ ایل مور ماہرِ مطالعۂ جنسیات ٹرانٹو (کنیڈا) تحریر کرتے ہیں:

"جب ۱۷ صدی عیسوی میں خورد بین ایجاد ہوگئی تو سادہ عدسہ کے ذریعے مرغی کے چوزوں کو دیکھنے کے بعد ان کی تخلیق کے ابتدائی مراحل کی توضیحات بیان کی گئیں۔ ۱۹۴۰ء کی دہائی تک انسانی جنین کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی تھی اور اس کے بعد جنین کے بارے میں اب جو مراحل بیان کیے جاتے ہیں، چند سال قبل تک عالمی سطح پر ان کو بھی تسلیم

نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ قرآن (پ ۲۳) میں جنین کے سلسلہ میں جن ظلماتِ ثلاثہ کا ذکر کیا گیا ہے، ان کی تشریح کی جائے، ان میں ماں کے پیٹ کی دیوار، رحم کی دیوار اور جھلی کی دیوار شامل ہے۔ یہ تین دیواریں جنہیں قرآن نے ظلماتِ ثلاثہ کہا ہے جنین کو چوٹ سے محفوظ رکھتی ہیں۔" (جمعہ میگزین روزنامہ جنگ ۹/۸۵ء)

اندازہ فرمائیے کہ قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے کی دلیل ایک عقلمند کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ بیسویں صدی عیسوی تک جن اشیاء کا انسان کو علم نہ ہو سکا وہ قرآن پاک نے ساتویں صدی عیسوی میں بتا دیا۔

کنیڈا کے نامور ڈاکٹر کی حیرانی

مذکورہ مقالہ نگار جناب "ڈاکٹر کیتھ ایل مور" کے متعلق اخبارات کی یہ خبریں انتہائی اہمیت کی حامل ہیں: (۱)" اوٹاوہ (اپ پ) یونیورسٹی آف ٹورنٹو کے اناٹومی کے شعبہ کے چیئرمین ڈاکٹر کیتھ ایل مور نے کہا ہے کہ قرآن پاک نے انسانی جنین کی نشو و نما کے تمام مراحل ۱۴۰۰ سال قبل صحیح صحیح بتا دیئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مغربی ماہرین کو انسانی ارتقاء کے بارے میں جو کچھ صرف پندرہ سال قبل معلوم ہوا ہے، وہ کچھ ساتویں صدی عیسوی میں قرآن پاک میں سائنس کے اصولوں کے عین مطابق صحیح صحیح دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ڈاکٹر مور نے جنین کے بارہ میں دو کتابیں لکھی ہیں اور انہوں نے قرآن پاک کی ان آیاتِ مقدسہ کا بھی مطالعہ کیا جو انسانی جنین کے ارتقاء سے تعلق رکھتی ہیں۔ انہوں نے بعد میں تورات اور انجیل کا بھی مطالعہ کیا ہے، لیکن ان کا قرآن پاک کی متعلقہ آیات سے کوئی موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ ڈاکٹر مور نے جدہ میں شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی میں مطالعہ کیا اور انہوں نے انہیں (آیاتِ قرآنیہ) کو درست پایا ہے۔ ڈاکٹر مور نے جو کہ یونائٹڈ چرچ کے رکن ہیں، مزید کہا ہے کہ قرآنی آیات اور رسولِ اکرم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے فرمودات سے سائنس اور مذہب کے درمیان وہ خلا پُر کرنے میں مدد

ملے گی جو برسوں سے چلا آرہا ہے' ان کا بیان کنیڈا کے کم و بیش سبھی اخبارات نے شائع کیا ہے
(روزنامہ جنگ، لاہور۔ ۲۲ر دسمبر ۱۹۸۴ء)

جنوری ۱۹۸۵ء میں ایک اور خبر شائع ہوئی جس میں کنیڈا کے دو اخبارات "گلوب اینڈ میل" اور "سڈیدی سٹار" میں شائع شدہ ڈاکٹر مور کے ایک انٹرویو کے حوالہ سے بتایا گیا،

"ڈاکٹر مور نے بتایا کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے پیش رو ڈاکٹر مور بھی ان کے ساتھ اس مطالعہ (قرآنی) میں شامل تھے۔ ڈاکٹر مور نے کہا کہ جنین کی پہلے ۲۸ دنوں کی ترقی قرآنی تفاصیل میں اس قدر صحیح تصویر کشی کی گئی ہے کہ وہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ڈاکٹر مور نے کہا کہ انہیں یقین ہے کہ قرآنی آیات اور احادیث نبویہ (صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ) سائنس اور مذہب میں حائل خلیج کو دور کرنے میں مدد دیں گی۔ ڈاکٹر مور نے کہا کہ انہوں نے بائبل کا نیا اور پرانا عہد نامہ پڑھا ہے، لیکن انہیں کوئی حصہ قرآنی آیات کا ہم پلہ نہیں ملا۔"

(روزنامہ جنگ لاہور ۹ر جنوری ۱۹۸۵ء)

ڈاکٹر مور کی یہ گواہی کہ بائبل کا کوئی بھی حصہ قرآنی آیات کا ہم پلہ نہیں اور اخبار قرآنی سو فی صد صحیح ہیں۔ صداقت قرآنی کی بین دلیل ہیں۔ ڈاکٹر مور صاحب مسیحی برادری میں کیا مقام رکھتے ہیں؟ اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوتا ہے:۔

پاکستان کے پادری عمینوئل لوتھر راتق کا اعتراف

پاکستان کے معروف مسیحی دانشور "عمینوئل لوتھر راتق" کہ جنہوں نے جناب ڈاکٹر کیتھ ایل مور کے انگریزی مقالہ کا اردو ترجمہ و تلخیص اخبارات میں شائع کروائی، وہ ڈاکٹر مور صاحب کا تعارف اور اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں،

"کیتھ ایل مور ماہر مطالعہ جنینیات ٹرانٹو (کینیڈا) یونیورسٹی میں علم الابدان کے پروفیسر اور فیکلٹی آف میڈیسن کے شعبہ کے چیئرمین ہیں۔ ڈاکٹر کیتھ ایل مور نے جنینیات کے موضوع پر

دو شہرہ آفاق کتابیں بھی تصنیف کی ہیں جو کہ یونیورسٹی کے علم الابدان کے درسی نصاب میں شامل ہیں۔ وہ ایک راسخ الاعتقاد مسیحی، ایک پادری کے فرزند اور متحدہ مسیحی کلیسا کے رکن بھی ہیں۔ انہوں نے جنین کے بارے میں اپنی حالیہ تحقیق سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آج سے تقریباً چودہ سو برس پہلے قرآن مجید نے اس ضمن میں جو تصریحات اور نکات بیان کیے تھے، وہ جدید سائنسی انکشافات سے حرف بحرف مطابقت رکھتے ہیں۔ پہلے ٹسٹ ٹیوب بے بی کی ولادت کے مختلف مراحل کی نگرانی کرنے والے ایک ماہر ڈاکٹر رابرٹ ایڈورڈز نے بھی کیتھ ایل مور کی تحقیقات کو مستند تسلیم کیا ہے۔ اگرچہ کیتھ ایل مور نے اپنی علمی تحقیق کی اشاعت کے بارہ میں یہ وضاحت کر دی ہے کہ اس سے ان کی غرض ہرگز یہ نہیں کہ وہ اپنے آبائی مذہب مسیحیت سے مطمئن نہیں۔ تاہم اہل اسلام کے لیے یہ امر بلاشبہ باعثِ فخر و انبساط ہے کہ ان کی مذہبی کتاب قرآن مجید میں جنین کے بارے میں جو کچھ مندرج ہے اور یہ دفتینؑ اپنے اندر جو ابدی حقائق سموئے ہوئے ہے، انہیں اہل علم و سائنس بھی حرف بحرف صحیح اور درست تسلیم کرتے ہیں۔ کیتھ ایل مور نے تصریح کی ہے کہ ان کی تحقیق و اشاعت کا مدعا اہلِ تحقیق پر یہ ثابت کرنا ہے کہ مذہب اور سائنس میں ہرگز تخالف یا تضاد موجود نہیں۔ ۔ ۔ الخ"

(جمعہ میگزین، روزنامہ جنگ، لاہور ۶ تا ۱۲ ستمبر ۱۹۸۵ء صـ ۱۸)

ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ اس بیان کے مطابق نہ صرف ڈاکٹر مور، بلکہ ڈاکٹر "رابرٹ ایڈورڈز" اور خود لوتھر راتی صاحب بھی حقائق قرآنی کو مستند تسلیم کرتے ہیں اور خود اقرار کرتے ہیں کہ "اس میں جو ابدی حقائق سموئے ہوئے ہیں، انہیں اہل علم و سائنس بھی حرف بحرف صحیح اور درست تسلیم کرتے ہیں۔"

لہ یہ لفظ میگزین میں اسی طرح درج ہو سکتا ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہو ہمارے نزدیک یہاں لفظ "قرآن" یا (آیتیں) آیات ہونا چاہیے۔ ۱۲

مندرجہ بالا بیان میں "لوتھر راتق" نے جو یہ ثابت کیا کہ ڈاکٹر مور صاحب اپنے آبائی مسیحیت سے مطمئن ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم "عمینوئیل لوتھر راتق" صاحب کی توجہ اخبار کی اس خبر کی جانب مبذول کراتے ہیں کہ جس میں "ڈاکٹر جون ایلیسن اور ڈاکٹر کیتھ مور دونوں کا ذکر ہے۔

نامور مسیحی ڈاکٹر کا قبولِ اسلام

کراچی (نامہ نگار سے) ماہر جنسیات ڈاکٹر جون ایلیسن نے تخلیق انسانی کے متعلق قرآنی آیات سن کر اسلام قبول کر لیا ہے۔ جدہ میں شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی کے شاہ فہد سنٹر کے فزیشن ڈاکٹر محمد علی بصر نے بتایا کہ ڈاکٹر کیتھ مور نے جب قرآنِ حکیم کی وہ آیات سنیں جن میں تخلیق انسانی کا ذکر ہے تو انہوں نے پوچھا کہ یہ کس کی تصنیف ہے؟ جب انہیں بتایا گیا کہ یہ چودہ سو سال قبل نازل ہونے والی قرآنی آیات ہیں، تو انہوں نے اُن کی حقانیت کو تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ یہ الہامی آیات ہی ہو سکتی ہیں، کیونکہ چودہ سو سال قبل کوئی انسان یہ معلوم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔" (روزنامہ جنگ، لاہور ۲۳ دسمبر ۱۹۸۵ء)

اب ہم پورے خلوص کے ساتھ عمینوئیل لوتھر راتق صاحب سے گزارش کرتے ہیں کہ غور فرمائیں جب وہ خود قرآن کو ایک "ابدی حقیقت" خیال کرتے ہیں اور جناب ڈاکٹر مور بھی یہ کہتے ہیں کہ یہ الہامی کتاب ہے۔ ڈاکٹر جون ایلیسن نے متاثر ہو کر اسلام قبول کر بھی لیا ہے تو آپ کو وہ کونسی شے مانع ہے کہ جو آپ قبولِ اسلام کر کے مسلمانوں کے ساتھ اس "فخر انبساط" میں حصے دار نہیں بنتے، جبکہ آپ اور دوسرے تمام مسیحی حضرات اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ نزولِ انجیل کے بعد جو یہودی بھی انجیل اور حضرت مسیح علیہ السلام کا منکر ہوا، وہ بے دین اور جہنمی ٹھہرا، تو پھر جو شخص انجیل مقدس کے بعد نازل ہونے والی کتاب قرآن پاک اور صاحبِ کتاب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لاتا وہ کون ہوگا؟

اسلام کی حقانیت و صداقت سے متاثر ہو کر کسی دانشور کے اسلام قبول کرنے کا کوئی یہ پہلا واقعہ نہیں ہے، بلکہ جس کسی بھی غیر مسلم نے اسلام قبول کیا ہے۔ اسلام سے متاثر ہو کر

ہی کیا اور آج بھی دنیا کے اندر روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں خوش نصیب اس شرف سے مشرف ہو رہے ہیں۔ مگر مذکورہ بالا مشاہدہ کی طرح کے چونکا دینے والے واقعات کبھی کبھی ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ لہ

صداقتِ اسلام کی ایک اور تابناک شہادت

۱۲ر جنوری ۱۹۷۸ء کو روزنامہ نوائے وقت لاہور میں یہ خبر شائع ہوئی:

"کراچی، ۲۰ر جنوری (ج۔ک) یہاں پہنچنے والی ایک اطلاع کے مطابق مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلہ میں کی جانے والی کھدائی کے دوران آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدِ گرامی حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کا جسدِ مبارک کہ جس کو دفن ہوتے چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، بالکل صحیح و سالم حالت میں برآمد ہوا۔ علاوہ ازیں صحابیِ رسول حضرت مالک بن سونانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر چھ صحابہ کرام کے جسدِ مبارک بھی اصلی حالت میں پائے گئے، جنہیں جنت البقیع میں نہایت عزت و احترام کے ساتھ دفنا دیا گیا۔ جن لوگوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا، اُن کا کہنا ہے کہ مذکورہ صحابہ کے جسم نہایت تر و تازہ اور اصلی حالت میں تھے۔"

لہ بادشاہی مسجد لاہور میں تبرکاتِ مقدسہ کی گیلری میں قرآن پاک کا ایک نسخہ بھی رکھا ہوا ہے۔ جس کے ساتھ یہ بھی تحریر ہے: ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران پاکستان کا ایک ٹرک اسلحہ لے کر محاذِ جنگ پر جا رہا تھا کہ حملہ کی زد میں آ گیا اور ٹرک میں آگ لگ گئی اور سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا۔ اس کے بعد ایک سکھ آفیسر کا ادھر سے گزر ہوا، اُس نے ٹرک کا معائنہ کیا تو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ٹرک کی تمام اشیا جل جانے کے باوجود دو کتابیں آگ لگنے سے مکمل طور پر محفوظ تھیں، اُس نے اٹھا کر دیکھا تو وہ دونوں قرآن پاک تھے ایک ترجمہ والا اور دوسرا بغیر ترجمے کے۔ اُس نے ترجمے والا اپنے پڑھنے کے لیے رکھ لیا اور دوسرا ایک مسلمان افسر کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے اور آگ سے محفوظ رہی۔ یہ وہی قرآن پاک ہے جو اس ٹرک سے برآمد ہوا تھا۔ (مؤلف کتاب عفی عنہ نے کئی بار اُس کی زیارت کی ہے، و للہ الحمد) ۱۲

تیرہ ۱۳۰۰ سو سال بعد لاشوں کی برآمد

مذکورہ بالا خبر کی اشاعت کے بعد روزنامہ نوائے وقت

لاہور کی ۲۵ جنوری ۱۹۷۸ء کی اشاعت اور روزنامہ جنگ لاہور کی ۷ فروری ۱۹۸۳ء کی اشاعت میں اس موضوع پر دو مضمون شائع ہوئے، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

"جب پہلی جنگِ عظیم کے بعد عراق میں انگریزوں نے بادشاہت کی طرح ڈالی اور شریفِ مکہ کے ایک صاحبزادے شاہ فیصل اوّل کو تاج پہنایا تو ۱۹۳۲ء کی ایک شب صحابیٔ رسول حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کہ جن کا مزارِ مقدس دریائے دجلہ کے قریب تھا) نے بادشاہ سے خواب میں کہا کہ میرے مزار اور حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے مزار (جو کہ ان کے قریب ہی تھا) میں نمی آنا شروع ہو گئی ہے، لہٰذا ہم دونوں کو یہاں سے منتقل کرکے دریائے دجلہ سے ذرا فاصلہ پر دفن کر دیا جائے۔ بادشاہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے دن کو یہ خواب بھول گیا۔ دوسری شب پھر وہی فرمایا گیا مگر بادشاہ پھر بھول گیا۔ تیسری شب عراق کے مفتیٔ اعظم کو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہی کچھ فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ "ہم دو راتوں سے بادشاہ کو کہہ رہے ہیں، مگر وہ اپنی مصروفیت کی وجہ سے بھول جاتا ہے۔ آپ بادشاہ سے کہیے کہ وہ ہم کو دوسری جگہ منتقل کروائے۔ مفتیٔ اعظم نے اس وقت کے وزیرِ اعظم نوری السعید پاشا سے فون پر بات کی۔ پھر تفصیلی ملاقات کر کے انہیں تمام حالات سے آگاہ کیا۔ نوری السعید پاشا مفتی صاحب کو لے کر بادشاہ کے پاس گئے ــــــــ واقعہ سننے کے بعد بادشاہ نے کہا کہ ہاں یہ خواب میں بھی تین بار دیکھ چکا ہوں۔ غرض اس موضوع پر کافی بات چیت ہوئی اور مفتیٔ اعظم نے صحابۂ کرام کے حکم پر عمل کرنے پر زور دیا، لیکن بادشاہ نے کہا کہ پہلے احتیاطاً تحقیق کر لی جائے کہ پانی ادھر رستا بھی ہے یا نہیں، چنانچہ بادشاہ کے حکم سے عراق کے محکمۂ تعمیرات کے چیف انجینئر اور عملے نے مزاراتِ مقدسہ سے دریا کے رُخ پر ۲۰ فٹ کے فاصلے پر بورنگ کروائی۔

مفتیِ اعظم بھی وہاں موجود رہے۔ پورے دن کی تگ و دَو کے بعد شام کو یہ رپورٹ دی گئی کہ پانی تو در کنار کافی نیچے سے جو مٹی نکلی ہے، اس میں نمی تک نہیں۔ اسی رات حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بادشاہ کے خواب میں پھر تشریف لائے اور وہی بات دہرائی، لیکن بادشاہ نے چونکہ ماہرینِ اراضی کی رپورٹ دیکھ لی تھی، اس لیے خواب کو نظرانداز کر دیا۔ اگلی رات حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مفتیِ اعظم عراق کی خواب میں تشریف لائے اور سختی سے فرمایا: "ہمارے مزارات میں پانی گھستا چلا آرہا ہے، لہٰذا ہمیں جلد از جلد یہاں سے منتقل کروا دیں۔" صبح مفتیِ اعظم گھبرائے ہوئے بادشاہ کے پاس پہنچے اور تمام واقعہ بیان کیا۔

بادشاہ کچھ ناراضگی اور جھنجھلاہٹ کے عالم میں کہنے لگا کہ مفتی صاحب آپ ماہرینِ اراضی کی رپورٹ دیکھ چکے ہیں خود بھی موقع پر آپ موجود رہے۔ پھر کیوں مجھے بھی پریشان کرتے ہیں اور خود بھی پریشان ہوتے ہیں۔ مفتیِ اعظم نے کہا کہ پھر بھی مجھے اور آپ کو برابر حکم دیا جا رہا ہے لہٰذا آپ مزارات کھلوا دیجئے اور انہیں دوسری جگہ منتقل کروا دیجئے۔ بادشاہ بولا: "اچھا تو پھر فتویٰ دے دیجئے۔" چنانچہ مفتی صاحب نے فتویٰ دے دیا۔ یہ فتویٰ اور شاہِ عراق کا یہ فرمان کہ "عید الاضحیٰ کے دن بعد از نمازِ ظہر حضرت حذیفہ بن الیمان اور حضرت جابر بن عبد اللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے مزارات کھولے جائیں گے۔" اخبارات میں شائع کروا دیا گیا۔ اس فتویٰ اور فرمان کا شائع ہونا تھا کہ تمام عالمِ اسلام میں جوش و خروش اور ہلچل پھیل گئی۔ رائٹرز نیوز ایجنسی اور دنیا کی دیگر نیوز ایجنسیوں کے ذریعے یہ خبر تمام دنیا میں پھیل گئی۔ یہ حج کا زمانہ تھا اور دُنیا کے کونے کونے سے مسلمان مکہ معظمہ آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے مزاراتِ صحابۂ کرام عید الاضحیٰ کے کچھ دنوں بعد کھولنے کی درخواست کی تاکہ وہ بھی شریک ہو سکیں۔ شاہِ عراق کے لیے یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا کہ ایک طرف عالمِ اسلام کا اصرار اور دوسری طرف صحابۂ کرام کی طرف سے جلد منتقلی کی ہدایات۔ بالآخر کچھ انتظامات کے بعد عید الاضحیٰ کے دس دن بعد کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ مقررہ تاریخ تک مدائن (سلمان پارک) میں تقریباً پانچ لاکھ افراد جمع ہو گئے۔ اس میں ہر فرقہ اور

ہر عقیدہ و مذہب کے لوگ شامل تھے۔ کئی ملکوں سے سرکاری وفود آئے۔ ترکی کے کمال اتاترک کی نمائندگی ان کے وزیر مختار نے کی۔ مصر کے ولی عہد شاہ فاروق بھی شریک ہوئے۔ آخر خدا خدا کر کے وہ دن بھی آ گیا جس نے لوگوں کے دلوں میں ہلچل مچا رکھی تھی۔ یہ پیر کا دن تھا۔ عراق کے شاہ فیصل اوّل، مفتیٔ اعظم، عراق کی پارلیمنٹ کے تمام ارکان اسلامی ممالک کے نمائندوں اور دیگر لاکھوں افراد کی موجودگی میں مزاراتِ پُرانوار کو کھولا گیا تو واقعتاً حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار شریف میں پانی آچکا تھا اور نمی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک تک پہنچ چکی تھی۔ ایک کرین کے ذریعے کہ جس پر مخصوص طریقے سے ایک سٹریچر پاکس دیا گیا تھا۔ اس انداز سے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسدِ انور کو اٹھایا گیا کہ لاشِ مقدسہ خود بخود نصب شدہ سٹریچر پر آ گئی۔ سٹریچر کرین سے علیحدہ کیا گیا اور شاہِ عراق، مفتیٔ اعظم، شاہ فاروق اور وزیر مختار نے کندھا دیا اور بہت احتیاط و احترام کے ساتھ شیشے کے ایک بکس میں رکھ دیا گیا۔ اسی طرح سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعشِ مبارکہ کو قبر سے نکالا گیا۔ نعش ہائے مبارکہ کا کفن حتیٰ کہ ریش ہائے مبارکہ کے بال بھی بالکل صحیح حالت میں تھے۔ ان کو دیکھ کر کوئی بھی سوچ سکتا تھا کہ یہ تیرہ سو سال پہلے کی نعشیں ہیں، بلکہ گمان ہوتا تھا کہ ان کو رحلت فرمائے ابھی بمشکل دو تین گھنٹے ہوئے ہیں، اور انتہائی حیرت انگیز بات یہ کہ دونوں صحابہ کرام کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں ایک عجب پُراسرار چمک تھی۔ دیکھنے والا اس چمک کی تاب نہ لا سکتا تھا (بھلا وہ تاب لا بھی کیسے سکتا کہ ان آنکھوں نے تو سرورِ عالم خواجۂ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رُخِ پُرانوار کی زیارت کی تھی، سُبحان اللہ تعالیٰ اُن آنکھوں کا کیا کہنا؟)

جرمن ڈاکٹر کا قبول اسلام

ایک شہرت یافتہ جرمن ماہرِ چشم نے جو یہ منظر دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا جیسے اُسے سکتہ ہو گیا ہو۔ پھر وہ بے اختیار ہو کر یکایک آگے بڑھا اور مفتیٔ اعظم کا ہاتھ پکڑ کر بولا "مفتی صاحب اسلام

کی حقانیت اور صحابہ کرام کی بزرگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔" یہ کہتا ہوا وہ اُسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

دونوں صحابہ کرام کی مبارک نعشیں شیشے کے بکسوں میں رکھی ہوئی تھیں اور رونمائی کے لیے کفن مبارک چہروں سے ہٹا دیا گیا تھا۔ عراقی فوجیوں نے باقاعدہ سلامی دی اور توپوں سے بھی سلامی دی گئی۔ مجمع نے نماز جنازہ پڑھی اور یہ تمام کارروائی ۲۰×۳۰ فٹ کی سکرین پر بذریعہ ٹیلی ویژن کیمرہ دکھائی گئی، جس کی وجہ سے تقریباً پانچ لاکھ افراد نے بڑے سکون سے تمام کارروائی دیکھی، ورنہ شاید ہزاروں افراد زیارت کے شوق میں دھکم پیل اور بڑلونگ سے کچل کر مر جاتے۔ اس کے بعد صحابہ کرام کے جنازوں کو پورے ادب و احترام کے ساتھ سلمان پارک کی طرف لے جانا شروع کیا گیا۔ راستے میں ہوائی جہازوں نے غوطے لگا لگا کر سلامی دی اور پھول برساتے۔ اس طرح تقریباً چار گھنٹے میں یہ مبارک جنازے سلمان پارک حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار شریف کے پاس پہنچے۔ یہاں اعلیٰ فوجی حکام نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ سفیروں نے پھول نچھاور کیے اور انہیں افراد نے کہ جنہوں نے لاشوں کو کرین سے اتارا تھا، پورے ادب و احترام کے ساتھ قبروں میں جو کہ پہلے سے ہی تیار تھیں، رکھا اور اسی طرح توپوں کی گرج، فوجی بینڈوں کی گونج اور اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں کے درمیان ان صحابہ کرام کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ اس موقع پر اور اس واقعہ کو دیکھ کر اتنے لوگ اللہ تعالیٰ اور دینِ اسلام کی حقانیت پر ایمان لائے کہ اندازہ لگانا مشکل تھا۔ اگلے دن بغداد کے سینما گھروں میں اس واقعہ کی پوری فلم دکھائی گئی۔[1]

---

[1] اب ۱۹۸۶ء ہے۔ امید ہے کہ اس واقعے کی فلم آج بھی حکومتِ عراق کے پاس ہو گی۔ ۱۲

قرآن پاک کے سراپا معجزہ ہونے کی ایک اور عظیم الشّان دلیل

کمپیوٹر اور قرآنِ کریم جیسا کہ قبل ازیں یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سوا باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات ایک مخصوص زمانے تک محدود رہے، جبکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ قرآن پاک قیامت تک کے لیے اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے اور معاندین کو آج بھی یہ چیلنج دیتا ہے کہ اگر تمہیں اس کے منزل من اللہ ہونے میں شک ہے تو، فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ٥ (ترجمہ) (اے منکرینِ قرآن) لاؤ تم ایک بھی ایسی سورۃ بنا لاؤ اور بلا لو اپنے تمام مددگاروں کو (یعنی تمام جنّ و انس جمع ہو جاؤ) اگر تم سچے ہو۔ اس چیلنج کا جواب دینے سے دنیا پہلے بھی عاجز تھی، آج بھی عاجز ہے اور آئندہ بھی عاجز رہے گی۔ اس جگہ موجودہ دور کی ایک عظیم اور مفید ترین ایجاد کمپیوٹر کے ذریعے ظاہر ہونے والے قرآن پاک کے ایک ایسے منفرد اور بے مثال معجزے کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ جو آج تک دنیا والوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہا۔ اس انکشاف و تحقیق کا سہرا ایک مصری محقق جناب رشاد خلیفہ صاحب[1] کے سر ہے۔ انہوں نے اسے ۱۹۷۶ء میں کمپیوٹر کے گھر یعنی امریکہ میں دریافت فرمایا۔ یہ محیرالعقول معجزہ جدید دور کے جدید علوم رکھنے والے دانشور حضرات کے لیے ایک منارۂ نور ہے — اور پروردگارِ عالم جل شانہٗ کے اس ارشادِ گرامی کا بیّن ثبوت ہے:

---

[1] روزنامہ "مشرق" مورخہ ۹ اگست ۸۰ ۱۹ء — خیال رہے کہ علامہ احمد دیدات نے اپنی کتاب "القرآن دی الٹی میٹ میراکل" میں بھی اس شاندار معجزے کا تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ ۱۲

"عنقریب ہم اُن کو دکھائیں گے، اپنی نشانیاں دُنیا بھر میں اور خود ان کے اپنے نفسوں میں یہاں تک کہ ان پر عیاں ہو جائے گا کہ بیشک یہ قرآن حکیم (اور اسلام) بالکل حق ہے۔" (حٰم السجدہ آیت ۵۳)

قرآن پاک کو ۱۹۷۲ء میں جب کمپیوٹرائز کیا گیا تو یہ عظیم انکشاف ہوا کہ قرآن مجید کے حسابی نظام کی بنیادی اکائی "۱۹" کا ہندسہ ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر پہلی وحی ماہِ رمضان المبارک میں غارِ حرا کے اندر حضرت جبریل امین لے کر آئے۔ پہلی وحی قرآن مجید کی موجودہ ترتیب کے مطابق ۹۶ ویں "سورۃ العلق" کی پہلی پانچ آیاتِ مقدسہ پر مشتمل تھی۔ محبوب کبریا، حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور مرنے کے بعد زندہ ہونے وغیرہ کا ذکر کیا، تو کفارِ مکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف سخت برہم ہو گئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو معاذ اللہ دیوانے اور مجنون کہنے لگے۔ اس پر دوسری وحی آئی اور "سورۃ القلم" نازل ہوئی جس میں کفارِ مکہ کے الزامات کی سختی سے تردید فرمائی گئی اور حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اُسوۂ حسنہ اور عُلوِ مرتبہ کا ذکر فرمایا گیا۔ اس کے بعد جو تیسری وحی نازل ہوئی، وہ "سورۃ مزمل" کی چند ابتدائی آیات پر مشتمل تھی۔ اس وحی کی آخری آیہ مبارکہ یہ تھی، اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۝ (۵)

ترجمہ: "ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل فرمانے والے ہیں۔"

اس وقت تک لوگوں نے آہستہ آہستہ اسلام کی طرف مائل ہونا شروع کر دیا۔ کلامِ الٰہی کا اثر اُن کے دلوں پر ہو رہا تھا۔ اس پر کفارِ مکہ نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) جادوگر کہنا شروع کر دیا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخیاں کرنے لگے۔ قرآن پاک کو اپنی طرف سے گھڑا ہوا کلام کہنے لگے۔ چنانچہ چوتھی وحی قرآن کریم کی ۷۴ ویں سورۃ مدثر کی ابتدائی تیس آیاتِ مبارکہ نازل ہوئیں۔ حضرت جبریل امین سورۃ مدثر کی پہلی سے لے کر تیس تک آیاتِ مقدسہ کی تلاوت فرما کر رک گئے۔ جس آیہ کریمہ پر حضرت جبریل رُک گئے وہ آیہ مبارکہ یہ ہے۔

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (پ ۲۹) "اس پر انیس ہیں۔"

"سورۃ مدثر" کی ۲۴ ویں اور ۲۵ ویں آیاتِ مبارکہ میں کفار کے مکروہ پروپیگنڈے کا ذکر فرمایا گیا جو یہ کہتے تھے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جو کچھ بیان کرتے ہیں، وہ جادو ہے اور یہ قرآن پاک خود ان کی اپنی تصنیف ہے۔ ۲۶ سے لے کر ۲۹ ویں آیہ مبارکہ تک مذکورہ الزام تراشی کرنے والے نا عاقبت اندیش کفار کی اس نازیبا حرکت پر خلاقِ عالم جل شانہٗ نے اپنے غیظ و غضب کا اظہار فرمایا اور ان کا ٹھکانا دوزخ قرار دیا۔ پھر دوزخ کے عذاب کی کیفیت بیان فرمائی اور ساتھ ہی فرما دیا،

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ "اس پر انیس ہیں۔"

حضرت جبریل امین اس آیہ مبارکہ پر رک کر پہلی سورۃ "اقرأ" کی بقیہ چودہ آیات حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو دے گئے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ قرآن مجید کی اس آیہ مبارکہ کہ "اس پر ۱۹ ہیں" کا کیا مطلب ہے؟ اور اس کی کیا ماہیت ہے؟ عموماً مفسرین کرام نے اس سے مراد جہنم کے فرشتے لیے ہیں۔ ظاہراً سیاقِ کلام سے بھی یہی محسوس ہوتا ہے، لیکن خود حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ضمنی طور پر بھی یہ ارشاد فرمایا کہ اس سے صرف دوزخ کے فرشتے ہی مراد لیے جائیں۔ اگر قرآن پاک خود اُن کی اپنی تصنیف ہوتی، تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ضرور اس کی پوری وضاحت فرماتے مگر یوں معلوم ہوتا ہے کہ خلاقِ عالم جل شانہٗ نے شاید اس عقدہ کو کمپیوٹر کے دور کے لیے رکھ چھوڑا تھا۔

آپ قبل ازیں پڑھ چکے ہیں کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر جو پہلی وحی نازل ہوئی، وہ "سورۃ اقرأ" کی ابتدائی پانچ آیاتِ مقدسہ پر مشتمل تھی اور چوتھی وحی سورۃ مدثر کی ایک سے لے کر تیس تک آیاتِ مقدسہ کی صورت میں نازل ہوئی۔ تیس نمبر آیہ مبارکہ یعنی "عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ" تک یہ سورۃ نازل ہوئی۔ اس وحی میں اس سورۃ مبارکہ

کی تکمیل کی بجائے مذکورہ آیۂ مبارکہ کے بعد پہلی سورۃ اقراء کی بقیہ چودہ آیات عطا فرمادی گئیں اس طرح سورۃ اقراء کی ۱۹ آیات مکمل ہو گئیں۔

۱۹ کے ہندسے کی تفصیل لہ

جب ہم اس انیس ۱۹ کے ہندسے کی تفصیل میں جاتے ہیں تو ایسے حیرت انگیز حقائق سامنے آتے ہیں کہ ضمیر انسانی بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ وَاللّٰہِ مَا ھٰذَا کلام البشر یعنی خدا کی قسم یہ انسانی کلام ہی نہیں۔ کچھ تفصیلات ملاحظہ فرمائیے:

(۱) پہلی وحی جو حضور خواجۂ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نازل کی گئی۔ وہ سورۃ اقراء کی پہلی پانچ آیاتِ مقدسہ ہیں، ان آیات کے الفاظ کی تعداد انیس ۱۹ ہے جبکہ ان ۱۹ الفاظ میں حروف کی تعداد ۷۶ ہے جو کہ ۱۹ کو چار سے ضرب دینے کا حاصل یعنی ۱۹ × ۴ = ۷۶

(۲) قرآن پاک میں ۱۱۴ سورتیں ہیں جو کہ ۱۹ کو ۶ سے ضرب دینے کا حاصل ہے یعنی: ۱۹ × ۶ = ۱۱۴

(۳) اگر آپ قرآن پاک کی سورتوں کو آخر سے پیچھے کو گننا شروع کریں یعنی پہلے والناس پھر فلق پھر قل ہو اللہ شریف تو ٹھیک ۱۹ ویں نمبر پر سورۃ اقراء جو کہ پہلی

لہ ۱۹ کے ہندسے میں ایک دہائی اور نو اکائیاں ہیں۔ گنتی میں مکمل اور قدرتی ہندسہ ایک سے کم اور نو سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ دنیا کا کوئی بھی فلاسفر ۹ سے بڑا ایک عدد والا ہندسہ نہیں لا سکتا۔ گویا اس عدد ۱۹ نے ایک سے ۹ تک کے تمام ہندسوں کو اپنے احاطہ میں لے لیا اور ۹ کا ہندسہ ایک ایسا ہندسہ ہے کہ اسے ایک سے لیکر کسی بھی چھوٹے سے بڑے ہندسے سے ضرب دی جائے اور حاصل ضرب کو آپس میں جمع کر کے ایک ہندسہ میں جواب لائیں تو ۹ ہی آئے گا مثلاً ۹ × ۵ = ۴۵ جواب جمع کریں ۵ + ۴ = ۹ لیجیے ۹ × ۱۵۴ = ۱۳۸۶ اب اسے آپس میں جمع کیجیے ۶ + ۸ + ۳ + ۱ = ۱۸، ایک عدد میں جواب لانے کے لیے مزید جمع کیجیے ۸ + ۱ = ۹ اسی طرح کسی بھی مکمل عدد سے ۹ کو ضرب دے کر حاصل ضرب کو مذکورہ بالا طریقے سے جمع کیجیے جواب ۹ ہی آئے گا۔ ۱۲ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وحی سے آتی ہے۔

(۴) قرآن پاک کے آغاز بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھی جاتی ہے۔ بسم اللہ شریف کے حروف کی تعداد بھی اُنّیس ہی ہے اور یہ بات کس قدر حیران کن ہے کہ بسم اللہ شریف میں آنے والے چاروں الفاظ یعنی اسم، اللہ، الرحمن، الرحیم۔ قرآن مجید میں جتنی بار آتے ہیں، وہ ۱۹ پر پورے پورے تقسیم ہو جاتے ہیں، کسی ایک لفظ کی کمی بیشی نہیں مثلاً:

لفظ اِسۡمُ قرآن پاک میں کُل ۱۹ بار آیا۔

لفظ اَللّٰہ ۲۶۹۸ مرتبہ آیا جو کہ ۱۴۲ کو ۱۹ سے ضرب دینے کا حاصل ہے:

(۲۶۹۸ ÷ ۱۹ جواب ۱۴۲)

لفظ اَلرَّحۡمٰنُ ۵۷ مرتبہ آیا جو کہ ۱۹ × ۳ کا حاصل ہے (۵۷ ÷ ۱۹ جواب ۳)

لفظ اَلرَّحِیۡمُ ۱۱۴ مرتبہ آیا جو کہ ۱۹ × ۶ کا حاصل ضرب ہے (۱۱۴ ÷ ۱۹ جواب ۶)

ان الفاظ کا قرآن مجید میں اس قدر نپے تلے انداز میں مرقوم ہونا محض اتفاقی بات نہیں، بلکہ خلاقِ عالم جل شانہٗ کی قدرت کاملہ کی ایک عظیم دلیل اور حقانیت قرآنی کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

(۵) جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید میں سورتوں کی کُل تعداد ۱۱۴ ہے جو کہ ۱۹ × ۶ کا حاصل ضرب ہے اور اسی طرح بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کی تعداد بھی ۱۱۴ ہے۔ بسم اللہ شریف سورۃ النمل میں دو مرتبہ آئی۔ ایک مرتبہ آغاز میں اور ایک مرتبہ متن میں، جبکہ سورۃ التوبہ کے آغاز میں بسم اللہ شریف نہیں آئی۔ کسی بھی معتبر تفسیر یا روایت میں اس کی وضاحت حضور علیہ السلام سے منقول نہیں، ہاں البتہ مفسرین کرام نے اپنے اپنے خیال کا اظہار ضرور فرمایا۔ آخری فیصلہ یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سورۃ کے ابتدا میں نہیں پڑھی اور بس۔

معاندینِ قرآن غور کریں

معاندینِ قرآن غور کریں کہ اگر قرآن پاک حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی تصنیف ہوتی تو ضرور وجہ بیان فرما دیتے، بلکہ یہ پورا مضمون جو کہ ۱۹ کے ہندسہ کے تحت لکھا جا رہا ہے۔ اس میں

لہ: خیال رہے سورۃ مبارکہ کے ابتداء میں لکھی ہوئی بِسۡمِ اللّٰہِ شریف، سورۃ کا جز نہیں — ۱۲ منہ

مندرجہ تمام رازوں سے پردہ اٹھا دیتے اور اُس زمانے کے فضلا۔ و شعراء کو بایں الفاظ چیلنج فرماتے کہ لے دُنیا والو! میری اس لاجواب و بے مثال تصنیف جیسی کوئی تصنیف پیش کرو کہ جس کا پورا احسابی نظام کسی ایک جامع ہندسہ کے تحت ہو" مگر یوں نہیں فرمایا، بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ "اگر تمہیں کتاب کے منزل من اللہ ہونے میں شبہ ہے تو اس کی مثل بنا لاؤ" اور ساتھ ہی یہ خبر بھی دے دی کہ "اگر تمام جن و انس بھی جمع ہو کر کوشش کریں تو بھی اس کی مثل نہ بنا سکیں گے" (۸۸/۱۷) یہ تو سب کچھ فرما دیا، لیکن متن قرآنی کے عجیب و غریب رازوں سے پردہ نہ اٹھایا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اسے کمپیوٹر کے دَور کے لیے رکھ چھوڑا تھا کہ اس انتہائی ترقی یافتہ سائنسی دور میں بھی ترتیبِ قرآنی ایک ہلچل مچا دے۔

سُورۃ التوبہ و سُورۃ النمل

غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ سورۃ النمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا گیا۔ اس میں ملکہ سبا کو لکھے جانے والے خط کا بھی ذکر کیا گیا، جس کی ابتداء حضرت سلیمان علیہ السلام نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ سے کی تھی۔ اس طرح سورۃ النمل میں بسم اللہ شریف دو دفعہ آگئی، چنانچہ سُورۃ التوبہ کے ابتداء میں بسم اللہ شریف نہیں۔ اگر یہاں بھی ہوتی تو بسم اللہ کی تعداد ۱۱۵ ہو جاتی جو کہ ۱۹ پر پوری تقسیم نہ ہوتی۔ لیکن اگر اس سورۃ کو دوسری سُورتوں میں ضم کر دیا جاتا تو سورتوں کی تعداد ۱۱۳ رہ جاتی اور اس طرح ہندسہ بھی ۱۹ پر پورا تقسیم نہ ہوتا۔ گویا ترتیبِ قرآنی اور متنِ قرآنی سب اُس قادرِ مطلق جل شانہ کی قدرت کا عجیب شاہکار ہے۔

حُروفِ مقطعات اور ۱۹ کا ہندسہ

حروفِ مقطعات ان حروف کو کہا جاتا ہے کہ جو حروفِ تہجی مفرد شکل میں قرآن پاک کی بعض سورتوں کے ابتداء میں آگئے۔ یہ قرآن کی ۲۹ سورتوں کے شروع میں آئے۔ مثلاً سورۃ البقرہ شریفہ کے ابتداء میں ہے: "الٓمٓ" ان حروف کا حقیقی معنی و مفہوم

کیا ہے۔ ان مخصوص الفاظ CODE WORD کے حقیقی مفہوم کو یا تو خلاقِ عالم جل شانہٗ جانتا ہے یا پھر اُس کے بتانے سے اُس کے محبوب حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔ لیکن جب ظاہری طور پر بذریعہ کمپیوٹر اس پر غور کیا گیا تو عقلِ انسانی حیران رہ گئی کہ یہ سب اُس پیچیدہ قرآنی نظام کا ایک حصّہ ہیں کہ جس کا ہر حرف اپنی جگہ بے مثال طریقہ سے متعین ہے جیسا کہ قبل ازیں تحریر کیا جا چکا ہے کہ یہ کلامِ الٰہی کی کلیدی آیت بسم اللہ شریف بھی ۱۹ حروف پر مشتمل ہے۔ اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حروفِ مقطعات کا ۱۹ کے ہندسے سے کیا تعلق ہے۔

حروفِ مقطعات کے سیٹ جو کل ۲۹ سورتوں کے ابتداء میں آئے تو ان کی تعداد ۱۴ ہے۔ ملاحظہ ہوں:

(ا) ایک حرفی سیٹ: ص، ق، ن — کُل تعداد: ۳

(ب) دو حرفی سیٹ: طٰہٰ، یٰسٓ، حٰمٓ، طٰسٓ — کُل تعداد: ۴

(ج) تین حرفی سیٹ: الٓمٓ، الٓرٰ، طٰسٓمٓ، عٓسٓقٓ — کُل تعداد: ۴

(د) چار حرفی سیٹ: الٓمٓرٰ، الٓمٓصٓ — کُل تعداد: ۲

(ہ) پانچ حرفی سیٹ: کٓھٰیٰعٓصٓ — کُل تعداد: ۱

جملہ سیٹ: ۱۴

ان حروفِ مقطعات میں جو حروفِ تہجی استعمال ہوئے، وہ یہ ہیں:

(۱) الف (۲) ح (۳) ر (۴) س (۵) ص (۶) ط (۷) ع (۸) ق (۹) ک (۱۰) ل (۱۱) م (۱۲) ن (۱۳) ہ (۱۴) ی — یعنی کل ۱۴ حروفِ تہجی۔ اب حساب لگائیے: جملہ سیٹ ۱۴ + ۱۴ حروف + ۲۹ (جن سورتوں کے ابتدا میں آئے) = ۵۷ اور یہ ۱۹ پر پورا تقسیم ہوتا ہے۔ یعنی: ۵۷ ÷ ۱۹ جواب ۳ — اب مزید تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) پہلے حرف ص کو لیجیے، یہ حرف قرآن پاک میں تین سورتوں کے شروع میں آیا۔

یعنی سورۃ الاعراف میں المٓصٓ کی شکل میں اور سورۃ مریم میں کٓھٰیٰعٓصٓ کی صورت میں اور سورۃ "ص" میں حرفِ واحد کے طور پر ان تینوں سورتوں میں حرف "ص" کی کل تعداد ۱۵۲ ہے جو کہ ۱۹ × ۸ کا جواب ہے (۱۵۲ ÷ ۱۹ = ۸)

ایک اور تعجب خیز بات یہ کہ "سورۃ الاعراف" کی آیۂ مبارکہ ۶۹ میں ایک لفظ "بَصۜطَۃً" آیا ہے۔ عربی زبان میں یہ لفظ حرف "س" کے ساتھ لکھا جاتا ہے، مگر جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہ حکم بھی ہوا کہ اس لفظ کو "ص" کے ساتھ لکھا جائے۔ اس کی کیا وجہ تھی؟؟؟ آج اس حقیقت سے پردہ ہٹا کہ اگر یہاں اس لفظ کو "س" کے ساتھ لکھا جاتا تو اس سورت میں ایک "ص" کم ہو جاتا اور حرف "ص" کی تعداد ۱۵۲ کی بجائے ۱۵۱ رہ جاتی جو ۱۹ سے قابلِ تقسیم نہ ہوتی اور یوں قرآن پاک کا حسابی نظام درہم برہم ہو جاتا۔

(۲) اب صرف "ق" کو لیں، یہ حرف دو سورتوں کے شروع میں آیا ہے ایک سورۃ "ق" میں ایک حرف کی شکل میں اور دوسرے "سورۃ شوریٰ" میں "حٰمٓ عٓسٓقٓ" کی صورت میں۔ ان میں سے ہر سورت میں "ق" ۵۷ بار آیا ہے۔ سورۃ "ق" چھوٹی سی سورت ہے اور "ق" آسانی سے گنے جا سکتے ہیں، جبکہ سورۃ الشوریٰ ایک لمبی سورت مگر "ق" کی تعداد اس میں بھی پوری ۵۷ ہی ہے۔ اس طرح دونوں سورتوں کے حرف "ق" کا مجموعہ ۵۷ + ۵۷ = ۱۱۴ بنتا ہے۔ یہ نہ صرف ۱۹ پہ پورا تقسیم ہوتا ہے بلکہ یہ عدد قرآن پاک کی پوری سورتوں کی تعداد بھی ہے۔ حرف "ق" جو لفظِ قرآن" کا پہلا حرف ہے۔ اگر اسے لفظِ قرآن کا ہم معنیٰ یا مخفف تسلیم کر لیا جائے اور ایسا کرنا ہے بھی بالکل درست ہے تو معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی الوہی تشکیلِ حسابی کے تحت ۱۱۴ سورتوں سے ہوئی نہ کم نہ زیادہ۔

اب سوچیے

اب سوچیے کہ کس نے یہ ترتیب قائم کی کہ "ق" دو سورتوں کے شروع میں آئے گا اور دونوں میں ۵۷، ۵۷ بار ہی آئے گا۔ اور حاصل جمع قرآن پاک کی پوری سورتوں کے عدد کی دلیل ہو گا۔ یقیناً یہ نظام قرآن مجید کے

نزول سے کہیں پہلے سے ہی لوحِ محفوظ پر ترتیب دیا گیا ہوگا اور یہ سارا نظام ہو لئے اس قادرِ مطلق جل شانہ کی قدرت کے کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ پھر یہ راز چودہ ۱۴ سو سال پوشیدہ رہا اور اب اس کا ظہور ہوا۔ پیشتر اس کے کہ ہم مزید آگے بڑھیں۔ ایک اور حیران کُن واقعہ بیان کرنا ضروری ہے کہ عام طور پر قرآن پاک میں ازمنہ قدیم کی قوموں کا ذکر لفظِ قوم سے مذکورہ ہوا، مثلاً قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ موسیٰ، قومِ ثمود، قومِ لوط وغیرہم، مگر سورۃ "ق" کی تیرھویں آیہ مبارکہ میں ارشادِ خداوندی ہے، "وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ"۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر اس کے علاوہ بارہ دفعہ آیا اور ہر بار اُسے قوم لوط کہا گیا اور یہاں اخوانِ لوط خصوصاً کیوں کہا گیا؟ وجہ صاف ظاہر ہے کہ اگر یہاں بھی لفظِ قوم استعمال ہوتا تو ایک قاف بڑھ جاتا اور اس سورت میں حرفِ "ق" کی تعداد بجائے ۵۷ کے ۵۸ ہو جاتی جو کہ ۱۹ پر پوری پوری تقسیم نہ ہوتی۔ اس طرح یہ تمام حسابی نظام تہس نہس ہو جاتا۔ اسی طرح اگر چودہ ۱۴ سو سال کے عرصہ میں ان سورتوں میں ایک "ق" کی بھی کمی بیشی ہو جاتی تو قرآن کریم کا یہ معجزاتی نظام جو کہ اب آشکارا ہوا ہے۔ کسی طرح بھی ظاہر نہ ہوتا۔ اگر ظاہر ہو بھی جاتا تو شک و شبہ کی بنا پر کوئی اسے قبول کرنے کو تیار نہ ہوتا۔ پتہ چلا کہ اس آخری پیغامِ خداوندی کے ایک ایک حرف پر مکمل کنٹرول کیا گیا ہے۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی و تحریف نہ ہوئی ہے اور نہ ہی ہو سکتی ہے۔ یہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہا ہے اور رہے گا۔ وللہ الحمد۔

(۳) اَب حرف "ن" کی طرف آیئے۔ یہ حرف منفرد انداز میں سُورۃ القلم کے شروع میں آیا ہے۔ اس پوری سورت میں حرف "نون" کی ۱۳۳ ہے جو کہ ۱۹×۷ کا حاصل ہے

(۱۳۳ ÷ ۱۹ = ۷)

(۴) اب ان سورتوں کو دیکھیں کہ جن کی ابتداء ایک سے زیادہ حرفوں سے ہوتی ہے، تو ہمیں ایک حیران کُن حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔ ان سورتوں میں ہر حرف اکیلا اکیلا جمع کر کے ۱۹ پر تقسیم کیا جائے، تو پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے اور نہ صرف یہ بلکہ یہ حروف جن جن سُورتوں کے

شروع میں آتے ہیں، ان سورتوں میں اگر ان حروف کی تعداد کو اکٹھا کر کے جمع کریں تو بھی ۱۹ پر پورا پورا تقسیم ہو جائے گا۔ یہ ایک ایسا حسابی نظام ہے کہ جو قدرتِ انسانی سے ماورٰی اور محیر العقول کرشمۂ قدرت ہے۔ مثلاً،

(ا) سُورۃ طٰہٰ میں حروفِ مقطعات ط اور ہ ہیں۔ اس صورت میں "ط" ۲۸ مرتبہ اور "ھ" ۳۱۴ بار آیا۔ ان کا مجموعہ، ۲۸ + ۳۱۴ = ۳۴۲ ہے جو کہ ۱۸×۱۹ کا حاصل ہے (۳۴۲ ÷ ۱۹ جواب ۱۸)

(ب) سورۃ یٰسٓ میں بھی "ی" اور "س" دو حرف ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ میں "ی" کی تعداد ۲۳۷ اور "س" کی تعداد ۴۸ ہے۔ ان کا مجموعہ ۲۳۷ + ۴۸ = ۲۸۵ جو کہ ۱۵ مرتبہ ۱۹ پر تقسیم ہو جاتی ہے۔ (۲۸۵ ÷ ۱۹ جواب ۱۵)

بذریعہ کمپیوٹر ایک اور محیر العقول انکشاف

قرآن مجید کی ۲۹ سُورتوں کی ابتداء میں جو حروفِ مقطعات آئے ہیں۔ یہ حروف جتنی بار ان سُورتوں میں آئے ہیں۔ ان کا مجموعہ ہر حال میں ۱۹ پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے،

(ا) حروفِ مقطعات میں الٓمّٓ مندرجہ ذیل سورتوں کے ابتداء میں آئے،

سُورۃ	ابتدائی حروف	تعداد (ا)	تعداد (ل)	تعداد (م)	ٹوٹل
البقرۃ	الٓمّٓ	۴۵۹۲	۳۲۰۴	۲۱۹۵	۹۹۹۱
آلِ عمران	الٓمّٓ	۲۵۷۸	۱۸۸۵	۱۲۵۱	۵۷۱۴
العنکبوت	الٓمّٓ	۷۸۴	۵۵۴	۳۴۷	۱۶۸۵
الروم	الٓمّٓ	۵۴۵	۳۹۶	۳۱۸	۱۲۵۹

نام سورۃ	ابتدائی حروف	تعداد (ا)	تعداد (ل)	تعداد (م)	ٹوٹل
لقمان	الٓمٓ	۳۴۸	۲۹۸	۱۷۷	۸۲۳
السجدۃ	الٓمٓ	۲۶۸	۱۵۴	۱۵۸	۵۸۰
الرعد	الٓمٓرٰ [۱]	۶۲۵	۴۷۹	۲۶۰	۱۳۶۴
الاعراف	الٓمٓصٓ [۲]	۲۵۷۲	۱۵۲۳	۱۱۶۵	۵۲۶۰
ان سورتوں میں کل الف		۱۲۳۱۲	(ل) ۸۴۹۳	(م) ۵۸۷۱	مجموعی ٹوٹل ۲۲۶۷۶

(ا) ۱۲۳۱۲ ÷ ۱۹ = ۶۴۸ (ل) ۸۴۹۳ ÷ ۱۹ = ۴۴۷

(م) ۵۸۷۱ ÷ ۱۹ = ۳۰۹ (مجموعی ٹوٹل) ۲۲۶۷۶ ÷ ۱۹ = ۱۴۰۴

(۲) حروفِ مقطعات میں سے الٓرٰ مندرجہ ذیل سورتوں کے ابتداء میں آئے۔ یہ بھی ۱۹ پر پورا پورا تقسیم ہو جاتے ہیں:

نام سورۃ	ابتدائی حروف	تعداد (ا)	تعداد (ل)	تعداد (ر)	ٹوٹل
یونس	الٓرٰ	۱۳۵۳	۹۱۲	۲۵۷	۲۵۲۲
ھود	الٓرٰ	۱۴۰۲	۷۸۸	۳۲۴	۲۵۱۴
یوسف	الٓرٰ	۱۳۳۵	۸۱۲	۲۵۸	۲۴۰۵
اِبراھیم	الٓرٰ	۵۹۴	۴۵۲	۱۶۰	۱۲۰۶
الحجر	الٓرٰ	۵۰۳	۳۲۳	۹۹	۹۲۵
الرعد	الٓمٓرٰ [۳]	—	—	۱۳۷	۱۳۷

ٹوٹل (ا) ۵۱۸۷ ۔ ٹوٹل (ل) ۳۲۸۷ + ٹوٹل (ر) ۱۲۳۵ +

مجموعی ٹوٹل ۹۷۰۹

---

[۱] اس میں پہلے حرف ال مر کو شمار کریں اور را کو چھوڑ دیں [۲] اس میں صرف ال م ہی کو شمار کریں، ص کو علیحدہ شمار کیا جائے گا [۳] چونکہ الٓمٓ پہلے گنا جا چکا ہے، اس لیے یہاں شمار نہ کریں اس کا یہ مطلب نہیں کہ ۱۹ پر پورا نہ آئے گا بلکہ پھر بھی پورا ہی ہوگا مثلاً الرعد میں الٓمٓرٰ ۱۳۶۴ + (ر) ۱۳۷ = ۱۵۰۱ ÷ ۱۹ = ۷۹

(ی) ۵۱۸۷ ÷ ۱۹ = ۲۷۳ (ل) ۳۲۸۷ ÷ ۱۹ = ۱۷۳

(س) ۱۲۳۵ ÷ ۱۹ = ۶۵ (مجموعی ٹوٹل) ۹۷۰۹ ÷ ۱۹ = ۵۱۱

(۳) حروفِ مقطعات میں سے حٰمٓ مندرجہ ذیل سورتوں کے شروع میں آتے ہیں۔ یہ بھی ۱۹ پر پورا پورا تقسیم ہو جاتے ہیں۔

نام سورۃ	ابتدائی حروف	تعداد (ح)	تعداد (م)	ٹوٹل
اَلمُؤمِنُ	حٰمٓ	۶۴	۳۸۹	۴۵۳
حٰمٓ اَلسَّجدَۃ	حٰمٓ	۵۸	۲۷۶	۳۳۴
اَلزُّخرُف	حٰمٓ	۴۵	۳۱۷	۳۶۲
اَلدُّخَان	حٰمٓ	۱۶	۱۴۵	۱۶۱
اَلجَاثِیَۃ	حٰمٓ	۳۱	۲۰۰	۲۳۱
اَلشُّوریٰ	حٰمٓ عٓسٓقٓ [۱]	۵۳	۳۰۸	۳۶۱
اَلاَحقَاف	حٰمٓ	۳۷	۲۲۷	۲۶۴
	ٹوٹل	۳۰۴ +	۱۸۶۲ =	۲۱۶۶

(ح) ۳۰۴ ÷ ۱۹ = ۱۶ (م) ۱۸۶۲ ÷ ۱۹ = ۹۸ (مجموعی ٹوٹل) ۲۱۶۶ ÷ ۱۹ = ۱۱۴

(۴) حروف مقطعات میں سے حٰمٓ عٓسٓقٓ والی سورتیں۔

یہ صرف سورۂ الشوریٰ کے ابتدا میں آتے ہیں، ان میں (ح) کی تعداد ۵۳ (م) کی تعداد ۳۰۸ (ع) کی تعداد ۹۹ (س) کی تعداد ۵۳ (ق) کی تعداد ۵۷ ہے جس کا مجموعی ٹوٹل ۵۷۰ بنتا ہے۔ یہ بھی دوسری سورتوں کے حروفِ مقطعات کی طرح ۱۹ پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے (۵۷۰ ÷ ۱۹ = ۳۰)

(۵) حروفِ مقطعات میں (ط) اور (س) ان سورتوں کی ابتدا میں آتے ہیں ان کی

[۱] یہاں صرف حٰمٓ کو شمار کریں، عٓسٓقٓ جُدا جُدا شمار کیا جائے گا۔ ۱۲

تعداد بھی ۱۹ پر تقسیم ہو جاتی ہے:

نام سورۃ	ابتدائی حروف	تعداد (ط)	تعداد (س)	ٹوٹل
اَلنَّمل	طٰسٓ	۲۷	۹۳	۱۲۰
اَلشُّعراء	طٰسٓمٓ [1]	۳۳	۹۳	۱۲۶
اَلقَصَص	طٰسٓمٓ [2]	۱۹	۱۰۰	۱۱۹
طٰہٰ	طٰہٰ [3]	۲۸	—	۲۸
یٰسٓ	یٰسٓ [4]	—	۴۸	۴۸
اَلشّوریٰ	حٰمٓ عٓسٓقٓ [5]	—	۵۳	۵۳
	ٹوٹل،	۱۰۷	+ ۳۸۷	= ۴۹۴

مجموعی ٹوٹل: ۴۹۴ ÷ ۱۹ = ۲۶ یا ۲۶ × ۱۹ = ۴۹۴

(۶) حروفِ مقطعات میں سے "ص" ان سورتوں کے آغاز میں آیا، یہ بھی "۱۹" پر تقسیم ہو جاتا ہے:

نام سورۃ	ابتدائی حروف	"ص" کی تعداد	ٹوٹل
صٓ	صٓ	۲۸	۲۸
اَلاَعراف	الٓمٓصٓ اس میں صرف ص گنیں	۹۸	۹۸
مَریَم	کٓھٰیٰعٓصٓ صرف ص شمار کریں	۲۶	۲۶
		ٹوٹل	۱۵۲ ÷ ۱۹ = ۸

[1] اس جگہ میم کو نہیں شامل کیا گیا، جبکہ اس سورۃ میں "م" کی تعداد ۴۸۹ ہے ۱۲ [2] اس میں صرف طس ہی کو شمار کیا گیا ہے، جبکہ اس سورۃ میں "م" کی تعداد ۴۶۱ ہے ۱۲ [3] اس جگہ "ھ" کو شامل نہیں کیا گیا، جبکہ اس سورۃ میں "ھ" کی تعداد ۳۱۴ ہے ۱۲ [4] اس جگہ "ی" کو شامل نہیں کیا، جبکہ "ی" کی تعداد اس سورۃ میں ۲۳۷ ہے۔

[5] اس جگہ صرف حرف "س" لیا گیا ہے، باقی حروف کی تعداد قبل ازیں درج ہو چکی ہے ۱۲

(۷) حروفِ مقطعات میں کٓھٰیٰعٓصٓ والی سورۃ۔

یہ حروف سورۃ مریم کے آغاز میں آتے ہیں، ان کی تعداد درج ذیل ہے:

ک ——— ہ ——— ی ——— ع ——— ص ——— ٹوٹل

۱۳۷ + ۱۶۸ + ۳۴۵ + ۱۲۲ + ۲۶ = ۷۹۸

یہ بھی ۱۹ پر پورا پورا تقسیم ہوجاتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں: ۷۹۸ ÷ ۱۹ = ۴۲ یا ۴۲ × ۱۹ = ۷۹۸

(۸) جیسا کہ پچھلے صفحات میں یہ وضاحت گزر چکی ہے کہ حروفِ مقطعات قرآن مجید فرقانِ حمید کی ۲۹ سورتوں کے آغاز میں آئے۔ انتہائی حیرت کا مقام ہے کہ جب ہم ان حروف کو مذکورہ سورتوں سے علیحدہ علیحدہ جمع کرتے ہیں تو ہر حرف کی تعداد "۱۹" پر پوری پوری تقسیم ہوجاتی ہے مثلاً:

حرف "ا" کی ان سورتوں میں کل تعداد: ۱۷۴۹۹ ÷ ۱۹ = ۹۲۱ × ۱۹ = ۱۷۴۹۹

حرف "ل" // // // // : ۱۱۷۸۰ ÷ ۱۹ = ۶۲۰ × ۱۹ = ۱۱۷۸۰

حرف "م" // // // // : ۸۶۸۳ ÷ ۱۹ = ۴۵۷ × ۱۹ = ۸۶۸۳

حرف "ر" // // // // : ۱۲۳۵ ÷ ۱۹ = ۶۵ × ۱۹ = ۱۲۳۵

حرف "ص" // // // // : ۱۵۲ ÷ ۱۹ = ۸ × ۱۹ = ۱۵۲

حرف "ح" // // // // : ۳۰۴ ÷ ۱۹ = ۱۶ × ۱۹ = ۳۰۴

حرف "ق" // // // // : ۱۱۴ ÷ ۱۹ = ۶ × ۱۹ = ۱۱۴

حرف "ن" // // // // : ۱۳۳ ÷ ۱۹ = ۷ × ۱۹ = ۱۳۳

اتنی تفصیل اور غور و خوض کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ قرآن مجید کا حسابی نظام اتنا پیچیدہ مگر منظم ہے کہ یہ انسانی عقل و دانش کے بس کی بات نہیں، بلاشبہ تمام جن و انس مل کر بھی ایسی بے مثال محیر العقول تصنیف تیار نہیں کرسکتے جیسی قرآن پاک

اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا شاندار اور لازوال دائمی معجزہ ہے۔ بلاشبہ یہ کلامِ خدا بنی نوع انسان کے لیے ایک مکمل اور جامع منشور ہے جس کے قوانین فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہیں۔ اس کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمّہ کرم لی، اس لیے نہ تو اس میں تحریف ہوئی اور نہ آئندہ ہو سکتی ہے۔

مقامِ تعجب

قارئین کرام! آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ یہ تحقیق ایک مصری محقق جناب رشاد خلیفہ نے امریکہ میں کمپیوٹر پر ۱۹۷۶ء میں اور خود یہ عدد ۱۹۷۶ بھی ۱۹ پر ۱۰۴ بار تقسیم ہو جاتا ہے: ۱۹۷۶ = ۱۹ × ۱۰۴ اور یہ بندۂ ناچیز مؤلف کتابِ ہذا جب یہ سطور تحریر کر رہا ہے۔ آج بروز پنجشنبہ ذوالحجہ مکرم کی ۲۸ تاریخ اور سنِ ہجری ۱۴۰۶ھ ہے اور یہ عدد بھی ۱۹ پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

۱۴۰۶ ÷ ۱۹ = ۷۴ × ۱۹ = ۱۴۰۶ (والحمد للہ تعالیٰ)

بعض دیگر معجزات کا اجمالی ذکر

قرآن حکیم کے عظیم الشان معجزہ کے تذکرہ کے بعد اور بعض دیگر معجزات کے اجمالی ذکر سے قبل اہلِ انصاف حضرات کے سامنے کتاب "محمد اینڈ اسلام" کے مؤلف مشہور انگریز دانشور "مسٹر بوسورتھ" کی رائے پیش کر کے یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ منصف مزاج مسیحی حقیقت کا اعتراف کرنے میں مجبور ہیں۔ "مسٹر بوسورتھ" کا بیان ہے:

"بلاشبہ وہ دائمی معجزہ جس کا حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے دعویٰ فرمایا تھا، وہ یہی قرآن کریم ہے اور حقیقت یہی ہے کہ وہ ایسا ہی ہے۔ جب ہم اس زمانہ کے حالات کا اندازہ لگاتے ہیں کہ جس میں آپ حیات تھے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متبعین آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے بے حد و حساب احترام کا لحاظ کریں اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی شخصیت کا گرجا کے پوپوں یا قرونِ وسطیٰ کے مقدس اور مقربینِ خدا عیسائیوں سے مقابلہ کیا جائے تو ہم پر واضح ہو جائے گا کہ (حضرت) محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے کبھی از خود معجزات ظاہر کر سکنے کا دعویٰ نہیں کیا اور جو کچھ فرمایا اُسے کر دکھایا جیسے اُن (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے متبعین نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ نیز آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف ۔ آپ کے صحابہ نے کبھی ایسے معجزات منسوب نہیں کیے جو آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے ظاہر نہ ہوئے ہوں یا آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف ان کے صدور کی نسبت نامناسب ہو۔ پس آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے اخلاص پر اس سے زیادہ یقینی دلیل اور کون سی ہو سکتی ہے ؟

حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنی آخری عمر تک وہی دعویٰ فرماتے رہے جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ابتداءِ رسالت میں فرمایا تھا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام) واقعی خدا تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ بلند فلسفہ اور سچی مسیحیت بالآخر کسی نہ کسی دن اس حقیقت کا ضرور اعتراف کر کے رہے گی۔" [1]

قارئین کرام! آپ نے ایک انگریز دانشور کا خیال پڑھا ۔ اندازہ فرمایئے کہ حق کو چھپانا کس قدر مشکل ہے۔ ہم مسٹر بوسورث" کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے خود بھی اعتراف کیا اور اپنا عقیدہ بھی ظاہر کیا کہ ایک نہ ایک دن تمام مسیحی دانشور اس حقیقت کا ضرور اعتراف کریں گے۔

شق القمر

شق القمر یعنی چاند کا پھٹنا یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے عظیم الشان معجزات میں سے ہے۔ اس کا ذکر قرآن مجید سورۃ القمر میں ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم اور ان کے سوا دیگر کتب احادیث و سیر میں یہ واقعہ بصراحتِ تامہ موجود ہے۔ اس معجزہ کے راوی حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت

---

[1] "محمد رسول اللہ" صفحہ ۲۴

حذیفہ، حضرت ابن عمر، حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ صحابہ کرام اور کفارِ مکہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ چاند کے دو ٹکڑے پہاڑ کے دو جانب موجود تھے۔ کفارِ مکہ چلانے لگے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے چاند پر جادو کر دیا ہے۔ پھر فیصلہ یہ ہوا کہ اردگرد سے آنے والے مسافروں سے پوچھا جائے کہ انہوں نے بھی اپنے علاقوں میں چاند کو پھٹا ہوا دیکھا کہ نہیں، چنانچہ گردو نواح سے آنے والے مسافروں سے پوچھا تو انہوں نے بھی گواہی دی کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے آسمان پر چاند کو دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوتے دیکھا۔[1] شق القمر کا یہ انتہائی اہم و عظیم واقعہ ہجرت سے پانچ سال قبل پیش آیا۔[2] اہلِ ایمان و انصاف کے لیے یہ بات یقیناً انتہائی اہم ہو گی کہ اجنبی جرائد نے اس سلسلہ میں ایک مقالہ شائع کیا جس کا عربی ترجمہ ایک عربی جریدہ "الانسان العربیہ" نے شائع کیا جس کا ماحصل یہ ہے کہ صاحبِ مقالہ نے بتایا کہ میں نے چین میں ایک قدیم عمارت دیکھی، جس پر لکھا ہوا تھا کہ فلاں سنہ میں کہ جس سال ایک عظیم آسمانی واقعہ یعنی چاند کا دو ٹکڑے ہو جانے والا واقعہ پیش آیا تھا، یہ عمارت تعمیر کی گئی۔ جب مؤلف نے حساب لگایا، تو وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے شق القمر کے معجزہ والے سال سے بالکل مطابق تھا۔[3]

کھانے پانی میں فراوانی

کھانے اور پانی وغیرہ میں فراوانی کے بہت سے واقعات کتبِ احادیث و سیر میں مذکور ہیں، اس جگہ انتہائی اختصار سے چند واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ خندق کی کھدائی کے دوران ہم نے تین روز تک کوئی چیز نہ کھائی۔ میں اپنی بیوی کے پاس گیا اور اس سے دریافت کیا تیرے پاس کچھ کھانے کو ہے، کیونکہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] القرآن سورۃ القمر [2] مدارج النبوۃ جلد ا [3] محمد رسول اللہ

علیہ وآلہ وسلم سخت بھوکے ہیں۔ میری بیوی نے ایک تھیلی نکالی، اس میں ایک صاع جو تھے اور ایک بکری کا بچہ ہمارے پاس تھا۔ میں نے اُس کو ذبح کیا اور میری بیوی نے جَو پیسے اور ہم نے اُس گوشت کو ہانڈی میں ڈالا اور میں نے چپکے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی ہم نے ایک چھوٹا سا بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور ایک صاع جَو پیسے ہیں، آپ تشریف لائیں اور چند ایک اصحاب کو بھی ساتھ لے لیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پکار کر فرمایا: اے اہلِ خندق! جابر نے تمہارے لیے کھانا تیار کیا ہے، تم جلدی چلو۔ پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (مجھے) فرمایا: اے جابر! میرے آنے تک اپنی ہنڈیا کو نہ اتارنا اور آٹا نہ پکانا۔ جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو میں نے (گندھا ہوا) آٹا پیش کیا۔ آپ نے اس میں اپنا لعابِ دہن ڈالا اور برکت کی دُعا فرمائی پھر فرمایا کہ روٹی پکانے والی کو بلاؤ جو روٹیاں پکائے اور چمچ کے ساتھ گوشت نکالو، لیکن ہنڈیا کو چولہے سے نہ اتارنا۔ خندق (کھودنے) والے ہزار آدمی تھے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور پھر بھی باقی بچ گیا۔ وہ سب کے سب کھا کر چلے گئے جبکہ ہماری ہنڈیا ابھی (اُسی طرح) جوش مار رہی تھی اور آٹا بھی اتنا ہی موجود تھا۔

ابن اسحاق، بیہقی، حافظ ابی نعیم حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آیہ مبارکہ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ نازل ہوئی تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خاندان کے چالیس افراد کی دعوت کی۔ ان میں تقریباً ہر شخص ایک فرق دودھ پینے والا اور تنہا ایک سالم بکری کھانے والا تھا۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے ان افراد کے لیے صرف ایک بکری کے پائے اور صاع غلے سے کھانا تیار کروانے کا حکم دیا اور ایک پیالہ دودھ بھی مہیا کرنے کا ارشاد فرمایا۔ جب وہ آگئے تو اُن کے سامنے وہ کھانا پیش کیا گیا۔ ان سب نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ خدا تعالیٰ کی قسم ابھی کھانا اتنا ہی موجود تھا جتنا کہ پہلے تھا۔ البتہ کھانے پر انگلیوں کے نشانات ضرور تھے

لہ تقریباً ہم کلوگرام لے دوسری روایت میں ہے کہ ہنڈیا میں بھی لعاب دہن ڈالا تہ بخاری و مسلم شریف تہ ایک پیمانہ۔

پھر میں نے دُودھ کا پیالہ لاکر اُن کو پیش کیا۔ ان لوگوں نے اتنا دُودھ پیا کہ اُن کے پیٹ میں کوئی گنجائش نہ رہی، مگر دُودھ کا پیالہ ختم نہ ہوسکا۔ یہ دیکھ کر ابولہب بولا، تمہارے صاحب نے تم پر جادو کر دیا ہے اور میں نے آج جیسا جادو کبھی نہیں دیکھا۔ یہ سُن کر سب کے سب منتشر ہوگئے اور حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اُن کو نصیحت نہ کرسکے۔[1]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (اپنی بیوی اور میری ماں) اُمِ سلیم سے کہا کہ "میں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی آواز میں کچھ کمزوری سی محسوس کی ہے۔ غالباً آپ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بھُوکے ہیں۔ کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟" اُمِ سلیم نے جَو کی (ایک) روٹی نکال کر دے دی (اُس وقت گھر میں یہی کچھ تھا) میں بُلانے کے لیے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو آپ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا، تمہیں ابی طلحہ نے بھیجا ہے؟ پھر تمام صحابہ کرام کو ساتھ لے کر ہمارے گھر کی جانب چل پڑے۔ میں فوراً گھر آیا اور صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ ابی طلحہ بولے، اُمِ سلیم! حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جماعتِ صحابہ کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں، جبکہ ہمارے پاس اتنا کھانا نہیں ہے۔ اُمِ سلیم نے کہا: "اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔" غرض سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لے آئے تو میری والدہ نے روٹی پیش کر دی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم دیا کہ روٹی کو توڑ کر اُس پر تھوڑا سا گھی ڈال دو۔ پھر آپ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس کھانے پر دعا پڑھی اور فرمایا: دس آدمیوں کو بُلا لاؤ تاکہ وہ کھانا کھائیں۔" دس آدمی آئے اور خوب سیر ہو کر چلے گئے۔ اسی طرح دس، دس آتے گئے اور سیر ہو کر کھاتے گئے۔ یہ ستّر یا اسّی آدمی تھے، جنہوں نے کھانا کھایا۔ پھر ہم تمام اہلِ خانہ نے کھانا کھایا۔ وہ کھانا (جو صرف جَو کی ایک روٹی سے تیار ہوا تھا) پھر بھی کافی بچ گیا، حتّٰی کہ ہم نے اسے پڑوسیوں میں تقسیم کر دیا۔[2]

بخاری نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل فرمائی کہ ہم ایک

---

[1] خصائص کبریٰ جز اول [2] خصائص کبریٰ جز ثانی (تھوڑے سے فرق سے بخاری و مسلم)

سفر میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ یہاں تک کہ نماز عصر کا وقت آگیا۔ ہمارے پاس بہت ہی تھوڑا سا پانی بچا ہوا تھا، وہ سب ایک پیالے میں ڈال کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک اُس پیالے میں ڈال دیا اور انگلیاں کھول دیں اور فرمایا، تم وضو کرو، اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ انگشتانِ مبارک سے پانی کے فوارے پھوٹ رہے تھے۔ تمام لوگوں نے وضو بھی کیا اور خوب سیراب ہو کر پانی بھی پیا، اس وقت ہم ایک ہزار چار سو (۱۴۰۰) آدمی تھے۔ [1]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قبا کی جانب تشریف لے گئے، وہاں ایک جگہ بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ایک اتنا چھوٹا پیالہ لایا گیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مقدس کی صرف چار انگلیاں ہی داخل ہو سکیں، جبکہ انگوٹھا باہر ہی رہا۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا، "آؤ اور پانی پی لو"۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی انگشتانِ مبارک سے پانی کے چشمے بہہ رہے تھے اور سب لوگ اس ایک پیالے سے سیراب ہو گئے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ اُس وقت کس قدر آدمی تھے؟ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اندازاً اسی آدمی۔ [2]

بیماروں کا شفایاب ہونا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت نے اپنے بیٹے کو بارگاہِ

---

[1] خصائص کبریٰ جزء ثانی [2] علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے پانی میں اضافہ کے عنوان سے خصائص کبریٰ جلد اول کے صرف اس باب میں تیس احادیث مبارکہ نقل فرمائیں۔ اگر تمام کتب احادیث و سیر سے ایسے واقعات تلاش کیے جائیں تو سینکڑوں احادیثِ مبارکہ مل سکتی ہیں [3] شفاء المرض کے واقعات بھی بہت کثرت سے ہیں یہاں چند ایک نقل کیے جاتے ہیں۔ ۱۲

رسالت مآب (صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ) میں پیش کیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میرے بیٹے کو جنون کا مرض ہے اور یہ صبح وشام کھانا کھانے کے وقت شروع ہوتا ہے، چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک اُس لڑکے کے سینے پر پھیرا اور دُعا کی تو معًا اس لڑکے نے اُلٹی (قے) کی اور اس کے پیٹ سے درندے کے بچے کی طرح کوئی کالی سی شے نکل کر بھاگ گئی، اور لڑکا صحت یاب ہو گیا۔ ؎۱

حضرت حبیب بن فدیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اُن کی آنکھیں اندھی ہو کر سفید ہو گئی تھیں۔ ان کے والد ان کو بارگاہِ نبوی میں لے کر حاضر ہوئے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے کچھ پڑھ کر دم فرمایا تو اُسی وقت بینائی واپس آ گئی۔ راوی کہتے ہیں کہ میں اسّی برس کی عمر میں بھی سُوئی میں دھاگہ ڈال لیتا ہوں۔ ؎۲

حضرت شرجیل الجعفی کہتے ہیں کہ میرے ہاتھ میں گانٹھ سی تھی جس سے مجھے سخت تکلیف تھی۔ میں تلوار یا گھوڑے کی باگ نہ پکڑ سکتا تھا۔ میں نے حاضرِ خدمت ہو کر اپنی مرض کی شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرے ہاتھ پر پھونک ماری اور گانٹھ پر اپنا دستِ مقدس رکھ دیا۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک اُٹھایا تو گانٹھ کا نشان تک بھی نہ تھا۔ ؎۳

حضرت ابیض بن جمال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میرے چہرے پر داد تھی جس کی وجہ سے میرا چہرہ برص کی مانند سفید ہو گیا تھا اور داد نے میری ناک (کی ہڈی) کھائی تھی (میں حاضرِ خدمت ہوا تو) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے دُعا فرمائی اور اپنا دستِ مبارک میرے چہرے پر پھیرا تو میرا تمام چہرہ صاف اور خوبصورت ہو گیا اور "داد" کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔ ؎۴

غزوۂ خیبر میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی آنکھیں دُکھتی تھیں حضور

؎۱ دارمی، مشکوٰۃ ؎۲ بیہقی، خصائص، زرقانی، ؎۳ خصائص کبریٰ جُز ثانی ؎۴ مذکورہ

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے آنکھوں میں لعابِ دہن لگا دیا تو وہ اُسی وقت شفایاب ہوگئیں۔ ؎۱

غارِ ثور میں حضرت ابی بکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سانپ نے ڈس لیا جس سے آپ کو سخت تکلیف ہوئی۔ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے زخم پر اپنا لعابِ دہن لگایا تو فوراً شفا حاصل ہوگئی ؎۲

میدانِ بدر میں حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بھائی حضرت معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مل کر ابوجہل پر حملہ کیا تو ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے حضرت معاذ پر تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ اُن کا بازو کٹ کر لٹک گیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا کٹا ہوا بازو لے کر بارگاہِ فیض درجت میں حاضر ہوگئے۔ تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کٹا ہوا بازو اپنے دستِ رحمت میں لے کر لعابِ دہن لگایا اور کندھے سے لگا دیا تو بازو اُسی وقت جڑ گیا، گویا کہ اس پر کوئی زخم ہی نہ تھا ؎۳

حبیب بن یساف کہتے ہیں کہ ایک غزوہ میں میرے شانے پر تلوار کی ایسی ضرب لگی کہ میرا بازو لٹک گیا، میں اسی حالت میں حاضرِ خدمت ہوگیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے لعابِ دہن لگا کر میرا بازو کندھے سے چسپاں کر دیا، تو وہ فوراً ہی جڑ گیا، چنانچہ میں نے خود اپنے ہاتھ سے ہی اُس شخص کو قتل کر دیا کہ جس نے مجھے زخم لگایا تھا ؎۴

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خیبر میں میری پنڈلی پر شدید زخم آگیا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے تین مرتبہ دم فرمایا تو اُسی گھڑی شفا ہوگئی ؎۵

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ روزِ اُحد تیر لگنے سے نکل کر رخسار پر آگئی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنکھ کو اپنے ہاتھ پر رکھا اور بارگاہ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہوگیا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے میری حالت

؎۱ مدارج النبوۃ، بخاری شریف ؎۲ مشکوٰۃ مناقب ابی بکر ؎۳ شفاء شریف ؎۴ خصائص کبریٰ جز ثانی۔
؎۵ بخاری شریف۔

دیکھی تو رو پڑے اور میرے ہاتھ سے آنکھ لے کر اُس کے حلقے میں رکھا اور دُعا کی کہ اے اللہ! جس طرح اس کو تیرے نبی کے چہرے کی حفاظت میں اسے زخم پہنچا ہے، ایسے ہی اس کے چہرے کو درست فرما دے اور اس آنکھ کو دوسری سے بہتر بنا دے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھ اُسی وقت درست ہو گئی اور مرتے دم تک اس میں نہ کبھی درد ہوا نہ نظر میں کمی آئی۔ [۱]

حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ملاعب الاسنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں کسی کو بھیجا، ان کے پیٹ میں رمبل (پھوڑا) ہو گیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مٹی کا ایک ڈھیلا لیا، اُس پر لعابِ دہن ڈالا اور اس شخص کو دے کر فرمایا: "اس ڈھیلے کو پانی میں گھول کر ملاعب الاسنہ کو پلا دو"، حسب الحکم عمل کیا گیا، تو اسی وقت اُن کو شفا ہو گئی۔ [۲]

حضرت عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو رافع یہودی کو قتل کرنے کے لیے گئے تو پاؤں زینہ (سیڑھی) سے پھسل گیا اور وہ زمین پر گر پڑے جس سے اُن کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ٹوٹی ہوئی ہڈی پر اپنا دستِ شفا پھیرا تو وہ فوراً جڑ گئی، اور حضرت عبد اللہ شفایاب ہو گئے۔ [۳]

مُردوں کا زندہ کرنا

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت نقل فرمائی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک شخص کو دعوتِ اسلام دی، اُس نے عرض کیا کہ آپ میری بیٹی کو زندہ فرمائیں، تب ایمان لاؤں گا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "مجھے اُس کی قبر پر لے چلو"۔ قبر پر جا کر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس لڑکی کا نام لے کر پکارا، تو لڑکی نے عرض کیا، لَبَّیْکَ وَ سَعْدَیْکَ (حاضر ہوں، میں آپ کی تابع فرمان ہوں)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

---

[۱] مدارج النبوۃ، طبرانی، ابی نعیم [۲] خصائص کبریٰ جز ثانی [۳] بخاری شریف

نے فرمایا، کیا تو پسند کرتی ہے کہ تو دنیا میں پھر آ جائے۔ اُس نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم، خدا تعالیٰ کی قسم! میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے والدین سے بہتر (رحیم و کریم) پایا ہے۔ میں نے آخرت کو دُنیا سے اچھا پایا ہے[1] (یعنی میں واپس آنا نہیں چاہتی)

روزِ خندق حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دو لڑکوں کی موجودگی میں بکری ذبح کی، تو یہ دونوں بچے اپنے مکان کی چھت پر گئے اور اپنے باپ کی نقل میں ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو ذبح کر دیا۔ اُن کی ماں کو صورتِ حال کا علم ہوا تو وہ جلدی جلدی چھت پر پہنچیں۔ ماں کے ڈر سے دوسرے بچے نے بالاخانے سے چھلانگ لگا دی اور گر کر مر گیا اور ماں نے دونوں کی نعشوں کو اندر ایک چارپائی پر رکھ کر چادر اوڑھا دی تاکہ دعوت میں ہرج نہ ہو جب حضور علیہ السلام کھانا تناول فرمانے کے لیے تشریف لائے تو ارشاد فرمایا جابر اپنے بیٹوں کو بھی لاؤ تاکہ وہ بھی ہمارے ساتھ شریکِ طعام ہوں۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور بچوں کے متعلق دریافت کیا۔ پہلے تو وہ ٹالتی رہیں، پھر ضبط نہ ہو سکا اور روتے ہوئے اصل صورتِ حال سے مطلع کر دیا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور اس حادثۂ عظیمہ کی خبر دی جسے سُن کر حضور خواجۂ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنفسِ نفیس تشریف لائے اور ان لاشوں کے قریب کھڑے ہو کر فرمایا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُٹھ کر کھڑے ہو جاؤ" یہ سنتے ہی دونوں بچے زندہ ہو گئے اور کلمہ شریف پڑھتے ہوئے اُٹھ بیٹھے۔[2]

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بکری ذبح کر کے کھانا تیار کیا اور پیالے میں ڈال کر پیشِ خدمت کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، جابر! اپنی قوم والوں کو بُلا لا" حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سب کو بلا لایا۔ تھوڑے تھوڑے لوگ کھانا کھانے جاتے۔ اُن کی واپسی پر دوسرے لوگ کھانا کھانے جاتے، یہاں تک کہ تمام افراد کھانا کھا چکے۔ آپ

[1] مواہب لدنیہ [2] مدارج النبوۃ، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو شواہد النبوۃ

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں سے فرمایا کہ ہڈّی نہ توڑنا۔ پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہڈیاں جمع فرمائیں اور اُن پر دستِ مقدس رکھ کر کچھ پڑھا جسے میں نہ سُن سکا۔ یکایک بکری اپنے کان جھاڑتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے فرمایا، (جابر) اپنی بکری لے لو۔ میں بکری لے کر گھر پہنچا تو میری بیوی نے (حیران ہو کر) پوچھا یہ کون سی بکری ہے؟ (جو ہماری بکری جیسی ہے) میں نے بتایا کہ یہ وہی بکری ہے جو ذبح کی تھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اسے زندہ فرما دیا ہے۔ میری بیوی بولی "میں گواہی دیتی ہوں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں"۔[1]

غزوۂ خیبر کے بعد سلام بن مشکم یہودی کی زوجہ نے بکری کا زہر آلود گوشت حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطورِ ہدیہ بھیجا حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس میں سے بکری کا بازو اٹھا کر کھانے لگے تو اُس نے عرض کیا، مجھے نہ کھایئے مجھ میں زہر ڈالا گیا ہے۔ اس پر وہ یہودیہ طلب کر لی گئی تو اُس نے اعترافِ جرم کر لیا۔[2]

اگر غور کیا جائے تو یہ معجزہ مردہ زندہ کرنے سے بھی بڑھ کر ہے، کیونکہ یہ ذبح شدہ اور پکی ہوئی بکری کا ایک جُز زندہ کرنا ہے، حالانکہ اس کا باقی تمام بدن بے رُوح تھا۔

حضرت علاء الحضرمی کا واقعہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے علامہ سیوطی نے تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ اختصاراً یہ کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت علاء الحضرمی کی والدہ آپ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچیں۔ یہاں پہنچ کر علاء الحضرمی بیمار ہو کر فوت ہو گئے۔ لوگوں نے ان کو غسل دے کر کفن پہنایا اور مجھے بھیجا کہ ان کی والدہ کو اطلاع کر دوں۔ چنانچہ میں نے اُس کی والدہ کو مطلع کر دیا۔ وہ آئی اور اپنے بیٹے کے قدموں کی طرف بیٹھ کر دُعا کرنے لگی،

اللّٰھم اسلمت لک طوعًا وخلعت الاوثان زھدًا و

---

[1] خصائص کبریٰ جز اوّل [2] اس واقعہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری شریف و دیگر کتب احادیث

ھاجرت الیک رغبۃ اللّٰھم لاتشمت بی عبدۃ الاوثان ولاتحملنی من ھذہ المصیبۃ مالاطاقۃ لی محملھا۔

ابھی اس عورت کے کلمات پورے نہیں ہوئے تھے کہ اس کے بیٹے نے قدم ہلائے اور زندہ ہو کر اُٹھ بیٹھا اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں آپ نے حضرت علاء الحضرمی کو ایک دستہ کا افسر بنا کر جہاد کے لیے بھیجا۔ تو وہاں ہی ان کا انتقال ہوا۔[1]

حیوانات (بہائم) کا اظہارِ اطاعت و کلام

اہلِ عرب کے پاس زیادہ تر جانور اونٹ اور بھیڑ بکریاں ہوتے تھے۔ وہ لوگ اونٹوں سے کئی کام لیتے تھے، مثلاً سواری، باربرداری، آب کشی وغیرہ۔ اونٹ عموماً سرکش بھی ہو جاتا ہے، اس لیے سرکش اونٹوں کے دیدارِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہوتے ہی اطاعت گزاری کے بہت سے واقعات ہیں جن میں بعض واقعات ان صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن اوفی، حضرت ابن عباس، سیدنا حضرت حسن، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ثعلبہ بن مالک، حضرت یعلیٰ بن مرہ، حضرت بُریدہ، حضرت انس، حضرت ابی ہریرہ، حضرت حکم بن ایوب، حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ہم ان واقعات میں سے چند ایک یہاں (اختصاراً) نقل کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انصار میں سے ایک شخص کے پاس اونٹ تھا جس سے وہ آب کشی کیا کرتے تھے، وہ اونٹ سرکش ہو گیا، وہ آب کشی نہ کرتا تھا بلکہ اپنے مالک کو کاٹ کھانے کے لیے دوڑتا۔ اس اونٹ کے مالک حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہوئے اور اپنی تکلیف بیان کی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کی معیت

---

[1] خصائص کبریٰ جز ثانی۔ (مشکوٰۃ میں ان کا سنِ وفات ۱۴ھ درج ہے)

ہیں انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ اونٹ باغ کے ایک کونے میں بیٹھا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا تو کھڑا ہو گیا۔ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) یہ اُونٹ کاٹنے والے کُتے کی مانند ہو گیا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ یہ کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ وہ اونٹ تیزی کے ساتھ چلتا ہوا آیا اور آتے ہی حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے آگے سجدے میں گر پڑا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر اس کا سر اوپر اُٹھایا اور کام پر لگا دیا۔ یہ اونٹ اتنا مطیع و فرماں بردار ہو گیا کہ کبھی پہلے ایسا نہ تھا . . . . . ۱؎ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ (صحابہ کرام کے عرض کرنے پر) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "سوائے کافر جن وانس کے ہر شے جانتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں" ۲؎

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف بھاگتا ہوا ایک اونٹ آیا اور آتے ہی اُس نے اپنا سَر آغوشِ مبارک میں رکھ دیا، اور بُڑبُڑایا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام سے فرمایا: یہ اونٹ کہتا ہے کہ اس کا مالک اپنے باپ کے واسطے کھانا کھلانے کے لیے اسے ذبح کرنا چاہتا ہے۔ پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام (صحابہ کرام کے ساتھ) اُونٹ کے مالک کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے دریافت فرمایا تو اُس نے عرض کیا کہ جی ہاں! میں اسے ذبح کرنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اسے ذبح نہ کرو۔ چنانچہ اُس نے ذبح نہ کیا۔ ۳؎

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے تو ملاحظہ فرمایا کہ باغ میں ایک اونٹ ہے۔ اس اونٹ نے جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا تو رو پڑا، اُس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ حضور رحمتِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

۱؎ احمد، نسائی، مواہب لدنیہ، حافظ ابی نعیم فی دلائل النبوۃ ۲؎ خصائص کبریٰ جز ثانی ۳؎ ایضاً۔

اس اُونٹ کے پاس تشریف لائے اور اپنا دستِ مقدس اُس کے پس گوش پر پھیرا جس سے وہ چُپ (اور پُرسکون) ہوگیا۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ انصار میں سے ایک نوجوان نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم، یہ اونٹ میرا ہے"۔ اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تو اس چوپائے کے بارے میں کہ جس کا تجھے اللہ تعالیٰ نے مالک بنایا ہے، اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا؟ اس نے میرے پاس یہ شکایت کی ہے کہ تُو اسے بھوکا رکھتا ہے اور کثرتِ استعمال سے اسے تکلیف دیتا ہے۔ ؎۱

دُوسرے جانور

حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کچھ انصارِ صحابہ کے ساتھ ایک انصاری صحابی کے باغ میں تشریف لے گئے۔ باغ میں موجود تمام بکریاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سجدے میں گر پڑیں (یہ منظر دیکھ کر) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم، ان بکریوں سے زیادہ ہم حقدار ہیں کہ آپ (علیہ السلام) کو سجدہ کریں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی انسان کو جائز نہیں کہ وہ (خدا تعالیٰ کے سوا) کسی اور کو سجدہ کرے۔ اگر ایسا ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ ؎۲

حضرتِ سلیمان بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقامِ حرہ میں تشریف لائے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک بھیڑیا آکر کھڑا ہوگیا (اور اپنی زبان میں کچھ عرض کرنے لگا) حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا: اس بھیڑیئے کا نام اویس ہے۔ یہ جنگل میں چرنے والی بکریوں میں سے (سالانہ) ایک بکری چاہتا ہے (تاکہ اس وظیفہ کے بعد یہ تمہاری بکریوں سے تعرض نہ کرے) لوگوں نے بھیڑیئے کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

؎۱ ابی داؤد، مواہب لدنیہ ؎۲ خصائص کبریٰ جز ثانی ؎۳ بروایت حمزہ بن اسید کے بروایت مطلب بن عبداللہ

نے بھیڑیئے کی طرف انگشتانِ مبارک سے اشارہ کیا تو وہ واپس چلا گیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھیڑیئے کو اجازت دے دی کہ ان کی بکریاں اُچک لے جایا کرے۔ یہ سُن کر بھیڑیا دوڑتا جاتا تھا اور سر ہلاتا جاتا تھا۔ [۱]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم (صحابہ) ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریکِ سفر تھے۔ راستہ میں ہم نے ایک درخت پر "حمرہ" (جنگلی پرند جانور) کے دو بچے دیکھے ہم نے اُن کو پکڑ لیا۔ "حمرہ" درخت سے اتری اور بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو گئی (اور چوں چوں کرنے لگی) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا اس کے بچوں کو پکڑ کر کس نے اسے ستایا ہے؟ (کہ یہ میرے حضور شکایت کرتی ہے) ہم نے عرض کیا کہ ہم لوگوں نے پکڑا ہے۔ ارشاد ہوا کہ دونوں بچوں کو ان کی جگہ پر رکھ دو، چنانچہ ہم نے اُن کی جگہ پر رکھ دیا۔ [۲]

حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم محفلِ صحابہ میں تشریف فرما تھے کہ خاندان بنو سلیم کا ایک شخص آیا۔ یہ (زندہ) گوہ (ایک جنگلی جانور) کو شکار کر کے لایا تھا۔ اس شخص نے کہا: "لات و عزّیٰ کی قسم! میں اس وقت آپ پر ایمان نہ لاؤں گا، جب تک یہ گوہ آپ پر ایمان نہ لائے۔" آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے گوہ کو مخاطب کیا تو وہ ایسی صاف عربی زبان میں بولی کہ جسے سب اہلِ محفل نے سمجھا گوہ نے کہا: لبيك وسعديك يا رسول الله (صلى الله تعالىٰ عليك وسلم) آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تو کس کی عبادت کرتی ہے؟ گوہ نے عرض کیا: الّذي في السّماء عرشه وفي الارض سلطانه وفي البحر سبيله وفي الجنّة رحمته وفي النّار عذابه [۳]

---

[۱] خصائصِ کبریٰ جزثانی [۲] ایضاً [۳] ترجمہ: (اُس ہستی کی) کہ آسمانوں میں جس کا عرش اور زمین میں جس کی بادشاہت ہے اور سمندر میں جس کی راہ ہے، جنت میں جس کی رحمت اور دوزخ میں جس کا عذاب ہے۔

پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، میں کون ہوں؟ گوہ نے عرض کیا: انت رسول رب العالمین وخاتم النبیین قد افلح من صدقک وخاب من کذبک [1] یہ سنتے ہی وہ شخص مسلمان ہو گیا۔ [2]

نباتات و جمادات کا اطاعت و کلام کرنا

جس طرح حیوانات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے مطیع تھے۔ اسی طرح نباتات و جمادات بھی فرمانِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تابع تھے، چنانچہ درختوں کا حاضر ہونا اور سلام کرنا، پتھروں کا سلام کرنا اور گواہی دینا احادیثِ کثیرہ سے ثابت ہے — ذیل میں چند ایک مثالیں درج کی جا رہی ہیں،

حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں مکہ مکرمہ کے گرد و نواح کی جانب نکلا (میں نے دیکھا کہ) جو بھی کوئی پتھر یا درخت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے آتا تو وہ عرض کرتا،

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک سفر میں ہم (جماعتِ صحابہ) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے (راستے میں) ایک بادیہ نشین حاضرِ خدمت ہوا۔ جب وہ نزدیک ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں، وہ ایک ہے کوئی بھی اُس کا شریک نہیں اور تحقیق محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ اُس بادیہ نشین نے کہا: جو کچھ آپ فرما رہے ہیں، اس کا گواہ کون ہے؟" آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے (کیکر کے

---

[1] ترجمہ: آپ رب العالمین کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں، بیشک جس نے آپ کی تصدیق کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے آپ کی تکذیب کی وہ ذلیل ہوا [2] خصائص کبریٰ [3] ترمذی، دارمی، مشکوٰۃ باب فی معجزات

ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) یہ درخت پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُس درخت کو بلایا، حالانکہ وہ درخت وادی کے دوسرے کنارے پر تھا۔ وہ درخت زمین پھاڑتا ہوا آیا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رُوبرو آکر کھڑا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے گواہی طلب فرمائی تو اس نے تین بار گواہی دی کہ جو کچھ آپ (علیہ السلام) فرماتے ہیں، برحق ہے۔ پھر درخت اپنی جگہ پر واپس چلا گیا۔ ؎۱

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بنی عامر بن صعصعہ میں ایک بادیہ نشین عرب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور کہنے لگا "میں کس طرح پہچانوں کہ واقعی آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟" حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "بتا! اگر میں اس درخت خُرما کی شاخ کو بُلاؤں ؎۲ (اور وہ آجائے) تو کیا تو میری رسالت کی گواہی دے گا؟" اس نے عرض کیا: ہاں! پھر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور کی اس شاخ کو بُلایا (یعنی اشارہ کیا) تو وہ درخت سے اُترنے لگی، یہاں تک کہ زمین پر گر گئی اور پھدکتی ہوئی حاضرِ خدمت ہوئی۔ حافظ ابی نعیم کی روایت میں ہے کہ وہ شاخ خدمتِ اقدس میں اس انداز سے حاضر ہوئی کہ کبھی سجدہ کر رہی تھی اور کبھی سر اٹھا رہی تھی ؎۳ حتیٰ کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جا اپنی جگہ پر واپس چلی جا۔" چنانچہ وہ (درخت پر) اپنی جگہ واپس چلی گئی۔ یہ دیکھ کر اُس اعرابی نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں" اور ایمان لے آیا۔ ؎۴

؎۱ دارمی، مشکوٰۃ ؎۲ ترمذی شریف میں ہے کہ فرمایا "اگر وہ میری رسالت کی گواہی دے۔" ؎۳ ظاہر ہے کہ روایات میں کوئی تعارض نہیں، کسی نے تو شاخ کے اچھلنے کے انداز کو پھدکنے سے تعبیر کیا اور کسی دیکھنے والے نے اسے سجدہ خیال کیا، کیونکہ عموماً درخت یا جانور (بہائم) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ بھی کر دیتے تھے جیسا کہ پچھلے صفحات میں گزرا۔ ؎۴ احمد، دارمی، ترمذی، بخاری فی تاریخہ، حاکم، بیہقی، حافظ ابی نعیم فی الدلائل، ابن سعد

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ہم ایک کھلے میدان میں اُترے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لیے (ایک طرف) تشریف لے گئے، وہاں کوئی ایسی شے نہ تھی کہ جس سے پردہ فرماتے وہاں دو درخت جنگل کے دو کناروں (یعنی بہت دُور دُور) پر تھے۔ ان میں سے ایک کی طرف حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چل پڑے (درخت کے قریب پہنچ کر) حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے درخت کی ایک ٹہنی کو پکڑا اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے حکم سے میرا تابع فرمان ہو جا" تو وہ درخت اس طرح (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف) جھک گیا جس طرح نکیل والا اونٹ جھک جاتا ہے اور اپنی نکیل کھینچنے والے کی فرمانبرداری کرتا ہے پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (اسے ساتھ لے کر) دوسرے درخت کے پاس تشریف لائے اور اس کی شاخ پکڑ کر فرمایا: تو بھی میری فرمانبرداری کر، یہاں تک کہ وہ درخت بھی اسی طرح چل پڑا۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں کے درمیان ہو گئے (یعنی درخت بہت قریب آگئے) تو فرمایا: میرے لیے مل جاؤ، اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ دونوں مل گئے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بیٹھا اپنے ہی دل میں باتیں کر رہا تھا کہ اتنے میں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (رفع حاجت سے فارغ ہو کر) تشریف لا رہے ہیں اور وہ دونوں درخت جدا جدا ہو کر اپنی اپنی جگہ پر چلے گئے ہیں۔ [1]

اسی طرح حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "کیا تم نے رسول اللہ کی قضائے حاجت کے لیے کوئی جگہ (کہ جہاں پردہ ہو) دیکھی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس وادی میں، میں نے لوگوں سے خالی جگہ کوئی نہیں دیکھی۔ پھر فرمایا: کیا تم نے کھجوروں کے درخت یا کوئی پتھر دیکھا ہے؟" میں نے عرض کیا: جی ہاں قریب ہی کھجوروں کے

---

[1] صحیح مسلم، مشکوٰۃ

درخت اور پتھر دیکھے ہیں۔" فرمایا "جاؤ کھجوروں کے درختوں سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قضائے حاجت کے لیے باہم مل جاؤ اور پتھروں سے بھی اسی طرح کہنا۔" میں گیا اور اسی طرح کہا۔ مجھے قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی کہ جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حق کے ساتھ بھیجا، میں نے دیکھا کہ درخت بھی، ایک دوسرے کے قریب ہو گئے اور سنگریزے بھی باہم پیوست ہو گئے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رفع حاجت سے فارغ ہوئے تو فرمایا "جاؤ اُن سے کہو ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں۔" چنانچہ میں نے جب یہ پیغام دیا تو وہ درخت اور سنگریزے جدا جدا ہو کر اپنی اصلی حالت پر آ گئے[۱]

جمادات

حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خطبہ جمعہ ایک کھجور کے سوکھے ہوئے تنے سے ٹیک لگا کر ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جب ممبر شریف بن گیا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ممبر پر تشریف فرما ہو گئے، تو وہ تنا حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جُدائی میں اس طرح رونے لگا، جس طرح بچّے والی اونٹنی بچّے کی، جُدائی میں نالہ و فریاد کرتی ہے۔ اس کے رونے سے گویا مسجد بھی تھرّا رہی تھی۔ شدّتِ گریہ سے قریب تھا کہ وہ پھٹ جاتا کہ حضور خواجۂ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ممبر شریف سے نیچے اُتر کر اُس سُوکھے تنے کو اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیا۔ اس سے صحابہ کرام پر بھی رقت طاری ہو گئی اور وہ سب کے سب رونے لگے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے ساتھ چمٹا لیا تو وہ اس طرح سسکیاں بھرنے لگا جس طرح بچہ سسکیاں بھرتا ہے، پھر وہ خاموش ہو گیا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اگر میں اسے اپنی آغوش میں نہ لیتا تو یہ قیامت تک میری جدائی میں روتا رہتا۔ پھر تنے سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا "اگر تو چاہے تو میں تجھے اس جگہ لگا دوں جہاں تو پہلے تھا اور تو پہلے ہی کی طرح ہو جائے اور اگر چاہے تو تجھے جنت میں لگا دوں جہاں جنت کی نہریں تجھے سیراب کریں۔ پھر دو بار فرمایا "بہتر ہے میں نے قبول کیا"، کسی نے عرض کیا کہ تنے نے کیا

---

[۱] مدارج النبوۃ جلد اوّل

کہا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اس نے جنت میں لگایا جانا پسند کیا۔ؔ یہ روایت بہت سے صحابۂ کرام سے مروی ہے جن میں سے بعض راوی یہ ہیں، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن بُریدہ، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت انس، حضرت سہل بن سعد الساعدی، حضرت ام سلمہ، حضرت مطلب بن ابی داؤد وغیرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کوہِ احد پر چڑھے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابی بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے، وہ پہاڑ ہلنے لگا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے اپنے پائے انور سے ٹھوکر ماری اور فرمایا: ساکن ہوجا، کیونکہ تجھ پر نبی، صدیق اور شہید ہیں۔ؔ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ پہاڑ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مذکورہ صحابہ کے علاوہ حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضر موت سے کچھ لوگ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے، ان میں حضرت اشعث بن قیس بھی تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم کیسے جانیں کہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دستِ مبارک میں پتھر کی کنکریاں لیں اور فرمایا: یہ کنکریاں گواہی دیں گی کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ مبارک میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی، جسے سُن کر اُن لوگوں نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ ؔ

حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اعلانِ نبوت سے قبل اپنے چچا محترم حضرت ابوطالب کے ساتھ ملکِ شام کے سفر پر بغرضِ تجارت روانہ ہوئے تو راستے میں اہلِ کتاب کے ایک جید اور مشہور عالم دین بحیرہ راہب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی بنا پر پہچان کر حضرت ابوطالب

لے بخاری، دارمی، خصائصِ کبریٰ، بیہقی ۲ے بخاری، احمد، ترمذی، مواہب لدنیہ ۳ے خصائص کبریٰ ج۲ ص

کو قسمیں دے کر واپس بھیجا تھا کہ آگے نہ جائیں، ورنہ یہودی آپ کے بھتیجے کو قتل کرنے کی کوشش کریں گے کہ بحیرہ نے دیکھا تھا کہ جس بھی درخت یا پتھر کے قریب سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گزر ہوتا، وہی آپ کو سلام کرتا ہے۔ ¹

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "بلاشبہ میں اُس پتھر کو پہچانتا ہوں جو کہ بعثت سے پہلے مکہ مکرمہ میں مجھے (بکثرت) سلام کیا کرتا تھا۔ میں اُسے خوب پہچانتا ہوں۔" ² لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ وہ پتھر کونسا ہے۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ وہ پتھر کوچہ زقاق الحجر کا ہے جو سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر جاتے ہوئے راستے میں ایک دیوار میں لگا ہوا ہے۔ لوگ اسے چھو کر برکت حاصل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی وہ پتھر ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گزرنے کے وقت سلام عرض کیا کرتا تھا۔ ³

بعد از رحلت معجزات:

اس جگہ انتہائی اختصار سے بعض معجزاتِ نبوی کا ذکر کیا گیا ہے حق یہ ہے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سرِ انور کے بالِ شریفہ سے لے کر پائے اقدس کی خاک تک سراپا معجزہ ہیں، بلکہ رحلتِ مبارکہ کے بعد بہت سے معجزات ظہور پذیر ہوئے، جن میں دو یہ بھی ہیں:

شیخ الاسلام حضرت الشیخ شرف الدین ابوعبداللہ محمد بن سعید بن حماد البوصیری ⁴ (صاحبِ قصیدہ بُردہ شریف) سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ یہ مرض فالج میں مبتلا ہو گئے جس سے ان کا نصف بدن بالکل بے حس و معطل ہو گیا۔ بہت سے حاذق اور نامی گرامی اطباء نے علاج کیا، مگر افاقہ نہ ہوا، بلکہ روز بروز کمزور سے کمزور تر ہوتے چلے گئے۔ یہ اپنی صحت و تندرستی سے

---

¹ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: خصائص کبریٰ ج ۱ اول، مواہب لدنیہ، مدارج النبوۃ جلد دوم ² صحیح مسلم
³ مدارج النبوۃ: ⁴ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں، جامع المعجزات، حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین، خصائص کبریٰ فی المعجزات خیر الوریٰ ⁴ بوصیر مضافاتِ مصر کی ایک بستی کا نام ہے۔ یہ آپ کا وطن ہے۔ آپ نے ۶۹۶ھ میں انتقال فرمایا۔

مایوس و غمگین بسترِ علالت پر پڑے بارگاہِ ربّ العزت میں اپنی شفایابی کے لیے ہمیشہ مصروفِ دعا رہتے۔ ایک بار اُن کے دل میں خیال پیدا ہوا کیوں نہ اپنے آقا و مولا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کی نعت و مدح میں کوئی قصیدہ ہی تصنیف کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایک قصیدہ نظم کیا۔ جب قصیدہ نظم کر چکے تو ایک شب خواب میں دیکھا کہ وہ یہ قصیدہ بارگاہِ حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم میں سنا رہے ہیں اور خود حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم سُن رہے ہیں اور نہایت محظوظ ہو رہے ہیں۔ جب علامہ شرف الدین بوصیری علیہ الرحمہ قصیدہ پڑھتے پڑھتے اس شعر پر پہنچے ؎

كَمْ اَبْرَاَتْ وَصِبًا بِاللَّمْسِ رَاحَتُهٗ

وَاَطْلَقَتْ اَرَبًا مِّنْ رِّبْقَةِ اللَّمَمِ

ترجمہ: "بار ہا محض آپ کا دستِ مقدس چھونے سے ہی بیمار شفایاب ہو گئے اور بہت سے محتاج مجنون محض آپ کے دستِ مقدس کے طفیل رشتۂ دیوانگی سے رہا ہو گئے۔"

یہ سنتے ہی حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے اپنا دستِ شفا شرف الدین بوصیری کے مفلوج و اپاہج جسم پر پھیرا اور ایک بردیمانی (یمنی چادر) عطا فرمائی۔ جب شرف الدین بیدار ہوئے تو خود کو بالکل تندرست و توانا اور جسم صحیح و سالم پایا، گویا کہ انہیں کبھی کوئی مرض لاحق ہوا ہی نہیں تھا اور وہ خواب میں عطا فرمودہ بردیمانی (یمنی چادر) بھی فی الواقع جسم پر موجود تھی۔ اس پر شیخ بوصیری اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے اور بارگاہِ نبوی سے عطا فرمودہ چادر کو انتہائی احترام سے تہ کر کے صندوق میں رکھ دیا اور اس واقعہ کا تذکرہ کسی سے بھی نہ کیا۔ صبح کو شیخ بوصیری کسی کام کی غرض سے بازار تشریف لے جا رہے تھے کہ کسی نے آواز دے کر پکارا "اے شرف الدین ذرا ٹھہرو" آپ رُک گئے۔ آواز دینے والے ایک بزرگ صورت شخص تھے۔ وہ قریب آئے اور فرمایا "شرف الدین مجھے آپ کے قصیدہ

کی نقل چاہیے"۔ حضرت شرف الدین بوصیری نے کہا کہ میں نے تو کئی قصائد لکھے ہیں، آپ کو کس قصیدے کی نقل چاہیے۔ نووارد بزرگ نے کہا کہ جس قصیدہ کی ابتدا سے

أَمِنْ تَذَكُّرِ جِيرَانٍ بِذِي سَلَمِ
مَزَجْتَ دَمْعًا جَرَىٰ مِنْ مُّقْلَةٍ بِدَمِ

سے ہوتی ہے۔ شیخ بوصیری نے کہا، میرے اس قصیدہ کی تو کسی کو خبر ہی نہیں۔ آپ کو کیسے اطلاع ہو گئی؟ نووارد بزرگ فرمانے لگے "شرف الدین جب بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تجھے چادر عطا ہو رہی تھی، اُس وقت میں بھی وہاں موجود تھا اور دیکھ رہا تھا کہ میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام تیرا قصیدہ سُن رہے ہیں اور جھوم رہے ہیں" اس بزرگ نے خواب کا تمام واقعہ من و عن بیان کر دیا، چنانچہ شرف الدین بوصیری نے ان کو اس قصیدہ کی نقل دے دی اسی دن سے "یہ قصیدہ بُردہ شریف یعنی چادر والا قصیدہ" کے نام سے مشہور ہو گیا۔ شدہ شدہ یہ خبر ملک ظاہر کے وزیر شیخ بہاء الدین کو پہنچی، تو وہ نہایت حُسنِ عقیدت اور احترام سے حضرتِ شیخ شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قصیدہ کو سُنا اور احتراماً اپنے سر پر رکھا۔ وزیر مذکورہ کے نائب جن کا نام سعد الدین یا شرف الدین فارانی تھا، نابینا ہو گئے تھے۔ انہوں نے ایک شب خواب میں رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارتِ باسعادت سے مشرف ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ وزیر سے قصیدہ لے کر آنکھوں پر مل لو، اللہ تعالیٰ شفا دے گا، چنانچہ انہوں نے بتعمیل ارشادِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام وزیر موصوف سے قصیدہ لے کر آنکھوں پر ملا تو فوراً بینا ہو گئے۔[1]

فللّٰہ الحمد علیٰ ذٰلک۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب نے فرمایا، ایک بار مجھے بخار آ گیا، اس بیماری نے اس قدر طول پکڑا کہ میں زندگی سے نااُمید ہو گیا۔ ایک دن مجھے اونگھ سی آئی تو میں نے خواب میں حضرت شیخ عبدالعزیز دہلوی علیہ الرحمہ

[1] دیباچہ قصیدہ بُردہ شریف

کو دیکھا وہ فرما رہے ہیں کہ بیٹا حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمہاری عیادت کے لیے تشریف لا رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس طرف سے تشریف آوری ہو، جبکہ تمہارے پاؤں بھی اس طرف ہی ہیں، تم اپنی چارپائی کو اس طرح کر لو کہ تمہارے پاؤں اس طرف نہ ہوں۔ تھوڑی دیر بعد مجھے افاقہ ہوا، مگر بات کرنے کی طاقت نہیں تھی۔ میں نے حاضرین کو اشارہ کیا۔ انہوں نے میری چارپائی کی سمت تبدیل کر دی۔ اسی وقت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا، کَیْفَ حَالُکَ یَا بُنَیَّ "یعنی بیٹا تیرا کیا حال ہے؟" ان الفاظ کی حلاوت مجھ پر غالب آ گئی۔ عجیب عالمِ وجد میں میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے اس طرح گود میں لے لیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ریش انور میرے سر پر تھی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قمیص مبارک میرے آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ آخر آہستہ آہستہ اس وجد کو سکون آ گیا۔ پھر میرے دل میں خیال گزرا کہ ایک عرصے سے مجھے موئے مبارک کی آرزو ہے کس قدر یہ عظیم کرم ہو اگر اس قسم کی کوئی چیز عنایت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرے دل کے اس خیال سے واقف ہو کر اپنی ریش مبارکہ پر ہاتھ پھیرا اور دو بالِ مبارک مجھے عنایت فرما دیئے۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ بالِ مبارک بیداری میں بھی میرے پاس ہوں گے؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے اس خیال سے بھی واقف ہو گئے اور فرمایا، ہاں یہ دونوں بال بیداری میں بھی تمہارے پاس ہوں گے۔ پھر آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے صحتِ کلی اور طویل زندگی کی بشارت دی۔ پھر مجھے ہوش آیا تو میں نے چراغ طلب کیا اور دیکھا تو میرے ہاتھوں میں بالِ مبارک نہیں تھے۔ میں نہایت غمگین ہوا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں توجہ کی، تو مجھ پر دوبارہ غنودگی سی طاری ہو گئی۔ اسی عالم میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نظر آئے انہوں نے فرمایا، "بیٹا! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے دونوں بال تیرے تکیہ کے نیچے بطورِ احتیاط رکھ دیئے ہیں، وہاں سے لے لینا۔" آنکھ کھلنے پر میں نے ان مبارک بالوں کو تکیہ کے نیچے پایا، اس کے بعد میرا بخار تو جاتا رہا البتہ کمزوری

باقی تھی۔ اقربا نے سمجھا کہ یہ شاید موت کی بر ودت ہے، اس لیے وہ سب رو رہے تھے۔ میں انہیں سر کے اشارہ سے منع کر رہا تھا، کیونکہ مجھ میں بات کرنے کی طاقت نہیں تھی۔ تھوڑی دیر بعد میری اصلی حالت لوٹ آئی اور مجھے صحتِ کلی حاصل ہوگئی۔ میں نے اُن بالوں کو نہایت ہی عزت و احترام سے محفوظ کر لیا۔

ان موئے مبارک میں یہ خصوصیت تھی کہ یہ دونوں آپس میں گتھے ہوتے تھے لیکن جب ان کے قریب دُرود شریف پڑھا جاتا تھا، تو دونوں الگ الگ ہو کر تن جاتے۔ ایک بار تین آدمی جو اس بات کے منکر تھے، انہوں نے آزمانا چاہا، مگر میں انہیں اس بے ادبی کی اجازت نہیں دینا چاہتا تھا۔ لیکن مناظرہ نے طول پکڑا، تو ہم بطورِ امتحان موئے مبارک دُھوپ میں لے گئے تو اسی وقت بادل کا ایک ٹکڑا آیا اور ان پر سایہ فگن ہوگیا، حالانکہ دُھوپ بڑی تیز تھی اور بادل کا موسم بھی قطعاً نہیں تھا۔ ان میں سے ایک آدمی نے تو توبہ کر لی، مگر دوسرے نے کہا یہ محض اتفاقی بات ہے۔ دوسری مرتبہ پھر دھوپ میں نکالا گیا، تو دوبارہ بادل کا ایک ٹکڑا سا ظاہر ہوا اور موئے مبارک پر سایہ کر دیا، چنانچہ دوسرا بھی مان گیا، لیکن اُن کا تیسرا ساتھی ابھی تک بضد تھا کہ یہ اتفاقاً ایسا ہوا نہ کہ لازماً۔ لہٰذا ایک بار پھر آزمایا گیا تو اس بار بھی بادل نے سایہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر تیسرے شخص نے بھی توبہ کر لی (تھوڑا سا آگے چل کر شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں) حضرت والد صاحب نے آخری عمر میں تبرکات تقسیم فرمائے تو ان دونوں بالوں میں سے ایک مجھے بھی عنایت فرمایا۔ والحمد للہ رب العالمین ؁ ۱

---

۱ - ٹھنڈک ؁ انفاس العارفین

بابِ سوم

پہلی کتبِ سماوی میں ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و واقعاتِ علماءِ اہلِ کتاب

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا تذکرہ پہلی کتب سماوی میں بھی فرمایا۔ قرآن پاک میں ارشاد گرامی فرمایا،

اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ (الاعراف، ۱۵۷) (وہ نبی) کہ جسے (یعنی جن کا ذکر) وہ لکھا ہوا پائیں گے۔ اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں۔

توراۃ و انجیل ہی کیا حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا شہرہ تو اُس وقت بھی تھا جب ابھی پہلے انسان (حضرت سیدنا آدم علیہ السلام) بھی معرضِ وجود میں نہ آئے تھے۔ خود حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: كُنْتُ نَبِیًّا وَّآدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ (و فی روایۃ الاخری) وَآدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ (بخاری فی التاریخ، احمد، حاکم، بیہقی، ابی نعیم فی دلائل النبوۃ) یعنی میں اُس وقت بھی نبی تھا، جبکہ آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ رُوح اور جسم کے درمیان تھے۔"

ابن عساکر نے حضرت کعب[1] احبار سے روایت کیا۔ . . . حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کو (بوقتِ رحلت یہ) وصیت فرمائی کہ اے میرے

---

[1] کعب احبار علماء یہود میں سے تھے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں دولتِ ایمان سے مشرف ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے سوال کیا کہ تم پہلے تو ایمان نہیں لاتے،

(باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

بیٹے! تم میرے بعد میرے خلیفہ ہو، تم تقویٰ اختیار کرو اور جب بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، اس کے ساتھ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ضرور کرو، کیونکہ میں نے ان کا اسمِ گرامی ساقِ عرش پر اس وقت لکھا ہوا دیکھا جب میں روح اور مٹی کی درمیانی حالت میں تھا۔ پھر میں نے تمام آسمانوں کا چکر لگایا، تو میں نے آسمانوں پر کوئی ایسی جگہ نہیں دیکھی، جہاں

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) اب کیوں اسلام لائے؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ تو انہوں نے جو جواب دیا، اسے علامہ سیوطی علیہ الرحمہ نے حافظ ابی نعیم کے حوالہ سے یوں نقل کیا، کعب احبار نے کہا کہ میرے والد تورات کے بہت بڑے عالم تھے۔ انہوں نے کوئی بات مجھ سے پوشیدہ نہ رکھی۔ جب اُن کی وفات کا وقت قریب آیا، تو انہوں نے مجھے بلایا اور کہا، میں نے اپنے علم کی کوئی بات تم سے پوشیدہ نہیں رکھی، ہاں البتہ تورات کے دو صفحات میں نے تم سے چُھپا لیے تھے، کیونکہ ان میں آنے والے نبی کا تذکرہ تھا، جس کی آمد کا وقت قریب آچکا ہے۔ میں نے وہ صفحات اس لیے تم سے چھپائے کہ کہیں تم کسی جھُوٹے نبی کے پیچھے نہ لگ جاؤ۔ میں نے ان صفحات کو اس طاقچہ میں رکھ کر اوپر سے مٹی کی لپائی کر دی ہے۔ تم ان کو ابھی نہ نکالنا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارا بھلا مقصود ہے اور آخری نبی ظاہر ہو گئے تو تم ان کے پیرو بن جاؤ گے۔" پھر میرے والد فوت ہو گئے، ہم نے انہیں دفنا دیا۔ اب مجھے ان صفحات کے دیکھنے کا شدید اشتیاق ہوا، چنانچہ میں نے انہیں نکال لیا۔ میں نے ان میں یہ مضمون پایا، لکھا ہوا تھا کہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں (صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وبارک وسلم) آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آپ کی جائے پیدائش مکہ اور جائے ہجرت یثرب (مدینہ طیبہ) ہے۔ آپ (علیہ السلام) نہ سخت مزاج ہیں نہ تُند خُو۔ اور نہ ہی بازاروں میں (بلا ضرورت) گھومتے پھرتے ہیں۔ بُرائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے ہیں (جرمِ ذاتی کو) معاف اور درگزر فرماتے ہیں۔ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی اُمت اللہ تعالیٰ کی بہت حمد کرنے والی ہے۔ یہ لوگ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی ثنا کرتے ہیں۔ ان کے نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہر حال میں مدد ہوگی۔ یہ لوگ پانی سے استنجا کرتے ہیں اور اپنی کمر کے درمیان تہبند باندھتے ہیں۔ ان کی انجیلیں (یعنی قرآن پاک) ان کے سینوں میں محفوظ ہیں۔ وہ آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہیں، گویا ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ یہ امت سب سے اوّل جنت میں داخل ہوگی۔" (باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

(حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا نام نہ لکھا ہو۔ میرے رب نے مجھے جنت میں کھما تو میں نے جنت میں کوئی محل اور کوئی دریچہ ایسا نہیں دیکھا کہ جس پر اسمِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نہ لکھا ہوا ہو۔ میں نے اسم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) حوروں کے سینوں پر، فرشتوں کی آنکھوں کی پتلیوں میں، شجرِ طوبیٰ اور شجرِ سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر لکھا دیکھا ہے۔ تم بھی کثرت سے اُن کا ذکر کرو، کیونکہ فرشتے بھی ہر وقت ان کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ (خصائص کبریٰ، جزاول)

حضرت عبداللہ بن سلام کا قبولِ اسلام

ابنِ عساکر نے تاریخ دمشق میں محمد بن حمزہ سے روایت کیا اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن سلام سے بیان کرتے ہیں کہ جب انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بارے میں سنا، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے لیے روانہ ہوئے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان (عبداللہ بن سلام) سے فرمایا تم عالم ابن سلام ہو، میں تمہیں (خدائے لم یزل) کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا توراۃ میں میرا تذکرہ موجود ہے؟؟ ابن سلام بولے پہلے آپ (علیک السلام) اپنے رب کے بارہ میں بتائیں۔ یہ سُن کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

(حاشیہ گزشتہ صفحہ سے) اس مضمون پر مطلع ہونے کے کچھ عرصہ بعد مجھے خبر ملی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے ہیں میں نے ایمان لانے میں تاخیر کی تاکہ اچھی طرح ثبوت مل جائے، پھر آپ (علیہ السلام) کی رحلت ہو گئی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہو گئے اور ان کے لشکر ہمارے شہروں تک پہنچے۔ میں نے دل میں کہا کہ میں اس وقت تک ان کے دین میں شامل نہ ہوں گا جب تک (مذکورہ تحریر کے مطابق) ان کی سیرت نہ دیکھ لوں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ عامل آ گئے۔ جب میں نے ان میں ایفائے عہد دیکھا اور دشمنوں کے مقابلہ میں خدا کی مدد دیکھی تو میں نے سمجھ لیا کہ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کا میں منتظر تھا۔ پھر ایک رات میں اپنے مکان کی چھت پر تھا کہ کسی کو یہ آیہ کریمہ تلاوت کرتے ہوئے سنا، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم مِّن قَبْلِ أَن نَّطْمِسَ وُجُوهًا (یعنی) اے لوگو جنہیں کتاب دی گئی مان لو اس کتاب کو جو ہم نے اب نازل کی جو اس کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو تمہارے پاس پہلے سے موجود تھی، اس پر ایمان لاؤ اس سے پہلے کہ ہم تمہارے چہرے بگاڑ کر پیچھے کی طرف کر دیں"۔ میں یہ آیات سُن کر اتنا ڈرا اور مجھے محسوس ہوا کہ کہیں صبح تک اللہ تعالیٰ میرا چہرہ ہی نہ بگاڑ دے اور پچھلی طرف گھما دے، چنانچہ صبح ہوتے ہی میں اسلام لانے کے لیے مسلمانوں کی طرف لپکا (خصائص، جزاول)

پر آثارِ نزولِ وحی طاری ہو گئے، چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیاتِ مقدسہ تلاوت فرمائیں، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ یہ آیات سُن کر ابن سلام کہنے لگے: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے دین کو تمام ادیان پر غالب فرمائے گا۔ تورات میں آپ (علیہ السّلام) کا وصف اس طرح مذکور ہے۔

"اے نبی! ہم نے آپ کو شاہد، مبشّر اور نذیر بنا کر بھیجا۔ آپ میرے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔ آپ (علیہ السلام) نہ ترش رُو ہیں اور نہ سخت مزاج نہ بازاروں میں پھرنے والے اور نہ ہی بُرائی کا بدلہ بُرائی سے دینے والے، بلکہ درگزر کرنے اور معاف کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس اس وقت تک نہ اٹھائے گا، جب تک کہ آپ کی تعلیم سے آپ کی امت دُرست نہ ہو جائے اور وہ سب لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نہ کہہ لیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے اندھوں کو بینا اور بہروں کو سننے کے قابل بناتا ہے اور تالے پڑے ہوئے دلوں کو کھولتا ہے۔" [۱]

مدارج النبوۃ میں یہ بھی ہے کہ عبداللہ بن سلام نے (ایمان لانے سے قبل) حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جو سوالات کیے، اُن میں یہ بھی تھے کہ ابنِ سلام نے عرض کیا بتایئے علامات قیامت کیا ہیں اور بتایئے کہ جنت میں جب حق تعالیٰ جل شانہ اہلِ ایمان کو کھانا کھلائے گا، تو وہ کھانا کیا ہوگا اور یہ بھی فرمایئے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ نسلِ انسانی میں کوئی بچّہ ماں کی اور کوئی بچہ باپ کی شکل جیسا کیوں ہوتا ہے؟ حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ یہ وہ سوالات تھے کہ جن کا علم انبیاء کرام ہی کو ہو سکتا ہے، چنانچہ حضور

[۱] علامہ سیوطی علیہ الرحمہ نے ابن عساکر سے ایک دوسری روایت نقل فرمائی۔ اس میں تقریباً وہی صفات ہیں جو کہ قبل ازیں حضرت کعب احبار کے اسلام لانے کے سلسلے میں حاشیہ میں درج ہو چکی ہیں ۱۲

رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے وحیِ الٰہی کے ذریعہ ان سوالات کے یہ جوابات مرحمت فرمائے۔ فرمایا: "قیامت کی سب سے پہلی نشانی یہ ہو گی کہ مشرق کی جانب سے ایک آگ نمودار ہو گی جو لوگوں کو مغرب کی طرف ہنکا کر لے جائے گی، جس طرح چرواہا بکریوں کو ہنکاتا ہے اور فرمایا، جنتیوں کے لیے سب سے پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی ہو گی اور یہ نہایت ہی لذیذ اور مرغوب ہو گی۔ تیسرے سوال کے جواب میں فرمایا مادرِ رحم میں جس کا نطفہ مقدم اور غالب ہو گا اُس کے مشابہ بچہ پیدا ہو گا۔ ان جوابات کو سنتے ہی حضرت عبداللہ بن سلام مشرف باسلام ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم یہود بہت جھوٹی اور بہتان تراش قوم ہے۔ باوجودیکہ یہ مجھے اپنا سردار اور جید عالم تسلیم کرتے ہیں اور میرے والد کو بھی اپنا سردار اور جید عالم تسلیم کرتے تھے لیکن جب وہ سُنیں گے کہ میں ایمان لے آیا ہوں، تو بہتان تراشی کریں گے اور اپنے اعتقاد کے خلاف کہیں گے۔ چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ میرا اسلام اُن پر ظاہر ہونے سے قبل آپ اُن کا امتحان لیں اور ملاحظہ فرمائیے کہ میرے متعلق ان کا کیا خیال ہے؟ اس پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عبداللہ کو ایک پوشیدہ مقام پر بٹھا دیا اور یہودیوں کو طلب فرما کر ان کو وعظ و نصیحت فرمائی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ہوں۔ تم نے یہ تورات میں پڑھا بھی ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ تم ایمان نہیں لاتے؟ یہودی بولے: "ہم نہیں جانتے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔" پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، "اچھا بتاؤ عبداللہ بن سلام کیسے شخص ہیں؟" وہ کہنے لگے: "وہ ہمارے سردار، ہمارے سردار کے لختِ جگر، ہم میں سے بہت بڑے عالم اور سب سے زیادہ علم والے کے فرزند۔ ہمارے پیشوا، ہم میں سے بہترین، ہم میں سے دانا اور دانا ترین شخص کے فرزند ہیں، وہ اور ان کے آباؤ اجداد ہم میں سے بہترین ہیں۔" یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، اچھا پھر یہ بتاؤ کہ اگر وہ ایمان

لے آئیں۔" یہودی بولے "حق تعالیٰ ان کو محفوظ رکھے، وہ کیوں ایمان لائیں گے۔" حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو بار بار دہرایا اور وہ مذکورہ بالا جواب ہی دیتے رہے۔ اس کے بعد فرمایا: اے ابن سلام باہر آؤ۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے اور فرمانے لگے، اے گروہ یہود خدائے لم یزل سے ڈرو اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آؤ، کیونکہ یقینی طور پر جانتے ہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ یہ سن کر یہودی بولے: "تم جھوٹے ہو ہم نہیں جانتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔" اور حضرت ابن سلام کے متعلق کہنے لگے، یہ ہم میں بدترین ہیں اور بدترین کے فرزند ہیں یہ خود جاہل ترین اور جاہل ترین کے فرزند ہیں۔" حالانکہ وہ اسی نشست میں تھوڑی دیر پہلے حضرت ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔

سلمہ بن سلامہ کا قبولِ اسلام

ابنِ اسحاق، احمد، بخاری، حاکم، بیہقی، طبرانی اور ابی نعیم محمود بن لبید سے بیان کرتے ہیں اور وہ سلمہ بن سلامۃ بن دقش سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ ہمارے ہاں ایک یہودی تھا۔ ایک مرتبہ وہ (قبیلہ) بنو عبد اشہل میں آیا اور مرنے کے بعد زندہ ہونے، قیامت، جنت، دوزخ، حساب اور میزان کا ذکر کرنے لگا۔ وہ ان باتوں کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثتِ کریمہ سے قبل بت پرستوں سے کر رہا تھا اور وہ بت پرست مرنے کے بعد زندہ ہونے کے قائل نہ تھے، چنانچہ اس کی باتیں سن کر لوگ کہنے لگے کہ کیا ایسا بھی ممکن ہے کہ لوگ مرنے کے بعد زندہ ہوں اور اپنے اعمال کے مطابق جنت یا جہنم میں داخل کیے جائیں گے؟ یہودی نے کہا: "ہاں!" اور قسم کھا کر کہنے لگا: "اگر تم اپنے گھروں میں بہت بڑی آگ جلا کر مجھے اس میں دھکیل دو اور پھر میری راکھ مٹی میں ملا دو، پھر بھی میں کل کو زندہ ہو جاؤں گا۔" لوگوں نے پوچھا: "اچھا اس کی کوئی نشانی بیان کرو۔"

یہودی بولا: "ملک کی اس جانب سے ایک نبی مبعوث ہوگا۔" یہ کہہ کر اس نے مکہ اور یمن کی طرف اشارہ کیا۔ حاضرینِ مجلس نے دریافت کیا: یہ نبی کب تشریف لائیں گے؟ یہودی نے میری

طرف دیکھ کر کہا اور میں (تقریباً) سب سے چھوٹا تھا ــــ کہ اگر اس نوجوان کی عمر پوری ہوئی تو یہ ضرور اُس کو پالے گا، چنانچہ اس واقعہ کے چند ہی روز بعد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مبعوث ہو گئے (پھر مدینہ طیبہ تشریف لائے) ہم (یہودی کی بتائی ہوئی نشانیاں دیکھ کر) ایمان لے آئے اور وہ یہودی جو کہ ابھی زندہ تھا، محض سرکشی اور عناد کی وجہ سے کفر پڑا رہا۔ ہم نے اُس سے کہا کہ تو تو ایسا کہا کرتا تھا۔ یہودی کہنے لگا وہ دراصل کسی اور کے لیے کہتا تھا، ان کے لیے نہیں۔ (خصائصِ کبریٰ جزاول)

محمد بن عدی کا واقعہ

بیہقی، طبرانی، ابونعیم اور خرائطی خلیفہ بن عبدۃ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے محمد بن عدی بن ربیعہ سے سوال کیا کہ دورِ جاہلیت میں تمہارے باپ نے تمہارا نام محمد کیوں رکھا؟ وہ کہنے لگا میں نے اپنے باپ سے پوچھا تھا، تو انہوں نے بتایا کہ بنی تمیم کے چار اشخاص میں، سفیان بن مجاشع، یزید بن عمرو اور اسامہ بن مالک، شام کے سفر پر روانہ ہوئے، وہاں پہنچ کر ہم ایک تالاب کہ جس کے گرد خوب گھنے درخت تھے، رک گئے۔ ہمارے پاس ایک راہب آیا اور بولا "تم کون لوگ ہو؟" ہم نے کہا، ہم قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے ہیں۔" اُس نے کہا تم میں عنقریب ایک نبی ظاہر ہوگا جلدی جاؤ اُس کی پیروی کرو، کیونکہ وہ خاتم النبیین ہیں۔" ہم نے پوچھا، اُس کا نام کیا ہے؟ اُس نے بتایا، اُس کا نام محمد ہے۔" چنانچہ جب ہم گھر پہنچے تو ہم نے اپنے اپنے نومولود بچے کا نام محمد رکھ دیا (کہ شاید یہ ہی نبی ہو) (خصائصِ کبریٰ، جزاول)

حضرت سلمان فارسی کا قبولِ اسلام

ابن سعد، بیہقی اور ابونعیم ابن اسحٰق سے وہ عاصم بن عمر بن قتادہ سے وہ محمود بن لبید سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی نے بیان کیا کہ میرا باپ کسان تھا اور مجھ سے شدید محبت کرتا تھا، مجھے گھر سے باہر نہ جانے دیتا۔ ہم آگ کی پوجا کرتے تھے اور آگ میرا باپ جلایا کرتا تھا۔ مجھے مجوسیت کے سوا کسی مذہب کی خبر نہ تھی

ایک دن میرے باپ نے مجھے بُلایا اور کہا کہ بیٹے! زمین کا کچھ پتہ نہیں، اس کی خبر لینا ضروری ہے۔ تم زمین پر جاؤ اور لوگوں کو کام بتا کر جلدی واپس آجانا، کیونکہ میں تمہارے بغیر پریشان ہو جاتا ہوں، چنانچہ میں زمین کی طرف روانہ ہو گیا، راستے میں مجھے ایک کلیسا ملا، جس سے آوازیں آرہی تھیں۔ میں نے لوگوں سے اس کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے بتایا کہ عیسائی نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں نے اندر جا کر دیکھا تو نماز کا منظر مجھے بڑا خوشگوار محسوس ہوا۔ میں غروبِ آفتاب تک وہیں بیٹھا رہا۔ میرے باپ نے میری تلاش میں کئی افراد کو بھیج رکھا تھا، جبکہ میں زمین پر گیا ہی نہ تھا۔ جب میں شام کو گھر گیا، تو میرے باپ نے دریافت کیا کہ اتنی دیر کیوں لگائی جلدی واپس کیوں نہ آتے؟

میں نے کہا کہ میں نے عیسائیوں کو دیکھا ہے، اُن کی نماز اور دُعا مجھے بہت پسند آئی، چنانچہ میں اُسی جگہ بیٹھا انہیں دیکھتا رہا۔ میرا باپ بولا "تیرا اور تیرے باپ دادا کا دین اُن سے بہتر ہے۔ میں نے کہا نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا، انہی کا دین بہتر ہے، کیونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، اُسی کو پکارتے ہیں اور اُسی کی نماز پڑھتے ہیں، جبکہ ہم اس آگ کی پوجا کرتے ہیں، جسے ہم خود جلاتے ہیں اور جب چھوڑ دیتے ہیں، تو بجھ جاتی ہے۔

میرا باپ میری باتیں سُن کر میری طرف سے خائف ہو گیا اور مجھے پا بہ زنجیر کر کے گھر میں ڈال دیا۔ میں نے کسی کے ذریعے عیسائیوں سے دریافت کیا کہ تمہارا مذہب کہاں سے حاصل کروں۔ انہوں نے بتایا کہ شام جاؤ۔ اس پر میں نے پیغام بھیجا کہ جب شام سے کوئی قافلہ آئے تو مجھے مطلع کر دیں، چنانچہ جب شام سے تجارتی قافلہ آیا، تو انہوں نے مجھے خبر کر دی، اور جب قافلہ واپس ہوا، میں بھی فرار ہو کر اُن سے جا ملا اور شام پہنچ گیا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ اس مذہب کا سب سے بڑا عالم کلیسا کا پادری ہے۔ چنانچہ میں کلیسا میں پہنچا اور پادری سے وہاں رہنے، عبادت کرنے اور تعلیم حاصل کرنے کی اجازت مانگی۔ پادری نے اجازت دے دی اور میں نے اُس کے ساتھ رہنا شروع کر دیا، مگر وہ زیادہ اچھا آدمی نہیں تھا

لوگوں کو صدقات و خیرات کی تعلیم دیتا اور جب لوگ مال و دولت اس کے پاس لاتے، تو پادری غریبوں میں تقسیم کرنے کی بجائے خود رکھ لیتا۔ مجھے اُس کا یہ فعل سخت ناپسند تھا۔ جب پادری مرگیا اور لوگ اُس کی تدفین کو جمع ہوئے، تو میں نے حقیقتِ حال واضح کردی۔ لوگوں نے مجھ سے دلیل مانگی، تو جواباً میں نے اُس کا خزانہ اُن کو دکھا دیا اور یہ سات مٹکے تھے، جن میں سونا اور چاندی بھرا ہوا تھا۔ اُس کی یہ حرکت دیکھ کر لوگوں نے اُسے دفن کرنے کی بجائے اُسے ایک لکڑی سے لٹکا کر پتھر مارے۔ اس کے بعد ایک اور شخص کو پادری بنا دیا گیا۔ خدا کی قسم! میں نے اُس جیسا نمازی نہیں دیکھا تھا، وہ بڑا عابد و زاہد اور شب و روز عبادت میں مشغول رہتا، وہ مجھے بہت پسند آیا اور میں اُس کی خدمت میں لگا رہا، یہاں تک کہ وہ قریب المرگ ہوگیا، تو میں بہت پریشان ہوا اور اُس سے کہا کہ اب میں کیا کروں اور کہاں جاؤں۔ اُس نے کہا "موصل میں فلاں شخص ہے، اُس کے پاس چلے جاؤ، اسے میرے جیسا ہی پاؤ گے۔" غرض اس پادری کی وفات کے بعد میں موصل چلا گیا اور اُس پادری سے ملا تو یہ بھی پہلے پادری کی طرح عابد و زاہد اور نیک آدمی تھا، میں نے اسے اپنا واقعہ سُنایا اور اُس کے پاس رہنے لگا۔ جب وہ قریب المرگ ہوا، تو اُس نے مجھے نصیحت کی اور کہا "میرے بیٹے! نصیبین میں ایک شخص ہے اور وہ بھی ہماری ہی طرح کا ہے، اُس کے پاس چلے جاؤ، چنانچہ اس کی وفات کے بعد میں نصیبین آگیا اور اس پادری کو بتایا کہ مجھے فلاں پادری نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، چنانچہ اُس نے مجھے اپنے پاس رکھ لیا، یہاں تک کہ اس کا آخری وقت آگیا، تو میں نے اُس سے دریافت کیا کہ اب آپ مجھے کس کے پاس بھیجیں گے؟ اُس نے کہا کہ "سرزمین روم میں عموریہ کے مقام پر ایک شخص ہم جیسا ہے، اس کے پاس چلے جانا۔" بہرحال اس پادری کی وفات کے بعد میں عموریہ پہنچ گیا اور یہ شخص بھی بہت عابد و زاہد اور خدا ترس انسان تھا۔ یہاں میں نے کچھ محنت و مزدوری بھی شروع کردی۔ اس طرح میرے پاس کچھ بکریاں اور گائیں جمع ہوگئیں، مگر جب اُس کی وفات کا وقت قریب

آیا، تو میں نے اس سے دریافت کیا کہ میری رہنمائی فرمایئے اور بتایئے کہ میں کہاں جاؤں؟ وہ کہنے لگا،

"اے بیٹے! اب کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کے پاس تجھے بھیج دوں، مگر ایک نبی کی آمد کا زمانہ قریب ہے، وہ حرم مکہ میں پیدا ہوگا اور کھجوروں والی شور زمین ہجرت فرمائے گا۔ اُن کی نبوت کی کھلی کھلی نشانیاں ہوں گی۔ اُن کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی، وہ ہدیہ تو کھائیں گے، مگر صدقہ تناول نہ فرمائیں گے۔ اگر تم سے ہو سکے، تو وہاں پہنچ جاؤ، کیونکہ ان کی بعثت کا زمانہ نہایت قریب ہے۔"

اس برگزیدہ شخص کی وفات کو چند ہی روز ہوئے تھے کہ بنو کلب کے تاجروں کا ایک قافلہ کا ادھر سے گزر ہوا۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ مجھے اپنے ساتھ سرزمین عرب لے چلو اور اُجرت میں میرے جانور لے لو۔" میرے قافلے والوں نے میرے ساتھ زیادتی کی کہ میرے جانور ضبط کر لیے اور مجھے بھی وادی قریٰ کے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جب میں نے وادی قریٰ میں کھجوروں کے درخت دیکھے، تو یہی خیال کرتا رہا کہ یہ وہی سرزمین ہے جس کے متعلق اُس پادری نے مجھے بتایا تھا۔ پھر بنی قریظہ کا ایک شخص وادی قریٰ میں آیا۔ اس نے مجھے خرید لیا اور مدینہ لے آیا۔ خدا تعالیٰ کی قسم جوں ہی میں نے مدینہ دیکھا تو میں نے اس سرزمین کو پہچان لیا۔ بہرحال میں ایام غلامی گزارتا رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں مبعوث ہو چکے تھے، مگر مجھے خبر نہ ہوئی یہاں تک کہ ایک دن میں اپنے مالک کے باغ میں کام کر رہا تھا کہ اس کا بھتیجا آیا اور کہنے لگا، بنی قیلہ کا ناس ہو، مکہ سے ایک شخص ہجرت کر کے قبا میں آیا ہے اور یہ سب قبا میں اس کے گرد اکٹھے جمع ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ یہ (آنے والا) خدا تعالیٰ کا نبی ہے۔"

یہ خبر سنتے ہی مجھ پر لرزہ سا طاری ہو گیا اور میں خود پر قابو نہ رکھ سکا، گرنے سے بچنے کے لیے، اپنے مالک کا سہارا لیے ہوئے میں نے کہا، "یہ کیسی خبر ہے؟" میرے مالک نے مجھے ایک

گھونسا مارا اور کہا، تجھے کیا؟ تو اپنا کام کر۔ میں نے کہا کچھ بھی نہیں۔ باقی میں نے ایک خبر سنی، تو مجھے اس کے جاننے کا شوق ہوا۔ بہرکیف میں وہاں سے نکلا، تو مجھے میری ہم وطن ایک عورت مل گئی، اُس کا سارا گھرانا اسلام لے آیا تھا، اس نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پتہ دیا۔ میرے پاس تھوڑا سا کھانا تھا، وہ لے کر میں قبا کی طرف روانہ ہوگیا۔ خدمتِ فیض درجت میں حاضر ہوا، تو میں نے عرض کیا، "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نیک بندے ہیں اور پردیسی ہیں، اس لیے یہ کھانا بطورِ صدقہ حاضرِ خدمت ہے، قبول فرمایئے۔" حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا ہاتھ روک کے رکھا اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا: "تم کھالو۔" میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایک علامت تو دیکھ لی میں تو واپس آگیا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ میں نے کچھ عرصہ پھر کچھ جمع کیا اور حاضرِ خدمت ہوگیا اور عرض کیا کہ "یہ لیجیے یہ ہدیہ ہے قبول فرمایئے۔" آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے قبول فرما کر خود بھی تناول فرمایا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابیوں نے بھی۔ میں نے دل میں کہا یہ دوسری نشانی بھی پوری ہوئی ——— چند روز بعد خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دو اُونی چادریں زیب تن فرما رکھی تھیں اور ایک جنازے کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے، میں گھوم کر پیچھے آیا تاکہ مُہرِ نبوت دیکھ سکوں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میرے دلی ارادہ کو جان گئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی چادر کھسکا دی۔ مُہرِ نبوت کی زیارت کرتے ہی (فرطِ جذبات سے) میں رونے لگا اور مہرِ نبوت کو چومنے لگا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا، "سلمان! میرے سامنے آؤ۔" میں سامنے حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے گزشتہ واقعات سنانے کا حکم دیا۔ میں تمام واقعات سُنا چکا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "سلمان تم مکاتبت[1] کرلو۔" میں نے اپنے مالک سے

---

[1] مکاتبت یہ ہوتی ہے کہ غلام اپنے آقا سے کوئی معاملہ طے کرتا ہے کہ میں تمہیں کیا کیا کر کے دوں یا تمہارا کیا کام کردوں تو تم مجھے آزاد کردو گے، چنانچہ مالک جتنی رقم یا کام پر چاہے اپنے غلام سے تحریری معاہدہ کرلیتا اور معاہدہ کے مطابق غلام کو آزادی مل جاتی ہے۔ ۱۲

"مکاتبت" کرنا چاہی، تو اُس نے تین سو کھجوروں کے درخت لگانے، یہاں تک کہ اُن کو پھل لگے اور چالیس اوقیہ سونے کے عوض مکاتبت کرنے کو کہا[1]۔ میں نے خدمت انور میں یہ واقعہ عرض کر دیا چنانچہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اپنے بھائی سے تعاون کرو۔ اس پر کسی نے دس، کسی نے بیس، کسی نے تیس پودے مجھے دے دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا کہ ان پودوں کے لیے گھڑے کھودلو اور جب کھود چکو تو مجھے اطلاع دینا، چنانچہ میں گھڑے کھودنے لگا اور اس کام میں صحابہ کرام نے بھی میری مدد کی۔ جب ہم فارغ ہو گئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے۔ ہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو پودے اُٹھا اُٹھا کر دیتے رہے اور حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم انہیں گھڑوں میں رکھتے اور مٹی برابر کرتے رہے۔ قسم ہے اُس ذات پاک کی کہ جس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، ان میں سے ایک پودا بھی ضائع نہیں ہوا، بلکہ تمام کے تمام اسی سال پھل لے آئے، سوائے ایک پودے کے جو کسی صحابی نے لگایا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس پودے کو اکھاڑا اور دوبارہ اپنے دستِ مبارک سے اُسی جگہ لگا دیا تو وہ پودا بھی اسی سال پھل لے آیا۔ اب میرے ذمہ صرف سونا باقی رہ گیا تھا۔ ایک دن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس کسی ۔ن سے کبوتر کے انڈے کے برابر سونا آیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "سلمان یہ لے لو اور جو کچھ تمہارے ذمہ ہے، ادا کر دو۔" میں نے عرض کیا "یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) اس سے میری ادائیگی کس طرح ہو گی[2]؟" آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ اسی

---

[1] دراصل یہودی مالک نے اپنے خیال میں حضرت سلمان کو ایسی الجھن میں پھنسا دیا تھا کہ پوری زندگی بھی بیت جائے، اور یہ آزاد ہونے کے لالچ میں کام بھی زیادہ سے زیادہ کریں، کیونکہ اول تو کھجور کا درخت بوئے جانے کے کئی سال بعد تک پھل نہیں دیتا اور جب تک تین سو کھجور کے درخت پھل نہ لائیں گے، ان کی جان نہیں چھوٹے گی، پھر چالیس اوقیہ سونا بھی کچھ کم مقدار نہیں کہ ایک اوقیہ تقریباً ایک اونس یعنی ۲½ تولہ کا ہوتا ہے، اتنا سونا جمع کرنا بھی کچھ آسان بات نہیں۔ گویا پوری زندگی غلام بھی رہیں گے اور محنت بھی خوب کریں گے [2] یعنی یہ تو بمشکل تمام آدھا اوقیہ ہو گا، جبکہ اسے چالیس اوقیہ دینا ہے۔ ۱۲

سے ادا کر دے گا۔" (چنانچہ میں اُس میں سے تول تول کر اپنے مالک کو دینے لگا تو) قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میں نے اپنے مالک کو چالیس اوقیہ سونا ادا کر بھی دیا، مگر ابھی تک میرے پاس اتنا ہی سونا موجود تھا۔ سُبحان اللہ تعالیٰ وبحمدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ دائمًا ابدًا) (خصائص کبریٰ جز اوّل وابن سعد)

عظیم عیسائی بادشاہ ہرقلِ رُوم کا تذبذب

ہجرت کے چھٹے (عند البعض ساتویں) سالِ حضور اکرم (فداہ امی وابی) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف بادشاہانِ زمانہ کی طرف خطوط ارسال فرمائے۔ ان بادشاہوں میں سے ہرقل روم کی طرف حضرت دِحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامۂ اقدس دے کر روانہ فرمایا۔ مکتوبِ گرامی کا مضمون اس طرح تھا،

"اللہ تعالیٰ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔ محمد [2] بن عبداللہ بندۂ خدا اور اُس کے رسول کی طرف سے ہرقل عظیم رُوم کی جانب، سلام ہو، اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ امّا بعد، میں تجھ کو اسلام لانے کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ تم سلامت رہوگے۔ مسلمان ہو جاؤ گے تو دوگنا اجر ملے گا۔ اگر نافرمانی کروگے، تو تمہاری رعایا کا گناہ تم پر ہوگا۔ اے اہلِ کتاب آؤ اس کلمہ کی طرف، جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ کے سوا رب نہ بنائیں (اب) تم اگر اعراض کرو تو کہہ دو، تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔"

ہرقل روم جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوب گرامی کے مضمون

---

[1] حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ۳۳ھ میں شہر مدائن میں انتقال ہوا۔ آپ کی عمر اڑھائی سو سال اور عند البعض ساڑھے تین سو سال ہوئی (اوّل قول زیادہ معتبر ہے) مشکوٰۃ۔ [2] صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

سے باخبر ہوا تو اس قدر مبہوت ہوا کہ اُس کی پیشانی پر پسینہ جاری ہو گیا[1] اور اس کی مجلس میں شور و غوغا برپا ہو گیا۔ ہرقل نے ارکانِ حکومت سے کہا "تلاش کرو کہ میری سلطنت میں کوئی ایسا شخص موجود ہے کہ جو اس مدعیٔ نبوت کی قوم سے ہو تاکہ میں اُس سے کچھ باتیں دریافت کروں"۔ اتفاقاً ابوسفیان بن حرب بغرضِ تجارت شام گیا ہوا تھا۔ ابی سفیان اب تک حضور علیہ السلام سے کئی لڑائیاں لڑ چکا تھا، لوگ اسے ہرقل کے پاس لے گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابی سفیان سے نقل کرتے ہیں: (ایمان لانے کے بعد ابی سفیان نے بتایا) جب ہم (اہل قافلہ) کو قیصرِ روم کے دربار میں پیش کیا گیا تو اُس نے (مترجم کے ذریعے) دریافت کیا کہ "تم میں سے کون اُس کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہے"۔ میں نے کہا کہ "میں ہوں" کیونکہ وہ میرے چچا کے بیٹے ہیں ــــــ گئے (ابی سفیان نے مزید بتایا کہ) مجھے ہرقل کے سامنے کھڑا کر دیا گیا اور میرے ہمراہیوں کو میرے پیچھے کھڑا کر دیا۔ ہرقل نے ترجمان (مترجم) کے ذریعے سے میرے ساتھیوں کو کہا کہ "میں ابی سفیان سے اُس مدعیٔ نبوت کے متعلق کچھ سوال کروں گا اگر یہ جھوٹ بولے تو تم اسے ٹوک دینا"۔ ابی سفیان کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی قسم اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میرے جھوٹ کو ظاہر کر دیا جائے

---

[1] یہ اس لیے کہ ہرقل پہلے ہی خائف و ترساں تھا، مکتوبِ گرامی ملنے سے قبل ہرقل اپنی منت پوری کرنے کیلئے بیت المقدس گیا ہوا تھا۔ ہرقل ماہر ستارہ شناس تھا، چنانچہ بیت المقدس میں وہ ایک دن سخت غمگین اور خبیث النفس ہو گیا تو ایک بطریق (عالم) نے اُس کے غم و اندوہ کے متعلق دریافت کیا۔ ہرقل نے کہا کہ "آج رات میں نے ستاروں کی روش اور ان کے احکام و اثرات پر غور کیا تو پتہ چلا کہ "ملک الختان" (یعنی اُس قوم کا بادشاہ، جس قوم میں ختنہ سنت ہے) کا ظہور ہو گیا ہے۔ قریب ہے کہ اُن کا دست تسلط ہم تک پہنچ جائے اور وہ ہم پر غلبہ پالیں"۔ مصاحبوں نے کہا کہ اس زمانہ میں تو یہودی ہی ختنہ کرتے ہیں، اس پر ہرقل نے حکم دیا "جہاں بھی یہودی ہو اسے قتل کر دو"۔ اسی دوران قیصر کو معلوم ہوا کہ ایک شخص نے عرب میں دعویٔ نبوت کیا ہے اور اُس کے عجیب عجیب نرالے واقعات کی خبریں آتی ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ وہ بھی ختنہ شدہ ہے۔ یہ سُن کر ہرقل نے کہا "ستاروں سے جس کے ظہور کا مجھے پتہ چلا ہے، وہ یہی شخص ہے"۔ اسی اثنا میں حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ مکتوبِ گرامی لے کر ہرقل کے پاس پہنچے (مدارج)

[2] اگرچہ اُس کی یہ بات درست نہ تھی، مگر وہ اپنے آپ کو قریبی ظاہر کرنا چاہتا تھا (مدارج النبوۃ)

گا، تو میں ضرور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر بہتان تراشی کرتا۔ ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ اس (ابوسفیان) سے سوال کر کہ "اس (مقدس) ہستی کا حسب و نسب تمہارے اندر کیسا ہے؟" میں نے کہا: "وہ ہمارے اندر صاحبِ حسب (یعنی بہت ہی شریف النسب) ہیں"۔ ہرقل نے کہا: "اُس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ ہوا ہے؟" میں نے کہا: "نہیں"۔ اُس نے پوچھا: "کیا اس دعویٰ نبوت سے قبل ان پر کسی نے جھوٹ کی کوئی تہمت لگائی[1]؟" میں نے کہا: "نہیں"۔ اُس نے پوچھا: "اُن کی اتباع بڑے اور امیر لوگ کرتے ہیں یا ضعیف و کمزور؟" میں نے کہا: "ضعیف اور کمزور لوگ ایمان لاتے ہیں۔ اُس نے پوچھا: "ایمان لانے والوں کی تعداد (دن بدن) زیادہ ہوتی ہے یا کم؟" میں نے کہا: "بلکہ زیادہ ہو رہی ہے"۔ اُس نے پوچھا: کیا کوئی شخص ان کے دین میں داخل ہو کر پھر اُسے ناپسندیدہ جان کر مُرتد ہوا ہے؟" میں نے کہا: "نہیں"۔ ہرقل نے پوچھا: "تم نے ان سے لڑائی کی؟" میں نے کہا: "ہاں!" اُس نے پوچھا: پھر تمہاری لڑائی کیسی رہی؟" میں نے کہا: "ڈول کی مانند، کبھی وہ کامیاب ہوتا ہے اور کبھی ہم"۔ اُس نے پوچھا: "کیا کبھی انہوں نے عہد شکنی کی؟" میں نے کہا: "نہیں"۔ البتہ اب معاہدہ (صلح حدیبیہ والا) ہوا ہے۔ دیکھیں اس میں کیا کرتے ہیں ......[2]" ابی سفیان نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! اس بات کے سوا میں کوئی بات بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف نہ کہہ سکا" ہرقل نے پوچھا: اس سے پہلے بھی کسی نے یہ دعویٰ کیا ہے؟" میں نے کہا: "نہیں"۔ پھر ہرقل نے ترجمان سے کہا: "ابوسفیان کو کہہ کہ میں نے تجھ سے اس شخص (مدعیٔ نبوت) کے حسب کے بارے میں پوچھا، تو نے کہا وہ عالی نسب ہیں، تو انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قوموں میں عالی نسب ہی ہوتے ہیں (تاکہ اُن پر ایمان لانے میں کسی کو عار نہ ہو) میں نے تجھ سے پوچھا کہ اُس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ تھا (تو نے جواب

---

۱ اللہ اکبر! جھوٹ تو ایک طرف رہا، کبھی جھوٹ کی تہمت بھی نہ لگی، حالانکہ تہمت جھوٹی کبھی بھی لگ سکتی ہے۔

۲ ابی سفیان نے بطورِ طنز حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معراج شریف کا ذکر بھی کیا تو ہرقل کے بطریق نے اس کی گواہی دی۔ ملاحظہ فرمائیں اس کتاب کے پہلے باب میں آیۂ سُبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ کے تحت ۱۲

دیا "نہیں"۔ اگر اُس کے باپ دادا سے کوئی بادشاہ ہوتا تو میں کہتا کہ یہ اپنے باپ دادا کا ملک حاصل کرنا چاہتا ہے۔ پھر میں نے اُس کے تابعداروں کے متعلق سوال کیا کہ سردار ہیں یا ضعیف تو نے کہا، "بلکہ ضعیف لوگ"۔ میں کہتا ہوں ٹھیک ہے (ابتداءً) ہمیشہ ضعیف لوگ ہی رسولوں کی پیروی کرتے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ اس سے قبل اُس پر کسی نے جھوٹ کی تہمت لگائی ہے تو نے کہا، "نہیں"۔ میں نے پہچان لیا کہ جو بندوں سے جھوٹ نہیں بولتا، وہ اللہ تعالیٰ پر کیونکر جھوٹ بولے گا۔ پھر میں نے پوچھا کہ اُس کے دین کو ناپسندیدہ خیال کرکے کسی نے چھوڑا؟ تو نے کہا، "نہیں"۔ پس میں جانتا ہوں کہ ایمان کی لذّت ہی ایسی ہوتی ہے جبکہ ایمان دلوں میں گھر کر جائے۔ پھر میں نے اُس کے فرمانبرداروں کے متعلق سوال کیا کہ بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟ تو نے جواب دیا، "زیادہ ہونے جا رہے ہیں"۔ اور اسی طرح دین و ایمان بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ کامل ہو جائے۔ پھر میں نے تجھ سے لڑائی کے متعلق سوال کیا، تو تُو نے بتایا کہ "یہ مثل ڈول کے ہے، کبھی وہ غالب رہتا ہے، کبھی ہم"۔ "اور ایسے ہی پیغمبروں کو آزمایا جاتا ہے، بالآخر فتح اُن ہی کی ہوتی ہے۔ پھر میں نے کہا کہ کبھی اُس نے عہد شکنی کی؟ تو نے جواب دیا "نہیں"۔ اور یقیناً پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں، وہ کسی سے عہد شکنی نہیں کرتے۔ پھر میں نے تجھ سے پوچھا "یہ دعویٰ اس سے پہلے (یعنی ان کے والد، چچا یا دادا جان) میں سے کسی نے دعویٔ نبوت کیا؟" تو نے جواب دیا، "نہیں"۔ اگر اس سے قبل اس کے کسی رشتہ دار نے یہ دعویٰ کیا ہوتا، تو میں کہتا کہ اس نے بھی اُسی کی پیروی کی ہے۔ ابوسفیان کا بیان ہے کہ ہرقل نے پوچھا، "وہ کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟" میں نے کہا، وہ ہم کو نماز اور زکوٰۃ اور صلہ رحمی اور حرام سے بچنے کے متعلق حکم دیتا ہے۔ ہرقل نے کہا، "اگر یہ بات سچ ہے جو تو کہتا ہے تو وہ سچا نبی ہے اور میں یہ جانتا تھا کہ ایک نبی پیدا ہونے والا ہے، لیکن میں یہ نہ جانتا تھا کہ وہ تم سے ہوگا۔ اگر میں جانتا کہ میں اس تک پہنچ سکوں گا، تو میں اس سے ملاقات کرتا۔ اگر میں اُن کے پاس ہوتا تو میں اُن کے قدم دھوتا اور اس کی حکومت کو غلبہ حاصل ہوگا۔ یہاں تک کہ میرے پاؤں کی زمین (یعنی میرے اس ملک اور محل) پر بھی غلبہ ہوگا۔ پھر ہرقل نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نامۂ اقدس منگوایا اور

اس کو پڑھا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔ باب علامات النبوۃ)

مدارج النبوۃ میں ہے کہ (اس کے بعد) ہرقل حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو خلوت میں لے گیا اور بولا: "خدا کی قسم، میں جانتا ہوں کہ وہ نبی مرسل ہیں اور یہ وہی نبی ہیں کہ جن کے ہم منتظر تھے اور جن کی صفات ہم نے کتب سماوی میں پڑھی ہیں، لیکن میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے پیروی کی تو رومی مجھے ہلاک کر دیں گے۔"

اس کے بعد ہرقل نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روم میں عیسائیوں کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا اور عالم "ضغاطر" کی طرف بھیجا۔ جب حضرت دحیہ کلبی ان کے پاس گئے، تو انہوں نے کہا: "خدا کی قسم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) نبی برحق ہیں اور یہ ہی وہ نبی ہیں کہ جن کی صفات ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھیں۔ ہم ان کی نبوت میں کوئی بھی شبہ نہیں رکھتے۔" اس کے بعد "ضغاطر" اٹھے اور کنیسہ (گرجا) میں آئے اور کہا: "اے اہلِ روم! احمدِ عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی جانب سے ہمارے پاس ایک نامۂ اقدس آیا ہے اس خط میں ہمیں دینِ حق کی دعوت دی گئی ہے۔ ان کی رسالت کی حقیقت آفتاب کی مانند روشن ہے۔ تم اقرار کر لو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کے رسول ہیں۔" یہ سنتے ہی اہلِ روم نے اپنے سب سے بڑے عیسائی عالمِ دین (حضرت) ضغاطر پر حملہ کر دیا اور ان کی تکہ بوٹی کر کے ان کو شہید کر دیا۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہرقل کے پاس لوٹ آئے اور تمام واقعہ سے آگاہ کر دیا۔ ہرقل نے کہا: "میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں نصاریٰ سے ڈرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کی قسم! ضغاطر قوم میں مجھ سے زیادہ باعزت بزرگ تھا۔ اہلِ روم مجھ سے کہیں زیادہ اُس کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے (یعنی اُس کا حال تم دیکھ چکے ہو) بعد ازاں ہرقل نے عظمائے رُوم کو اپنے قصر میں جمع کیا اور قصر کے دروازے بند کر دیئے، پھر خود محل کے بالا خانے سے اُن کو مخاطب ہوا کہ "اے سردارانِ رُوم میرے پاس نبی احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کا خط آیا ہے۔ یہی وہ نبی منتظر ہے کہ جن کا ہم کو انتظار تھا اور جن کا ذکر ہماری کتابوں میں موجود ہے اور جس کے زمانۂ ظہور کی نشانیاں ہمارے سامنے

آچکی ہیں، اس لیے تم اس نبی کی اتباع کرو تاکہ تمہیں دُنیا و آخرت میں سلامتی ملے۔ رُومیوں نے جب ہرقل کی زبانی یہ کلمات سُنے، تو بالاتفاق اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور شور و غل مچاتے ہوئے دروازوں کی طرف بھاگے، مگر دروازوں کو بند پایا۔ ہرقل نے دوبارہ اُن کو آواز دی اور کہا، "تم خاطر جمع رکھو، میں نے یہ باتیں اس لیے تم سے کہیں تاکہ تمہیں دیکھوں کہ تم اپنے دین پر کس قدر پختہ ہو۔ اب میں نے جان لیا ہے کہ تم ثابت قدم ہو۔" اس پر سب راضی ہو گئے اور ہرقل کو سجدہ کر کے واپس چلے گئے۔ (خصائص کبرٰی، مدارج النبوۃ)

حضرت شاہ نجاشی حاکمِ حبشہ و علماء نصارٰی کا قبولِ اسلام

۵؁ نبوی ماہِ رجب المرجب کو کفارِ مکہ کی جلادانہ بے رحمیوں اور عبرت خیز سفاکیوں سے تنگ آکر مظلوم مسلمانوں[1] نے حضور خواجۂ کونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کی اجازت سے حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی تاکہ چین اور سکون سے عبادت خداوندی کر سکیں لیکن جب قریش مکہ کو

[1] خیال رہے کہ حبشہ کی طرف تمام مسلمانوں نے نہیں، بلکہ تھوڑے سے مسلمانوں نے ہجرت فرمائی تھی۔ کفارِ مکہ اہلِ ایمان سے نہایت گھناؤنا سلوک کرتے اور بدترین سزائیں دیتے، مگر اُن کے پایۂ استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ آئی، اس کا اقرار اسلام کے دشمن عیسائی سیرت نگاروں نے بھی کیا۔ اس سلسلہ میں ہرقل روم کے یہ الفاظ بہت اہمیت کے حامل ہیں کہ "میں جانتا ہوں کہ ایمان کی لذت ہی ایسی ہوتی ہے جبکہ ایمان دل میں گھر کر جائے۔" جن مسلمانوں کو بہت زیادہ ستایا جاتا تھا، اُن میں چند ایک یہ ہیں،

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالٰی عنہ؛ قریشِ مکہ ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے۔ ایک دن کوئلے دہکا کر حضرت خباب رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اُن پر چت لٹا دیا اور ایک شخص اُن کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا تاکہ کروٹ نہ بدلیں، یہاں تک کہ کوئلے ٹھنڈے ہو گئے اور آپ کی پیٹھ اس قدر جل گئی شفایاب ہونے کے بعد بھی تمام پیٹھ برص کی طرح سفید تھی۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ؛ ان کو اُمیّہ بن خلف لوہے کی زرہ پہنا کر گرم ریت پر دُھوپ میں ڈال دیتا

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

اس ہجرت کی خبر ہوئی، تو انہوں نے فوراً عیسائی بادشاہ نجاشی کے پاس مختلف ہدایا اور تحفوں کے ساتھ ایک وفد بھیجا تاکہ اہلِ ایمان کے سکون کو برباد کیا جا سکے۔ وفد کے ارکان حبشہ پہنچ کر سب سے پہلے دربار

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) اور ان کے سینے پر بھاری بھاری پتھر رکھ دیتا تاکہ جنبش نہ کر سکیں اور تمام دن اسی طرح گرجا کبھی پانی میں آپ کو غوطے دیئے جاتے، کبھی آگ سے داغ دیئے جاتے، کبھی آپ کے گلے میں رسی باندھ کر بازاروں میں گھسیٹا جاتا، مگر آپ کے دل سے ایمان کی محبت نہ نکل سکی۔

حضرت یاسر، ان کے بیٹے عمار اور ان کی بیوی سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ سب دولتِ ایمان سے مشرف ہو گئے تو کفار نے ان کو بہت مارا۔ ایک دن جبکہ ان کو شدید تکالیف دی جا رہی تھیں، تو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو صبر کی تلقین فرمائی اور جنت کی بشارت دی۔ جب کسی بھی صورت ان حضرات کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے تو بدترین شخص ابوجہل لعین نے ایک بھیانک منصوبہ بنایا، چنانچہ اس بدبخت نے دوسرے کفار سے مل کر حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اتنا مارا کہ آپ شہید ہو گئے۔ آپ کی بیوی حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دو اونٹوں کے درمیان اس طرح باندھا کہ ایک ٹانگ ایک اونٹ سے اور دوسری ٹانگ دوسرے اونٹ سے باندھی۔ پھر ان کو دامنِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام چھوڑنے کی ترغیب دی، مگر اس پاکباز خاتون نے صاف انکار کر دیا، چنانچہ سفاک ظالم ابوجہل نے اونٹوں کو ایک دوسرے کی مخالف سمت دوڑانے کا حکم دیا اور اتنے زور سے برچھی ماری کہ حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جسم چیر کر دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ اسلام میں یہ پہلے دو شہید تھے۔ یہ تمام کارروائی اُن کے بیٹے حضرت عمار کے سامنے کی گئی اور خود حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اتنا مارا کہ وہ بیہوش ہو گئے ——— حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کفار مکہ ان کو اتنا مارتے کہ یہ حواس کھو بیٹھتے۔

حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ اسلام لانے کے جرم میں ان کے گلے میں رسی ڈال کر گرم ریت پر گھسیٹا جاتا۔ ان کے سینے پر اتنے بھاری بھاری پتھر رکھ دیتے کہ ان کی زبان باہر نکل آتی۔ ایک بار اُمیہ نے ان کا گلا اتنے زور سے دبایا کہ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ ان کی موت واقع ہو گئی۔

حضرت لبینہ، حضرت زنیرہ، حضرت نہدیہ، حضرت ام عبیس رضی اللہ تعالیٰ عنہن یہ سب کنیزیں تھیں، ان کو اتنا مارا جاتا کہ دیکھنے والے کو رحم آ جاتا۔ ایک بار حضرت زنیرہ کو ابوجہل لعین نے اتنا مارا کہ ان کی آنکھوں کی بینائی ضائع ہو گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سب اور حضرت بلال اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان کے مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیا تاکہ یہ آزادی کی زندگی گزار سکیں۔ ۱۲

پادریوں اور عالموں سے ملے، اُن کو تحائف اور نذرانے پیش کیے اور گزارش کی کہ کل نجاشی شاہ کے دربار میں ہماری طرفداری کریں۔ دوسرے روز قریشِ مکہ کا وفد نجاشی کے دربار میں پیش ہوا اور بیش قیمت تحائف نذر کیے۔ جب نجاشی خوش ہو گیا، تو وفد نے گزارش کی کہ حضور آپ کے ملک میں ہمارے ملک کے کچھ بھگوڑے ایک نئے مذہب کے پیروکار آ گئے ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ وہ آپ کے ملک میں فتنہ پھیلا دیں گے۔ ہم اس لیے آئے ہیں کہ ہمارے بھگوڑے ہمارے سپرد کیے جائیں۔ درباری علماء اور پادریوں نے بھی اس بات کی خوب خوب تائید کی۔ نجاشی کے حکم سے مسلمانوں کو دربار میں پیش کیا گیا۔ نجاشی نے سوال کیا "تم نے یہ کونسا دین ایجاد کیا ہے جو بُت پرستی اور عیسائیت دونوں کے خلاف ہے" یہ سُن کر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

"اے بادشاہ! ہم جاہل، بُت پرست، مُردار خور اور بدکار تھے۔ ہم ہمسایوں کو ستاتے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا اور قوی کمزوروں کو کھا جاتا۔ اسی اثناء میں ہم میں سے ایک شخص پیدا ہوا، جو انتہائی شریف، صادق اور امین ہے، اس نے ہم کو دعوتِ اسلام دی اور کہا کہ ہم بُت پرستی نہ کریں، سچ بولیں، خوں ریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسائیوں کو آرام دیں، عفیف و پاک دامن پر بدنامی کا دھبہ نہ لگائیں۔ نماز پڑھیں، روزے رکھیں اور زکوٰۃ (صدقات) دیں، ہم اُس پر ایمان لے آئے، شرک اور قبیح باتوں کو ترک کر دیا۔ اب ہماری قوم ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم اسی گمراہی میں لوٹ آئیں" نجاشی نے کہا، "جو کلام تمہارے پیغمبر پر اُترا ہے، اس میں سے کچھ سناؤ۔" جواباً حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۂ مریم کی چند آیات پڑھیں، جنہیں سُن کر نجاشی پر رقت طاری ہو گئی اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ یہی حال دربار میں موجود اکثر علماء اور پادریوں کا تھا۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش ہوئے تو شاہِ نجاشی نے کہا، "خدا کی قسم یہ کلام اور انجیلِ مقدس ایک ہی مشکوٰۃ سے نکلے معلوم ہوتے ہیں" یہ کہہ کر وفدِ قریش کے تحائف ان کو واپس کر دیئے اور کہا، "میں ان مظلوموں کو ہرگز واپس نہیں کروں گا۔" دوسرے روز اہلِ وفد نے بعض پادریوں کو لالچ دے کر دوبارہ دربار میں رسائی حاصل کی اور نجاشی سے کہا، حضور! یہ لوگ (مسلمان) آپ

کے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق صحیح عقیدہ نہیں رکھتے "۔ یہ سن کر نجاشی نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور پوچھا: "حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟" حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "ہمارے پیغمبر نے بتایا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کے بندے، پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہیں۔" نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا، خدا تعالیٰ کی قسم جو تم نے کہا ہے، حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اس تنکے کے برابر نہ زیادہ ہیں اور نہ کم"۔ سنہ ۶ھ میں حضرت نجاشی ایمان لے آئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(طبری، ابن ہشام، مستدرک حاکم کتاب التفسیر)

خسرو پرویز کا انکار اور تباہی سنہ ۶ھ اور سنہ ۷ھ ہجری میں جب سلاطین زمانہ کی طرف خطوط لکھے گئے تو اسی دوران ایک خط خسرو پرویز شہنشاہ ایران کے نام بھی تحریر کیا گیا، چونکہ نامہ مبارک کو بسم اللہ شریف سے شروع کرنے کے بعد لکھا تھا: "مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰی کِسْرٰی عَظِیْمِ فَارِسْ" خسرو پرویز خط کا عنوان پڑھتے ہی غصہ میں آگیا اور بولا "میرا غلام ہو کر مجھ سے پہلے اپنا نام لکھتا ہے"۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ تعالیٰ) یہ کہہ کر اُس نے نامۂ اقدس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا لیکن کچھ ہی روز بعد اُس کے اور اُس کی سلطنت کے پرزے اڑ گئے۔

خسرو پرویز نے خطِ اقدس چاک کرنے کے بعد یمن کے گورنر باذان کو حکمِ شاہی بھیجا کہ صوبہ حجاز میں جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اسے گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔ باذان نے دو نامی گرامی بہادر پہلوانوں "بابویہ" اور "خرخرہ" کو مدینہ طیبہ بھیجا۔ یہ دونوں عجیب ہیئتِ کذائی کے ساتھ مدینہ طیبہ میں داخل ہوتے۔ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس وقت مسجد نبوی میں تھے۔ جب یہ دونوں پہلوان بارگاہِ اقدس میں داخل ہوئے تو ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا، انہوں نے آکر عرض کیا کہ "شہنشاہ عالم (کسریٰ) نے آپ کو اپنے دربار میں بُلایا ہے۔ اگر تعمیلِ حکم نہ کرو گے تو وہ تم کو اور تمہارے ملک کو تباہ و برباد کر دیں گے۔ لیکن اگر تعمیل کرو گے

تو ہم سفارش کر کے تمہارا قصور معاف کروا دیں گے۔" حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا "آج تم جاؤ کل آنا ہم اس کا جواب دیں گے۔" یہ نامی گرامی پہلوان دربارِ اقدس سے باہر آئے تو آپس میں کہہ رہے تھے "اس شخص کی کتنی ہیبت اور رعب ہے۔ اگر ہم تھوڑی دیر اور بیٹھے رہتے، تو ڈر تھا کہ کہیں ہمارے جوڑ ہی الگ نہ ہو جائیں۔" بہرحال جب یہ دوسرے روز حاضر ہوئے تو حضور خواجۂ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جاؤ گورنر یمن کو جا کر بتا دو کہ آج رات میرے خدا تعالیٰ نے کسرٰی کو اُس کے بیٹے کے ہاتھوں ہلاک کرا دیا ہے۔ پہلوان بولے: "خوب سوچ لو کہ کیا کہہ رہے ہو؟ اگر یہ بات غلط ہوئی تو تمہاری خیر نہیں" حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا: "اپنے صاحب (باذان) کو کہہ دو کہ بہت جلد میرا دین کسرٰی کی مملکت پر غالب آجائے گا۔ اگر دا سے باذان!) تو ایمان لے آئے تو جتنا علاقہ تیرے زیرِ تسلط ہے، تجھے دے دیا جائے گا اور اہلِ فارس پر تو حکمران ہو گا۔"

اس کے بعد یہ دونوں پہلوان یمن کو روانہ ہو گئے اور مجلسِ شریفہ میں جو دیکھا یا سُنا تھا، سب من وعن باذان کو بتا دیا۔ باذان نے پوچھا: "کیا اُن کے پہرے دار یا محافظ ہیں؟" پہلوانوں نے کہا: "نہیں وہ تو گلی کوچوں میں بلاخوف و تردد چلتے پھرتے ہیں۔" باذان نے کہا: "جو کچھ تم نے نقل کیا ہے خدا تعالیٰ کی قسم! یہ بادشاہوں کی عادات و خصائل نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، لیکن ابھی ہمیں کسرٰی کے بارے خبر کا انتظار کرنا ہو گا۔ اسی دوران کسرٰی کے بیٹے شیرویہ کا قاصد خط لے کر باذان کے پاس پہنچا۔ جس میں لکھا تھا: "کسرٰی اعیانِ سلطنت اور امراء کو بلاوجہ قتل کرواتا تھا اور ملک میں تباہی و بربادی کا قصد کرتا تھا چنانچہ میں نے اُسے قتل کر کے لوگوں کو تباہی سے بچا لیا ہے۔ تم پر لازم ہے کہ میری اطاعت کرو اور وہ شخص جس نے نبوت کا دعوٰی کیا ہے، اُسے کچھ نہ کہنا۔" باذان جب اس قصّہ سے باخبر ہوا، تو اُسی وقت کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

(مدارج النبوۃ۔ طبری۔ ابن خلدون)

عیسائی علماء کا مُباہلہ سے فرار حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصالِ شریفہ سے ایک سال پیشتر

علاقہ نجران کے ساٹھ (۶۰) عیسائیوں پر مشتمل ایک وفد مدینہ طیبہ میں آیا۔ اس میں چوبیس (۲۴) اشراف اور تین چوٹی کے پادری شامل تھے۔ ان پادریوں کے نام یہ تھے (۱) عبدالمسیح، جن کا لقب عاقب تھا (۲) سید، جن کا نام ایہم یا شرجیل (۳) ابوحارثہ بن علقمہ جو ان کا اسقف (بڑا پادری) تھا۔ یہ سب بعد از نمازِ عصر مسجدِ نبوی شریفہ میں داخل ہوئے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو دعوتِ اسلام دی، تو یہ بحث کرنے لگے اور بولے، "تم کہتے ہو عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بیٹا نہیں، تو پھر بتاؤ کہ ان کا باپ کون تھا؟ ان کے جواب میں سُورۃ آلِ عمران کی ان آیات کا نزول ہوا،

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۝ فَمَنْ حَآجَّكَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِیْنَ (آلِ عمران پ ۳ ع ۱۴)	بے شک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک (حضرت) آدم (علیہ السلام) کی مثل ہے کہ انہیں (یعنی آدم کو) مٹی سے بنایا پھر کہا ہو جا پس وہ ہو گیا۔ یہ بات تیرے رب کی طرف بر حق ہے تو (اے سننے والے) تو شک میں نہ پڑنا۔ اگر تمہارے پاس علم آجانے کے بعد بھی یہ (عیسائی) تم سے جھگڑا کریں تو فرما دیجئے کہ آؤ! ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو، ہم اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو، ہم اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو پھر دُعا کریں اور لعنت ڈالیں جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی۔

ان آیات کا خلاصہ مطلب یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کا نہ باپ تھا نہ ماں
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ نہ ہو تو کیا عجب ہے۔ اگر عیسائی اس قدر سمجھانے پر بھی قائل نہ
ہوں، تو ان سے فرماؤ کہ ایک صورت فیصلہ کی یہ بھی ہے ــــــ اور یہ فیصلہ خود خدا تعالیٰ
فرماتا ہے، اس میں کسی کی رعایت نہیں ہوتی، خدائے لم یزل جھوٹے کو سزا دے دیتا ہے۔
ایسے کرو کہ تم اپنی آل واولاد کے ساتھ آجاؤ اور میں اپنی آل واولاد کے ساتھ آجاتا ہوں،
پھر دعا کرتے ہیں اور جھوٹوں پر خدا تعالیٰ کی لعنت بھیجتے ہیں۔ جو جھوٹا ہو گا خدا تعالیٰ اسے
ہلاک فرما دے گا (اہلِ اسلام اسے مباہلہ کہتے ہیں) چنانچہ عیسائی بولے "ہمیں کل تک
مہلت دیں۔" دوسرے روز حضور انور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت امام حسین کو
گودی میں اٹھایا، امام حسن کی انگلی پکڑی، حضرت فاطمہ اور حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)
حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ اس طرح یہ حضرات میدانِ مباہلہ
میں پہنچے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا "میں دعا کروں گا، تم آمین کہنا۔" جب
نصاریٰ کے اسقف نے ان حضرات کو دیکھا تو بولا "اے گروہِ نصاریٰ میں وہ صورتیں دیکھتا ہوں
کہ اگر وہ یہ دعا کریں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے، تو یقیناً ان کی دعا سے ہٹ جائے گا، اس لیے
بہتر ہے کہ تم مباہلہ نہ کرو، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور روئے زمین پر قیامت تک کوئی عیسائی موجود
نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم تمہیں ان کی نبوت معلوم ہو چکی ہے اور وہ تمہارے صاحب (حضرت
عیسیٰ علیہ السلام) کے بارہ میں قولِ فیصل لائے ہیں۔ اللہ (تعالیٰ) کی قسم! جس قوم نے بھی پیغمبر
سے مقابلہ کیا، وہ ہلاک ہو گئی۔" عیسائی یہ سن کر ڈر گئے اور مباہلہ سے انکار کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے فرمایا "اگر مباہلہ نہیں کرتے، تو ایمان لے آؤ۔" انہوں نے کہا، آپ ہمیں ہمارے دین پر رہنے
دیجیے۔" آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "پھر جنگ کر لو۔" انہوں نے عرض کیا کہ جنگ کی
ہم میں طاقت نہیں، البتہ ہم اس شرط پر صلح کرتے ہیں کہ ہر سال دو ہزار کپڑوں کے جوڑے ہر

کم از کم چالیس درہم کا ہوگا۔ بطور جزیہ پیش کریں گے[1] ایک روایت میں تیس گھوڑے، تیس اونٹ، تیس زرہیں اور تیس نیزے بھی مذکور ہیں[2] ان شرائط پر صلح ہو گئی۔ پھر ان کی خواہش پر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بطور قاضی (جج) ان کے ساتھ روانہ فرمایا[3] کچھ مدت بعد سید اور عاقب واپس آئے اور مسلمان ہو گئے۔[4]

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اُس ذات کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے، تو بندر اور خنزیر بنا دیئے جاتے اور یہ وادی اُن پر آگ برساتی، تمام اہلِ نجران کو تباہ و برباد کر دیا جاتا، حتیٰ کہ وہ جانور بھی ہلاک ہو جاتے، جو درختوں پر ہوتے اور ایک سال نہ گزرتا کہ روئے زمین سے نصاریٰ ختم ہو جاتے۔[5]

مذکورہ بالا واقعہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اہلِ کتاب جانتے تھے کہ یہ وہی رسولِ برحق ہیں کہ جن کا ذکر توراۃ و انجیل میں موجود ہے۔ اسی لیے انہوں نے یہ روش اختیار کی، کیونکہ انسانوں کو تو دھوکا دیا جا سکتا ہے، لیکن معاذ اللہ تعالیٰ خدا کریم کو تو دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ کیا معاندینِ اسلام عیسائی یہ بتا سکتے ہیں کہ اگر نصاریٰ کو یقین نہیں تھا، تو انہوں نے

---

[1] یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ کسی کو دولتِ ایمان عطا فرمائے۔ جب یہ عیسائی نجران سے چلے، تو اُن کے اسقف (بڑے پادری) ابو حارثہ بن علقمہ کا بھائی کرز بن علقمہ بھی ساتھ تھا۔ اثنائے راہ میں ابو حارثہ کا اونٹ سر کے بل گرا، تو کرز نے کہا، وہ سر کے بل گرے جو دُور ہے، یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم، ابو حارثہ نے کہا: بلکہ تو گرے۔ کرز نے کہا: بھائی! ایسا کیوں کہتے ہو؟ ابو حارثہ نے کہا، خدا تعالیٰ کی قسم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور وہی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے۔ کرز نے کہا: پھر کس لیے تم اُن کی پیروی نہیں کرتے؟ ابو حارثہ نے کہا: میں اپنی قوم کی مخالفت کرنا پسند نہیں کرتا، کیونکہ جو قدر و منزلت اب ہماری قوم میں ہے، وہ جاتی رہے گی اور وہ مال و منال اور تحائف جو ہمیں ہماری قوم سے ملتے ہیں، چھین لیے جائیں گے۔ اس بات سے کرز کے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہو گئی۔ انہوں نے اپنے اونٹ کو تیز ہانکنا شروع کر دیا اور اپنے وفد کے پہنچنے سے پہلے ہی بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ [2] مدارج النبوۃ، زرقانی علی المواہب [3] ابن سعد، مدارج النبوۃ [5] مدارج النبوۃ، مواہب، ابن سعد

مباہلہ کی جرأت کیوں نہ کی؟

اس قسم کے یعنی علماء اہلِ کتاب کے بہت سے واقعات کتبِ احادیث وسیر میں مذکور ہیں کہ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ کتاب نہ صرف حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بلکہ حضور علیہ السلام کے بعض صحابہ کرام تک سے واقف تھے۔ ؎

موجودہ بائیبل اور ذکر حضور ختم الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ہم مسلمانوں کے نزدیک، بلکہ خود عیسائی مصنفین کے نزدیک موجودہ بائیبل میں زبردست تحریف ہوئی (جیسا کہ ہم آگے چل کر ثابت کریں گے، انشاء اللہ تعالیٰ) بائیبل میں تحریف کرنے والوں نے خوب من مرضی سے کام لیا۔ حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکرِ خیر چُن چُن کر نکال دیا گیا۔ انجیل برنباس جو کہ اصل انجیل سے بہت حد تک قریب تھی، اسے ممنوعہ لٹریچر میں شامل کر دیا گیا۔ ان تمام تر گھناؤنی سازشوں کے باوجود موجودہ بائیبل میں بہت سی جگہوں پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا تذکرہ موجود ہے۔

بشارت (۱) موجودہ بائیبل کے عہد نامہ جدید میں شامل کتاب متی کی انجیل، باب ۲۱، ۳۳ تا ۴۲ میں ایک تمثیل بیان کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "ایک شخص نے باغ لگایا اور باغبانوں کے حوالہ کر دیا، جب پھل لگ کر پک گئے، تو مالکِ باغ نے اپنے نوکروں کو بھیجا تاکہ وہ باغ کے پھل لائیں، مگر باغبانوں نے کسی کو تو قتل کیا، اور کسی کو پیٹا۔ مالک نے دوبارہ زیادہ نوکر بھیجے، اُن سے بھی یہی سلوک ہوا۔ آخر کار مالک نے اپنا بیٹا بھیجا کہ شاید اسی کا لحاظ کریں گے، مگر انہوں نے بیٹے کو بھی قتل کر دیا (پھر سوال کیا کہ) بتاؤ مالک باغبانوں سے کیا سلوک کرے گا؟ لوگوں نے کہا کہ باغبانوں کو ہلاک کر دے گا،

؎ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے، خصائص کبریٰ از علامہ سیوطی

اور اپنا باغ واپس لے کر اُن لوگوں کو دے دے گا جو اُسے اُس کا پھل دیں گے" تب عیسیٰ علیہ السلام نے اُن سے فرمایا: "اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اُس قوم کو جو اُس کے پھل لائے گی، دے دی جائے گی" (باب ۲۱، ۴۳)

باوجود تحریف کے اس مثال میں بنی اسرائیلیوں کو یہ سمجھایا گیا کہ اے بنی اسرائیلیو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر نبوت و رسالت رکھی، تمہیں معزز بنایا، انعامات سے نوازا، مگر تم نے نافرمانی کی تم میں سے اکثر نے بعض انبیاء کا انکار کیا اور بعض کو شہید کیا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری جانب[۱] بھیجا اور تم مجھے بھی قتل کرنے کے درپے ہو گئے[۲]۔ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان کے مطابق بنی اسرائیل سے عزت و شرافت جاتی رہی اور اُن پر ذلت و مسکینی مسلط فرما دی گئی[۳] اور خاندان بنی اسماعیل سے نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری ہو گئی، اور یہی وہ مبارک نبی اور مبارک امت ہے جو اس باغ کے صحیح رکھوالے بنے۔ اب مسیحی حضرات ذرا غور فرمائیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہ جن کی تشریف آوری کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پہلے ہی اشارہ فرما دیا تھا، انکار کر کے کیا خود ہی عیسیٰ علیہ السلام ہی کے منکر نہیں ہو گئے؟ اگر ان کا خدا تعالیٰ پر یقین تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کو سچا خیال کرتے تھے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے

---

۱ عیسائیوں نے بزعم باطل ان کو خدا تعالیٰ کا بیٹا سمجھ لیا (معاذ اللہ)۔ ۲ اور عیسائی عقیدے کے مطابق قتل کر بھی دیا۔

۳ قرآن پاک نے یوں ارشاد فرمایا، وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ پ۱ اور اُن (یعنی بنی اسرائیل) پر ذلت و خواری اور ناداری مقرر کر دی گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہیں۔ یہ (سزا اُن کو) اس لیے دی گئی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا اور انبیاء علیہم السلام کو بلا وجہ شہید کیا (اور یہ سزا) اس لیے بھی کہ انہوں نے (یعنی بنی اسرائیل نے) نافرمانی کی اور حد سے بڑھ گئے۔" ۱۲

اس نبی آخر زماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا انکار کیوں کیا؟ چاہیئے تو یہ تھا کہ پہلے ہی سے خبر رکھنے والے اہلِ کتاب ان لوگوں میں فوراً شامل ہو جاتے کہ جن کو اب باغ کا رکھوالا بنایا گیا اور اُن لوگوں سے اظہارِ نفرت کرتے کہ جنہوں نے اس باغ کے مالک کو غصہ دلایا۔ اُس کے فرستادہ لوگوں کو مارا پیٹا اور قتل کیا، مگر افسوس کہ ضد بازی نے اکثر حضرات کو حقائق سے چشم پوشی پر مجبور کر دیا۔

بشارت (۲) یوحنا کی انجیل میں ہے: (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق) اور "یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اُس نے اقرار کیا، انکار نہ کیا، بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اُس نے کہا، میں نہیں ہوں۔ (پھر پوچھا) کیا تو وہ نبی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ نہیں پس انہوں نے اُس سے کہا پھر تو ہے کون؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں، تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟ اُس نے کہا میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا ہے بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو وہ یہ فریسیوں کی طرف سے بھیجے گئے تھے انہوں نے اس سے سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے، نہ ایلیاہ، نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟" (باب۱، آیت ۱۹ تا ۲۵)

ہم نے یہ طویل عبارت اس لیے نقل کی کہ کوئی معاند یہ نہ کہہ سکے کہ محض کسی آیت کا کوئی تراشہ لے کر اپنا مطلب نکالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہمیں اس عبارت سے یہ ثابت کرنا ہے کہ اہلِ کتاب کو جن مبارک ہستیوں کی آمد کا انتظار تھا، ان میں حضرت مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) حضرت ایلیا (علیہ السلام) اور ایک "نبی" شامل ہیں۔ اسی لیے یروشلم سے آنے والے یہودیوں کے نمائندوں نے حضرت یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) سے سوال کیا کہ تم ایلیا (علیہ السلام) ہو یا مسیح (علیہ السلام) ہو یا پھر وہ نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام)، کیا مسیحی حضرات یہ بتائیں گے کہ وہ نبی کہ جس کا تذکرہ یہودیوں میں اکثر ہوتا تھا، کون ہستی تھی؟ یقیناً یقیناً اس برگزیدہ نبی سے مراد ذاتِ بابرکات ستودہ صفات حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہی ہے، ورنہ ان کے سوا کوئی بھی نبی نہیں کہ جو

حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوا ہوا اور پہلی کتب سماوی اور اُمم سابقہ میں اُس کا اتنا چرچا ہو۔ قرآن پاک سورۂ بقرآیت ۸۹ میں ہے، "وَلَمَّا جَآءَهُمْ . . . . . الخ"

(ترجمہ)" اور جب اُن (اہلِ کتاب) کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کتاب (قرآنِ پاک) آئی کہ جو اُن (اہلِ کتاب) کے ساتھ والی کتابوں (توراۃ و انجیل) کی تصدیق فرمانے والی ہے اور اس سے قبل وہ اسی ¹ کے وسیلہ سے کافروں کے مقابلہ میں کامیابی مانگا کرتے تھے، تو جب اُن کے جانے پہچانے نبی (حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) تشریف لے آئے تو اُن (اہلِ کتاب) نے اس (نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا انکار کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ کی کافروں پر لعنت ہو" پ۱ ع۹

بشارت (۳) یوحنا کی انجیل باب ۱۴ میں ہے، (حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا)

"اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے ۵ اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے" ۵ (آیت ۱۵، ۱۶)

۱۹۳۱ء میں برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی لاہور کی چھپی ہوئی یوحنا کی انجیل باب ۱۴، آیت ۱۶ میں مذکورہ آیت میں لفظ "مددگار" پر حاشیہ ہے اور اس کا معنی 'شفیع یا وکیل' درج کیا گیا ہے (خزائن العرفان و نور العرفان زیرِ آیت ۵۶/۱)۔ لیکن جس انجیل سے ہم نے مذکورہ حوالہ نقل کیا ہے یہ "پاکستان بائیبل سوسائٹی انارکلی، لاہور" کی طرف سے ۱۹۶۵ء میں شائع کی گئی ہے، اس میں حاشیہ

---

¹ حافظ ابی نعیم محمود بن لبید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت محمد بن سلمہ نے بیان کیا کہ بنی اشہل میں ایک یوشع نامی یہودی تھا، اُس وقت میں بچہ تھا، وہ یہودی اکثر کہا کرتا تھا کہ ایک نبی کی آمد کا زمانہ قریب ہے۔ وہ ہاتھ سے مکہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کرتا تاکہ وہ نبی اُس گھر میں پیدا ہوگا، جو اُسے پائے ایمان لے آئے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ یوشع کہتا تھا کہ ہم اہلِ کتاب ان پر ایمان لا کر قوت سے غیر اہلِ کتاب کو یثرب سے نکال دیں گے، اسی لیے انصارِ مدینہ عقبیٰ اولیٰ اور ثانی میں بیعت کر کے شرفِ ایمان سے مشرف ہو گئے تھے کہ انہوں نے یہودیوں سے سُن رکھا تھا، محمد بن سلمہ کہتے ہیں کہ ہم تو ایمان لے آئے، مگر یوشع نے عناد اور حسد کی بنا پر (کہ یہ نبی بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل میں کیوں ہے؟) انکار کر دیا۔ (خصائص کبریٰ)

ختم کر دیا گیا ہے۔ اس سے عیسائی مشنری کی ذہنیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، جبکہ یہ ہی لفظ جس کا ترجمہ اردو میں "مددگار" تحریر کیا گیا ہے، یونانی زبان میں "پریقلیطوس" PARICLYTOS ہے جس کا لفظی معنی ہے "بہت سراہا ہوا" اور عربی زبان میں اس کا ترجمہ "احمد" بنتا ہے لیکن عیسائی پادریوں نے موجودہ یونانی نسخوں میں اس لفظ کو تبدیل کر کے پاراقلیطوس PARACLETOS بنا دیا۔ اس کا ترجمہ انگریزی میں کمفرٹر اور اردو میں "تسلی دینے والا" درج کیے گئے اور اب اس کا معنیٰ "مددگار" تحریر کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صاف لفظی تحریف ہے جو کہ ذکرِ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو مٹانے کی مکروہ سازش ہے، حالانکہ "جیروم" جس نے چوتھی صدی مسیحی میں انجیل کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا، اس نے لفظِ زیرِ بحث کو لاطینی میں "پیرقلی طاس" لکھا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اصلی نسخہ جو کہ جیروم کے پاس تھا "پریقلیطوس" تھا نہ کہ "پاراقلیطوس" اسی طرح انجیل "برنباس" میں بھی "پریقلیطوس" ہی ہے۔ (بحوالہ سیرتِ رسولِ عربی از علامہ نور بخش توکلی)

بشارت (۴) "میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں ٥ لیکن (وہ) مددگار یعنی رُوح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا۔ وہی تمہیں سب کچھ سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تمہیں کہا، وہ سب تمہیں یاد دلائے گا ٥ (ب ۱۴۔ ۲۵، ۲۶)

اس آیۂ کریمہ میں عیسائی علماء نے کچھ الفاظ کی کمی بیشی اور تبدیلی کر کے انجیل کے عام قاری کے لیے یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی کہ اس آنے والی ہستی سے مراد "رُوح القدس یا خود عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں" حالانکہ اسی باب ۱۴ کی ۲۹ اور ۳۰ نمبر آیات اس خیال کی تردید کرتی ہیں۔ ان میں ہے۔

بشارت (۵) "اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تاکہ جب وہ ہو جائے، تو تم یقین کرو ٥ اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا، کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں ٥ (ب ۱۴، ۲۹، ۳۰)

انجیل کی اس آیت میں کتنے واضح ترین انداز میں اعلان کر دیا گیا کہ آنے والی ہستی دنیا کا سردار یعنی سیّدِ عالم ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے رُوح القدس مراد نہیں لیا جا سکتا کیونکہ وہ خود عیسائیوں کے نزدیک بھی ایک انسان کی طرح انسانوں میں نہیں۔ پلہٰذا اُس کی زندگی کے روز و شب انسانوں کے لیے اُسوۂ حسنہ نہیں ہو سکتے اور عیسیٰ علیہ السلام بھی ہرگز ہرگز اس سے مراد نہیں، کیونکہ ایک تو وہ خود اسی آیت میں فرماتے ہیں: "اور مجھ میں اُس کا کچھ نہیں"۔ اور دوسری جگہ موجودہ انجیل نے حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا: "میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا"۔ (متی کی انجیل، پ ۱۵، ۲۴) ثابت ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امتِ دعوت بھی صرف بنی اسرائیل[1] ہیں، جبکہ جس ہستی کی تشریف آوری کی خبر دی گئی ہے، وہ "دُنیا کا سردار" ہے، لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس دُنیا کے سردار سے مُراد حضور سیّدِ عالم سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ مقدسہ ہی ہے۔ خود حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: "قیامت کے دن میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور یہ فخر نہیں ہے۔ میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور (میں) فخر نہیں (کرتا) آدم اور ان کے علاوہ تمام نبی (علیہم السلام) میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں پہلا ہوں گا کہ جس کی قبر شق ہوگی اور (میں) کوئی فخر (تکبر) کی بات (نہیں کر رہا)" (رواہ ترمذی عن ابی سعید)

---

[1] یہ پتہ چلا کہ کوئی عیسائی غیر اسرائیلی کو اپنے دین کی دعوت نہیں دے سکتا۔ اگر وہ دعوت دے گا تو اپنے نبی کی مخالفت کرے گا۔ دعوت تو درکنار، موجودہ انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے غیر اسرائیلی عورت جو کہ روتی ہوئی ان کے حضور دُعا کروانے آئی تھی اور اُس کی سفارش حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں نے بھی کی تھی، یہ کہہ کر اُس کے حق میں دُعا کرنے سے انکار کر دیا: "میں بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا"۔ زیادہ اصرار پر جو فرمایا اُس کا مفہوم ہے کہ غیر اسرائیلی کے حق میں دعا کرنا گویا بچوں سے روٹی چھین کر کتوں کے آگے ڈالنا ہے۔ (متی ۱۵: ۲۴، ۲۵)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب لوگ اُٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلے قبر سے باہر تشریف لانے والا ہوں گا۔ جب وہ آئیں گے میں اُن کا قائد ہوں گا، جب وہ چُپ ہوں گے، میں ان کا خطیب ہوں گا۔ جب وہ روک دیئے جائیں گے، میں ان کا سفارش کرنے والا ہوں گا، جب وہ ناامید ہو جائیں گے۔ میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں گا۔ کرامت اور جنت کی چابیاں اس روز میرے ہاتھ میں ہوں گی حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں اپنے رب کے ہاں اولادِ آدم میں سب سے زیادہ مکرم ہوں۔ میرے گرداگرد اُس روز ہزار (ہا) خادم ہوں گے (خوبصورتی میں) وہ گویا چھُپے ہوئے (یعنی بے عیب) انڈے یا بکھرے ہوئے لُولُو یعنی موتی ہیں۔ (ترمذی، مشکوٰۃ)

یہ حقیقت ناقابلِ تردید ہے کہ حضور خواجۂ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے قبل کسی بھی نبی نے پوری دُنیا (یعنی قیامت تک آنے والے تمام افراد) کی طرف نبی مبعوث ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جبکہ نبی آخر الزماں سُلطانِ دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خدا تعالیٰ کی طرف سے پوری انسانیت کی طرف بھیجے گئے۔ انجیل کی مذکورہ بشارت کی شہادت قرآن پاک سے یُوں ملتی ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہوا: (ترجمہ) (یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم دائمًا ابدًا ابدا) "فرما دو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف بھیجا ہوا (رسول) ہوں، وہ (اللہ تعالیٰ کہ) جس کے لیے زمین و آسمان کی بادشاہی ہے۔" (سورۃ اعراف، آیہ نمبر ۱۸۵)

دوسری جگہ ارشاد ہوا: (ترجمہ) "بڑی برکت والا ہے، وہ (اللہ تعالیٰ) کہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر، جو سارے جہان کو ڈر سُنانے والا ہے۔" (سورۃ الفرقان، آیۃ نمبر ۱)

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رحمت کا اظہار تیسری جگہ اس طرح فرمایا گیا: (ترجمہ) "اور ہم نے (اے پیارے محبوب علیک الصلوٰۃ والسلام) تمہیں نہیں بھیجا مگر سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔" (الانبیاء، آیۃ نمبر ۱۰۷)

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنی اور انہی کی مثل دوسری آیات اس بات کی کھُلی شہادت دیتی ہیں کہ

حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی سرداری، نبوت اور رحمت کسی ایک مخصوص وقت، علاقے یا قوم کے لیے نہیں، بلکہ پوری کائنات کے لیے ہے، کیونکہ پچھلی دونوں آیاتِ مبارکہ میں لفظ اَلْعٰلَمِیْن اس بات کا متقاضی ہے کہ اس سے بلا تعینِ وقت و قوم پوری کائنات مراد لی جائے۔

بشارت (۶) یوحنا کی انجیل، باب ۱۵ میں ہے "لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔" (ب ۱۵، ۲۶)

الفاظ کے تغیر و تبدل اور کمی بیشی کے باوجود مذکورہ بالا آیت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے سے بعد میں آنے والے ایسے برگزیدہ نبی کی خوش خبری دی کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی گواہی دے گا۔

بھلا اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثتِ شریفہ سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ ماجدہ طیبہ طاہرہ کی (عیسائیوں کے سوا) عام لوگوں کی نظر میں جو قدر و منزلت تھی، اسے دنیا جانتی ہے۔ بدبخت یہودیوں نے سب بڑے سے بڑا بہتان حضرت عیسیٰ اور آپ کی والدہ ماجدہ پر لگایا، لیکن جب بعثتِ مصطفے (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہوئی، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی راست بازی اور حضرت مریم سلام اللہ تعالیٰ علیہا کی پاک دامنی کا ڈنکا پوری دنیا میں بجنے لگا، یعنی جہاں جہاں بھی مسلمان گئے اور قرآن پاک کی تلاوت ہوئی، وہاں وہاں حضرت مریم و عیسیٰ علیہما السلام کی راست بازی و پاک دامنی کا اعلان بھی ساتھ ساتھ ہوا۔ آخر کوئی تو وجہ تھی کہ جب حضرت نجاشی شاہِ حبش (جو کہ عیسائی مذہب رکھتے تھے) کے سامنے حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۂ مریم کی تلاوت فرمائی، تو وہ اتنے متاثر ہوئے کہ حضرت نجاشی بمعہ اُن پادریوں کے جو کہ اس دربار میں موجود تھے، رونے لگے اور کہنے لگے، خدا تعالیٰ کی قسم یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا۔ دونوں ایک ہی مشکوٰۃ سے نکلے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور یہ ہی وہ مبارک

ہستی ہے کہ جن کی حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے بشارت دی ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲)

یقیناً قرآنِ کریم نے حضرت عیسیٰ اور آپ کی والدہ علیہما السلام کی عظمت و عصمت کی گواہی جس احسن پیرائے میں دی، پوری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

بشارت (۷) یوحنا کی انجیل باب ۱۶ میں ہے، "لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں، تو وہ "مددگار" تمہارے پاس نہ آئے گا، لیکن اگر جاؤں گا، تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا ؎ اور وہ آکر دُنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارہ میں قصوروار ٹھہرائے گا" ؎ (۱۶: ۷، ۸)

قرآن کریم نے انجیل کی اس بشارت کی گواہی ان الفاظ میں دی:

وَاِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ	اور (یاد کرو کہ) جب عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے
يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيلَ اِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ	فرمایا، اے بنی اسرائیل! میں اللہ تعالیٰ کا رسول
اِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ	ہوں۔ تمہاری طرف (میں) تصدیق کرتا ہوں جو
مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ	مجھ سے پہلے تھی، توراۃ اور (میں) خوشخبری سُناتا
يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ	ہوں ایک ایسے رسول کی جو میرے بعد تشریف
اَحْمَدُ ؕ ۶۱	لائیں گے، اُن کا اسمِ گرامی احمد ہوگا۔

یوحنا کی انجیل کی مذکورہ بالا آیۂ کریمہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ "میں جاؤں گا، تو تب وہ تشریف لائے گا" قابلِ غور ہے ظاہر ہے کہ تشریف لانے والی ہستی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر تشریف لے جانے کے بعد آئے گی اور یہ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق (معاذ اللہ) تین دن تک مرا رہنے والا یسوع نہیں، بلکہ یہ کوئی اور ہی ہستی ہے "انجیل یوحنا" کے اس باب کی ۸ آیہ کہ "وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارہ میں قصوروار ٹھہرائے گا۔" تاریخِ عالم کے اُن واقعات و حالات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جن حالات و واقعات کے دوران اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفٰے

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت شریفہ ہوئی۔ اس وقت اہلِ دنیا عموماً اور اہلِ عرب خصوصاً جہالت و گمراہی کے جس چاہ مذلت میں گرے ہوئے تھے، اس کے محض تذکرہ ہی سے انسانیت لرزا ٹھتی ہے۔

اس جگہ ان کی حالتِ زار کا معمولی سا نقشہ پیش کیا جاتا ہے،

ظہورِ اسلام سے قبل حالاتِ زمانہ

اگرچہ کتبِ تواریخ وغیرہ میں اس زمانہ کے تہذیب و تمدن پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے لیکن ہم یہاں انتہائی اختصار سے بمصداق "یکمشت نمونہ از خروارے" اُن کی اخلاقی اور روحانی حالت نقل کرتے ہیں،

عام اہلِ عرب پہلے دینِ ابراہیم علیہ السلام پر تھے۔ پھر خاندان بنو خزاعہ کے مورثِ اعلیٰ عمرو بن لحی[1] نے جزیرۂ عرب میں بُت پرستی کی طرح ڈالی، گویا کہ عرب میں یہ شخص بُت پرستی کا بانی تھا۔ اس نے مقامِ "بلقاء" (واقع شام) سے چند بُت لاکر خانہ کعبہ کے گرد نصب کر دیئے اور اہلِ عرب کو ان کی پرستش کی دعوت دی، اس طرح بُت پرستی پورے عرب میں رائج ہوگئی۔ بہت سے قبائل نے اپنے علیحدہ علیحدہ بُت بنا لیے، مثلاً قبیلہ بنو کلب کے بُت کا نام "وَدّ" تھا۔ قبیلہ ہذیل، بنو لحیان کے بُت کا نام "سواع" تھا۔ اسی طرح اہلِ جرش اور مذحج "یغوث" کو، ہمدان اور اس کے گرد و نواح کے لوگ "یعوق" کو، قبیلہ حمیر "نسر" کو، قبیلہ طی "فلس" کو قبائل اوس، خزرج، ہذیل و خزاعہ "منات" کو قبیلہ ثقیف "لات" کو، قبائلِ خثعم، بجیلہ، ازد سراۃ "ذوالخلصہ" کو، مالک و ملکان پسرانِ کنانہ "سعد" کو، قبیلہ دوس "ذوالکفلین" کو، قبیلہ بنو حارث بن یشکر "ذوالشریٰ" کو، قبائلِ قضاعہ،

---

[1] اس کا پورا نام عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر ازدی تھا۔ اسی نے سائبہ، وصیلہ، بحیرہ، حامیہ کی رسم ایجاد کی تھی۔ ۱۲

لخم، جذام، عاملہ، غطفان "اُقیصر" کو، قبیلہ مزینہ "نہم" کو، قبیلہ ازدسرات "عائم" کو، بنو ربیعہ بن کعب "رضا" کو، قبیلہ عنزہ "سعیر" کو، قبیلہ خولان "عمیانس کو اور قبیلہ قریش "ہبل" و "عزیٰ" (بتوں کو پوجتے تھے۔ (کتاب الاصنام لابوالمنذر ہشام کلبی، سیرت رسول عربی)

مندرجہ بالا بتوں کے علاوہ اور بھی بہت سے پتھر تھے، جن کی پوجا کی جاتی تھی، ان کے علاوہ چاند، سورج، ستاروں، درختوں اور آگ کی پرستش کرنے والوں کی بھی کمی نہ تھی۔

بعض علاقوں میں کوئی مخصوص دیوتا نہ ہوتا تھا، وہ صرف اُن گڑھ پتھروں پر اپنی قربان گاہ بناتے، اس قربان گاہ پر ستارۂ صبح کے لیے کسی سفید اونٹ یا انسان کو قربان کرتے تھے۔ ستارہ (زہرہ) کے طلوع ہوتے ہی وہ اس مقام متبرک کے گرد بھجن گاتے ہوئے تین چکر لگاتے، پھر بوڑھا پجاری اس بھینٹ پر پہلا وار کرتا اور اس کا کچھ خون پیتا۔ پھر حاضرین بیک بارگی اُس اونٹ یا انسان پر ٹوٹ پڑتے اور اُسے سورج نکلنے سے پہلے تک کچا ہی نیم پوست کندہ کھا جاتے۔ عرب میں "دومہ" کے باشندے سال میں ایک بار ایک لڑکے کی بھینٹ دیتے اور اسے قربان گاہ کے نیچے دفن کر دیتے۔

(مذہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا، سیرت رسول عربی از علامہ نور بخش توکلی)

بُت پرستی کے ساتھ ساتھ عام اخلاقی حالت اس قدر پست تھی کہ ایک ایک مرد کئی کئی عورتوں سے شادی[1] کرتا۔ جب کوئی شخص مر جاتا، تو سب سے بڑا بیٹا اپنی سوتیلی ماؤں کو میراث میں پاتا۔ اب اُس کی مرضی پر منحصر ہوتا کہ چاہے تو خود اپنی سوتیلی ماؤں سے شادی کر لے، چاہے تو اپنے دوسرے بھائیوں یا رشتہ داروں کو دے دے، چاہے تو اس عورت کو ہمیشہ کے لیے شادی سے منع کر دے۔ بعض قبائل میں یہ رواج تھا کہ خاوند کے مرتے ہی اُس کی بیوی پر خاوند کے اقربا میں سے کوئی بھی شخص خواہ اُس کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو، اپنا کپڑا اس پر ڈال دیتا، تو جو بھی سب سے پہلے اپنا کپڑا اُس بیوہ پر ڈال دیتا، وہی اُس کا مالک سمجھا جاتا۔

---

[1] چنانچہ جب حضرت غیلان ثقفی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ایمان لائے، تو اُن کے تحت دس عورتیں تھیں۔

تو وہ بیچاری نوحہ کناں خاوند کے غم میں نڈھال کسی دوسرے شخص کی ملکیت بن جاتی۔ اب اس کا مالک (خواہ بیٹا ہی ہو) چاہے تو خود شادی کر لے، چاہے تو کسی کو دے دے یا بازار میں فروخت کر دے، کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ بے حیائی و بے غیرتی اس قدر کہ عورتیں اور مرد مادرزاد برہنہ ہو کر طوافِ کعبہ کرتے، زناکاری اس قدر عام اور محبوب کہ عرب کے مشہور شاعر امرأ القیس (جو کہ شہزادہ بھی تھا) نے اپنی پھوپھی زاد بہن سے بدکاری کی اور اس قبیح واقعہ کو تفصیل سے ایک قصیدہ میں بیان کیا اور یہ قصیدہ بطورِ فخر خانہ کعبہ کی دیوار سے لٹکایا گیا۔

نکاح کی چار صورتیں تھیں۔ ایک نکاح "متعارف" جیسا کہ آجکل ہے کہ زوج و زوجہ کے ولی مہرِ متعین پر متفق ہو جائیں اور ایجاب و قبول ہو جائے۔ دوسرا "استبضاع" بدیں طور پر کہ شوہر اپنی عورت کو حیض سے پاک ہونے کے بعد حکم دیتا کہ تو فلاں شخص (چوہدری یا سردار) کے پاس جا اور طلب ولد (یعنی زنا) کرا اور خود اُس وقت تک اپنی بیوی سے مقاربت نہ کرتا، یہاں تک کہ اس غیر شخص سے اس کی بیوی کا حمل ظاہر نہ ہو جاتا اور پھر فخر سے لوگوں کو بتاتا کہ میری بیوی کو فلاں چوہدری یا فلاں سردار کا حمل ہے۔ تیسرا نکاح "جمع" تھا۔ یعنی دس یا اس سے کم مرد ایک عورت سے بدکاری کرتے۔ یہاں تک کہ اُس کے ہاں بچہ پیدا ہو جاتا۔ تب وہ عورت ان تمام مردوں کو بُلاتی اور ان سے کہتی "تم نے جو کچھ کیا، وہ تم کو معلوم ہے۔ اب میرے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔" پھر ان مردوں میں سے ایک کی طرف اشارہ کر کے کہتی "یہ تیرا بچہ ہے" چنانچہ وہ بچہ اُسی کا سمجھا جاتا اور وہ شخص انکار نہ کر سکتا۔ چوتھی صورت "بغایا" تھی، یعنی بہت سے مرد جمع ہو کر "بغایا" (یعنی بدکار عورت) پر بے روک ٹوک داخل ہوتے اور یہ "بغایا" اپنے دروازوں پر بطورِ علامت جھنڈا نصب کرتی تھیں۔ پس جو چاہتا، ان کے پاس جاتا، جب ان میں سے کوئی "بغایا" حاملہ ہو جاتی، تو وضع حمل کے بعد وہ سب مرد اس کے ہاں جمع ہوتے اور ایک قیافہ شناس کو بُلایا جاتا، تو وہ (بچے کے اعضاء دیکھ کر) بچہ جس کی طرف بھی منسوب کر دیتا، وہ اسی کا بیٹا سمجھا جاتا، انکار نہیں ہو سکتا تھا۔ (کشف الغمۃ للامام الشعرانی جز ثانی)

خلاصہ کلام یہ کہ دینِ ابراہیمی جو کہ عرب کا اصل دین تھا، تقریباً معدوم ہو چکا تھا اب اس کی جگہ بُت پرستی نے لے لی تھی۔ بعض فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں (معاذ اللہ) قرار دیتے اور بعض مطلقاً ہستی باری تعالیٰ کے منکر تھے۔ وہ روز و شب شراب خوری، بدکاری قمار بازی، قتل و غارت گری میں مشغول رہتے۔ قساوتِ قلبی کا یہ عالم کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی اپنے ہاتھوں سے زندہ دفن کر دیتے[1]۔ بتوں پر آدمیوں کی قربانی سے دریغ نہ کرتے۔ لڑائیوں

---

[1] مسند دارمی میں اختصاراً اور بعض دوسری کتب میں یہ واقعہ تفصیلاً درج ہے کہ "ایک شخص حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمتِ فیض درجت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہم اہلِ جاہلیت اور بُت پرست تھے، اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ ایک بار میں سفر پر گیا، میری بیوی حاملہ تھی، میں نے اسے نصیحت کر دی کہ اگر میری عدم موجودگی میں بچی پیدا ہوئی، تو اسے قتل کر دینا۔ اگر لڑکا ہوا، تو اُس کی خوب پرورش کرنا۔ طویل عرصہ کے بعد گھر آیا تو ایک چھوٹی سی بڑی خوبصورت بچی کو کھیلتے ہوئے دیکھا۔ پوچھنے پر میری بیوی نے بتایا کہ میرے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی، وہ تو میں نے قتل کر دی ہے اور یہ بچی کسی دوسری عورت کی ہے، چونکہ میں گھر میں اکیلی تھی، اس لیے دل بہلانے کی خاطر اسے لے آئی ہوں"۔ چنانچہ میں مطمئن ہو گیا اور بچی اور بیوی کو کچھ نہ کہا۔ چند ہی روز میں وہ بچی میرے ساتھ بہت ہی مانوس ہو گئی۔ اب وہ بچی مجھے بہت ہی بھلی معلوم ہوتی تھی اور وہ بھی میرے ساتھ بہت پیار کرتی۔ میرے ساتھ ہی کھانا کھاتی، میرے ہی بستر پر سو رہتی۔ جب میری بیوی نے دیکھا کہ میں بچی سے بہت پیار کرتا ہوں، تو ایک دن مجھے بتا ہی دیا کہ یہ بچی تیری ہی ہے اور میں اسے قتل نہ کر سکی۔ اس بات کا لوگوں میں بھی چرچا ہو گیا اور لوگ مجھے عار دلانے لگے۔ تنگ آ کر میں نے لڑکی سے پیچھا چھڑانے کا ارادہ کیا، چنانچہ ایک دن دھوکے سے میں اسے اپنے ساتھ شہر سے دور ایک ویران کنوئیں پر لے گیا اور بچی کو کنوئیں میں پھینک دیا۔ بچی ہاتھ جوڑ کر زندگی کی بھیک مانگتی رہی، مگر میرا دل نہ پسیجا، بچی کو کنوئیں میں پھینک کر میں کنوئیں میں جھانکنے لگا۔ بچی جب پانی سے اوپر ابھرتی تو کہتی "ہائے ابا جی مجھے بچا لو" دوسرے ہی لمحے اُس کی آواز گُم ہو جاتی ایک دو بار ایسا ہوا پھر وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔ وہ شخص اپنی شقاوتِ قلبی کی داستان سنا رہا تھا اور حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رو رہے تھے۔ جب وہ اپنی بات مکمل کر چکا تو آپ نے فرمایا دوبارہ سناؤ، چنانچہ حسبِ حکم اس نے دوبارہ واقعہ کہہ سنایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر روئے کہ ریش انور آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر اُس شخص کو دعوتِ اسلام دی، تو وہ مسلمان ہو گیا"۔ ۱۲

میں انسانوں کو زندہ جلا دینا، عورتوں کا پیٹ چاک کر دینا، معصوم بچوں کو نیزوں پر اُچھالنا۔ بوڑھوں کو ذبح کر دینا، اُن کے نزدیک قابلِ فخر باتیں تھیں۔ ان کے درمیان جو اہلِ کتاب تھے، اُن کی حالت بھی بڑی ابتر تھی۔ یہود خدائے لم یزل کو "مَغْلُوْلَةُ الْيَدْ" یعنی بندھے ہوئے ہاتھوں والا کہتے تھے اور حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے۔ نصاریٰ تین خداؤں کے قائل تھے، اور مسئلہ کفارہ کی آڑ میں ہر قسم کے گناہ پر دلیر تھے۔

یہ حالت صرف عرب کے ساتھ ہی مخصوص نہ تھی، بلکہ پوری دنیا میں ظلمت کی یہ دبیز چادر پھیلی ہوئی تھی۔ اہلِ فارس آتش پرست تھے، اپنی ماؤں سے نکاح کرنا جائز سمجھتے تھے۔ اہلِ ہندوستان بُتوں کی پوجا اور خاوند کے مرنے کے بعد اس کی بیوی کو زندہ جلا دینے یا اُس کے ساتھ ہی زندہ دفن کر دینے میں نجات خیال کرتے تھے، نیوگ جائز سمجھا جاتا۔ ایک بھائی کی شادی ہو جاتی، تو وہ عورت اپنے خاوند کے دوسرے بھائیوں کی بھی عورت تصور ہوتی۔ تقریباً یہی حال پوری دنیا کا تھا۔ اس عالمگیر ظلمت اور گھٹاٹوپ اندھیرے کو دور کرنے کے لیے خالقِ کائنات جل شانہ نے حضور پُرنور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو سِرَاجاً مُّنِيْرًا بنا کر بھیجا۔ یہی وہ حالت تھی کہ جس کی طرف حضرت مسیح علیہ السلام کے مذکورہ بالا ارشاد میں اشارہ ہے:

"وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارہ میں قصوروار ٹھہرائے گا"

(انجیل یوحنا — ۱۶ : ۸)

بشارت ۸: یوحنا کی انجیل میں ہے:

"لیکن جب وہ یعنی سچائی کا رُوح آئے گا، تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا، لیکن جو کچھ سُنے گا، وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔" (ب ۱۶ : ۱۴)

بلا مبالغہ انجیلِ مقدس کی یہ آیت بھی حضور خاتم الانبیاء رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعتوں کے حسین پھولوں کا گلدستہ ہے۔ ان تمام صفات کا ذکر قرآن پاک میں بھی کئی جگہوں پر مذکور

ہے، مثلاً "سچائی کی راہ دکھانے والا۔"

اس کا تذکرہ قرآن پاک میں ایک جگہ یوں ہوا،

اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۴۲/۵۲)	(یارسول اللہ علیک السلام) بے شک تم (لوگوں کو) سیدھی راہ دکھاتے ہو۔

ایک اور جگہ یوں ارشاد فرمایا،

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ (۵/۱۶)	ہدایت دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس (رسول علیہ السلام) کے ذریعے سے (ہر) اُس شخص کو جو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر چلا، سلامتی کے راستے کی۔

سورۂ آلِ عمران میں یہ صفتِ "ہادی" اس طرح ذکر فرمائی گئی،

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۞ (۳/۱۶۴)	بے شک اللہ تعالیٰ نے بڑا احسان فرمایا ایمان والوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس (اللہ تعالیٰ) کی آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ (لوگ) ضرور اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے

حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثتِ شریفہ سے قبل زمانہ کی جو حالت تھی، وہ آپ بشارت ۲۰ کے تحت پڑھ چکے ہیں اور پھر نگاہِ نبوت نے آن کی آن میں، اُن ڈاکوؤں کو راہنما بنا دیا۔ جو راہزن تھے، پیشوا بن گئے جو عصمت دری میں فخر محسوس کرتے تھے، وہ عزت و ناموس کے محافظ بن گئے۔ محض تیئیس سال کے قلیل عرصہ میں دُنیا کی کایا پلٹ کر رکھ دی ظلمتِ کفر و شرک کی دبیز چادر کو تار تار کر دیا اور بہت مختصر سے عرصے میں ایک ایسا بے مثال معاشرہ قائم کر دیا کہ جس کی نظیر پورے کرۂ ارض پر نہ پہلے تھی، نہ قیامت تک ممکن ہے۔ تاریخِ اسلام کے صفحات

نگاہِ نبوت سے فیض یافتہ فرزندانِ توحید کے سنہری کارناموں سے مزین ہیں۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

مذکورہ بشارت ع۸ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ "وہ نبی اپنی طرف سے نہ کہیگا لیکن جو کچھ سُنے گا، وہی کہے گا" گویا بشارت کا یہ حصہ قرآن مجید کی اس آیۂ کریمہ کا بعینہٖ ترجمہ ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ ۵۳ ⁄ ۴،۳ — اور یہ (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو کچھ نہیں (فرماتے) مگر (وحی) جو انہیں وحی کی جاتی ہے۔

سبحان اللہ تعالیٰ! ملاحظہ فرمائیے کہ انجیلِ مقدس کی بشارت اور قرآن مجید کی اس شہادت میں کس قدر حیرت انگیز مماثلت ہے۔ ایک صاحبِ عقلِ سلیم کے لیے قبولیتِ حق کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس بشارت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان کہ

"اور (وہ) تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا" (باب ۱۶ : ۱۴)

کے متعلق اس کتاب کے پہلے باب کی آیت ع۶ اور دوسرے باب میں دلائل النبوۃ کے تحت کچھ بحث کی جا چکی ہے، اس لیے وہاں ملاحظہ فرمانا چاہیے۔

بشارت ع۹ "اعمال" ب۳، آیت ع۲۱، ۲۲ میں ہے:

"ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اُس وقت تک رہے گا، جب تک وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں، جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے۔ جو دُنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں ○ چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا، وہ جو کچھ تم سے کہے اُس کی سننا ○ (۳ : ۲۱، ۲۲)

بائیبل کے نئے عہد نامہ یعنی انجیلِ مقدس "رسولوں کے اعمال" میں مذکورہ بالا دو آیات کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے حق میں بطورِ دلیل تحریر کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جس نبی کی پیدائش کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اُس سے مراد

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذاتِ مقدسہ ہے۔

کیا یہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے؟

اس جگہ یہ بات غور طلب ہے کہ کیا واقعی اس نبی سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں؟[1] سب سے پہلے ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارشادِ مبارکہ پر غور کرنا ہوگا:

"خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیے مجھ سا نبی پیدا کرے گا۔" (اعمال ب ۳: ۲۲)

اس عبارت میں دو چیزیں ہیں:

(۱) وہ نبی (اے بنی اسرائیل) تمہارے بھائیوں میں سے ہوگا۔

(۲) وہ نبی مجھ سا نبی ہوگا، وہ جو کچھ کہے، تم اس کی سننا۔

۱۔ اب دیکھیں کہ بنی اسرائیل کے بھائی کون ہیں؟ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل ہی سے تھے اور بنی اسرائیل ہی کی طرف مبعوث فرمائے گئے اور اس جگہ مخاطب بھی بنی اسرائیل ہی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو فرزند تھے ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام، اور دوسرے حضرت اسحاق (توراۃ میں اضحاق) علیہ السلام مذکور ہے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے عطا فرمائے۔ ان میں یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل ہے اور آپ ہی کی اولاد بنی اسرائیل کہلوائی۔

---

[1] اس جگہ کوئی معاند یہ خیال نہ کرے کہ شاید اہلِ اسلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معاذ اللہ تعالیٰ نبوت کے منکر ہیں۔ ان پر واضح ہو کہ یہ بات ہرگز ہرگز نہیں، حق تو یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ کے بعد اگر کسی انسان نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت، بزرگی اور آپ کی والدہ مریم علیہا السلام کی پاک دامنی کی گواہی دی اور انہیں اللہ تعالیٰ کے سچے نبی تسلیم کیا، تو وہ صرف اور صرف پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امتِ مسلمہ ہے۔ ہمیں مذکورہ بالا آیت سے صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ کم از کم اس جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد نہیں ہیں۔ ۱۲

یُوں سمجھو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو نسل چلی اُسے بنی اسرائیل کہا جاتا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے جو نسل چلی وہ بنو اسماعیل کہلوائی اور یہ بات تمام اہلِ کتاب بشمول یہود و نصاریٰ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام بنی اسرائیل سے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم ہی کے لختِ جگر ہیں، جبکہ تمام اہلِ کتاب وغیرہ اہلِ کتاب اس سے بخوبی واقف ہیں کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنو اسماعیل سے حضور سید الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے اور مذکورہ بالا بشارت حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہی ہے، کیونکہ اس سے اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہوتے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام، بنی اسرائیل سے یہ ارشاد فرماتے "تم میں سے نبی پیدا ہوگا" اس کے برعکس آپ نے فرمایا: "تم میں سے نہیں، بلکہ تمہارے بھائیوں میں سے" یعنی بنی اسماعیل میں سے پیدا ہوگا۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے اس قدر واضح ترین ارشادِ گرامی کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کے دعوے دار یہودی اور عیسائی اگر حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار کریں تو اسے ضد اور ہٹ دھرمی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

اس میں شک نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بنی اسرائیل کے بہت سے انبیائے کرام علیہم السلام تشریف لائے، لیکن وہ ہستی کہ جس کا شہرہ صدیوں قبل بنیٔ آفاق عالم میں برپا تھا۔ وہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی اور نہیں اور خصوصاً اہلِ کتاب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جائے پیدائش اور جائے ہجرت تک واقف تھے۔[1]

۲- فرمانِ موسیٰ کلیم اللہ: "مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا، وہ جو کچھ کہے تم اس کی سننا" (کتاب اعمال ۳، ۲۲)

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا موجودہ عیسائی حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا نبی تسلیم کرتے ہیں؟ یا پھر خدا یا خدا کا بیٹا (معاذ اللہ) یعنی اقانیم ثلاثہ میں سے ایک؟

---

[1] بطورِ دلیل اسی باب سوم کی ابتدا میں "پہلی کتبِ سماوی میں ذکرِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام" کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

اگر وہ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام جیسا محض نبی ہی تسلیم کریں، تو عیسائیوں کے اس عقیدہ کا کیا بنے گا، کہ جس کی وہ تشہیر تقریباً "پولس" [1] کے زمانہ سے کرتے آتے ہیں اور اگر عیسائی حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو بھی اپنے عقیدہ میں وہی کچھ سمجھتے ہیں جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السّلام کو تو پھر تین کیا، چار خداؤں کا قائل ہونا پڑے گا۔ پھر ظاہر ہے کہ خدا کا بھائی بھی خدا ہی ہونا چاہیے، چنانچہ حضرت ہارون علیہ السّلام کو ساتھ ملانا ہوگا۔ پھر ان دونوں بھائیوں یعنی حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کے والد کا کیا بنے گا، کیونکہ وہ بھی آخر ان کے والد ہیں۔ اس طرح یہ لسٹ طویل ہو جائے گی اور عیسائی عقیدہ کے تار پود بکھر جائیں گے۔

اس لیے اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں کہ اس بشارت میں جس نبی کا ذکر ہے وہ موسیٰ علیہ السلام جیسے صاحبِ شریعت، صاحبِ کتاب ایک اولوالعزم پیغمبر حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذات ستودہ صفات مراد ہے نہ کہ کوئی دوسرا نبی جو کہ بنی اسرائیل سے ہو۔

اِنجیل برنباس

محترم قارئین! آپ نے گزشتہ صفحات میں موجودہ عیسائیوں کی معتبر اور مستند چار انجیلوں یعنی "عہد نامہ جدید" کے حوالہ جات ملاحظہ فرمائے۔ باوجود شدید ترین تحریف کے ان میں جا بجا اشارات و کنایات کے ساتھ ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم موجود ہے۔ خیال رہے کہ یہ اناجیل اربعہ یعنی متی کی انجیل، مرقس کی انجیل، لوقا کی انجیل، یوحنا کی انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے کوئی ستر اسی سال بعد لکھی گئیں، جن میں کئی بار تراجم

---

[1] پولس ایک یہودی تھا جو ابتداءً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سخت مخالف تھا۔ آپ علیہ السّلام کی رفع سماوی کے کچھ عرصہ بعد ڈرامائی انداز میں عیسائی بن کر عیسائیت کا مبلغ بن گیا۔ تفصیل کے لئے دیکھیے (بائبل کی کتاب اعمال) محققین کے نزدیک یہ عقیدہ اُس نے عیسائیوں کو بیوقوف بنانے کے لیے گھڑا تھا۔ ۱۲

کی گئیں۔ پھر کونسل کے ذریعے موجودہ اناجیل کو مستند اور قابلِ عمل قرار دلوا کر مذہبی لٹریچر میں شامل کر لیا گیا[1]، مگر ایک انجیل کہ جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک معتبر شاگرد "برناباس" نے مرتب کیا تھا، اسے اس قدر ممنوع قرار دے دیا کہ حکم جاری کر دیا کہ جس کے پاس یہ انجیل ملے، اس کی گردن اُڑا دی جائے۔ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثتِ مبارکہ کے بعد جب مسلمان علماء نے عیسائی پادریوں کے سامنے خود اُن ہی کی کتب پیش فرمائیں، تو انہوں نے انجیل برناباس کو یہ کہہ کر رد کرنے کی کوشش کی کہ یہ کسی مسلمان نے مرتب کی ہے۔ آج تک عیسائی یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف ہیں کہ اسے کسی مسلمان کی تصنیف قرار دیا جائے۔ اس لیے اس انجیل کے حوالے پیش کرنے سے قبل اس انجیل اور برناباس کے متعلق کچھ بحث کی جاتی ہے۔

برناباس، قبرص کا باشندہ تھا، اس کا پہلا مذہب یہودیت تھا۔ اس کا نام JOSES تھا۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد مدت العمر آپ کی خدمت میں ہی رہا۔ انتہائی مخلص اور کامیاب مبلغ ہونے کے ساتھ ساتھ یہ جاذبِ قلب ونظر شخصیت کا مالک تھا۔ اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے دین کی اشاعت میں سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ اس کے کردار سے متاثر ہو کر دوسرے حواری اس کو "برناباس" کے نام سے پکارتے تھے جس کا معنیٰ ہے "واضح نصیحت کا فرزند" موجودہ انجیل مقدس ہے،

"اور یوسف نام ایک لاوی تھا جس کا لقب رسولوں نے "برنباس" یعنی "نصیحت کا بیٹا" رکھا تھا اور جس کی پیدائش کُپرس کی تھی o اس کا ایک کھیت تھا، جسے اس نے بیچا اور قیمت لا کر رسولوں کے پاؤں میں رکھ دی o" (اعمال ۴: ۳۶، ۳۷)

اور یہ برناباس ہی تھے کہ جنہوں نے تمام حواریوں کے سامنے سابقہ یہودی اور نئے مسیحی پولس[2]

---

[1] تھوڑا آگے چل کر ہم اپنے اس دعوی کو انشاء اللہ تعالیٰ دلائل سے ثابت کریں گے۔ ۱۲

[2] پولس ہی وہ شخص ہے جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی بنیادی تعلیم کو اس قدر مسخ کیا کہ گویا کہ پورا مذہب ہی تبدیل کر دیا اور یہ کہا کرتا تھا کہ مجھے یسوع کی جانب سے مکاشفہ (الہام) ہوتا ہے، حالانکہ یہ پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بدترین دشمنوں سے تھا ملاحظہ ہو (اعمال ۹: ۱)

کی تصدیق کی اور انہیں یقین دلایا کہ پولس واقعی تمہارا ہم مذہب ہو چکا ہے، ورنہ ابھی تک حواریوں کو پولس کے ایمان لانے کا یقین نہ تھا۔ انجیل مقدس کی کتاب اعمال میں آیا ہے:

"اس (پولس) نے یروشلم پہنچ کر شاگردوں میں مل جانے کی کوشش کی اور سب اُس سے ڈرتے تھے، کیونکہ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ (بھی) شاگرد ہے۔ مگر برنباس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں[1] کے پاس لے جا کر کہا، اُن سے بیان کیا کہ اس نے اس طرح راہِ خداوند کو دیکھا اور اُس نے باتیں کیں[2] اور اس نے دمشق میں کس دلیری کے ساتھ یسوع کے نام کی منادی کی۔ پس وہ (یعنی پولس) یروشلیم میں ان کے ساتھ آتا جاتا رہا۔" (۹: ۲۶ تا ۲۸)

اس واقعہ کے بعد پولس اور برنباس گہرے دوست بن گئے۔ سفر و حضر میں ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوتے، ہمیشہ اکٹھے ہی رہتے، یہاں تک کہ یروشلیم کی کونسل نے ایک مخصوص[3] فیصلہ کیا جس کے بعد پولس اور برنباس کے نظریات میں زبردست اختلاف پیدا ہو گیا۔ پولس کے پیش کردہ جدید مذہب کو مسیحیت میں نئے شامل ہونے والوں میں بہت قبولیت ہوئی، کیونکہ یہ مذہب ایک تو اصل مذہب مسیحی کی نسبت بہت رعایتوں والا مذہب تھا، اور دوسرے یہ کہ پولس کا دعویٰ تھا کہ مجھ پر رُوح القدس کا نزول ہوتا ہے۔ چونکہ پولس کے پاس اپنے اس نئے دین کو حق ثابت کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی حمایت حاصل نہ ہو سکی تھی، اس لیے اس نے صاف صاف اعلان کر دیا:

"اے بھائیو! میں تمہیں جتائے دیتا ہوں کہ جو خوشخبری میں نے سُنائی، وہ انسان کی سی نہیں، کیونکہ وہ مجھے انسان کی طرف سے نہیں پہنچی اور نہ مجھے سکھائی گئی، بلکہ

---

[1] یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاص حواری انجیل میں اُن کو رسول ہی کہا گیا ہے۔۱۲ [2] یہ اُن واقعات کی طرف اشارہ ہے جن کا دعویٰ پولس نے کیا۔ ملاحظہ ہو، اعمال ۹: ۱ تا ۹۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ ساؤل اور پولس ایک شخص کے دو نام ہیں جیسا کہ اعمال ۱۳، ۹ میں ہے: "اور ساؤل کہ جس کا نام پولس بھی ہے"۔۱۲ [3] اس کی وضاحت آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔

یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکاشفہ ہوا۔" (گلتیوں کے نام ا:۱۱، ۱۲)

اب تو پولس نے کھلم کھلا طور پر توراۃ کی بھی مخالفت شروع کر دی تھی۔ دینِ مسیحی کے علما حضرات (مثلاً برنباس اور پطرس وغیرہما) نے پولس کے نظریات کی زبردست مخالفت کی۔ اس کے باوجود پولس کے پیروکار بڑھتے رہے۔ حتیٰ کہ ۳۰۶ء میں شاہِ روم قسطنطین اوّل کے زمانہ میں پولس کے گروہ کو سرکاری حمایت حاصل ہو گئی۔ اس طرح صحیح مذہب مسیحی اور مسیح علیہ السلام کے نامور حواری برناباس کی تالیف کردہ انجیل پس منظر میں چلے گئے۔ بایں ہمہ برناباس کی انجیل ۳۲۵ء تک مستند تسلیم کی جاتی تھی۔ ایرانیس IRANAEUS نے جب سینٹ پال کے مشرکانہ عقائد کے خلاف مہم شروع کی تو اس نے برنباس کی انجیل سے بکثرت استدلال کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی دو صدیوں میں یہ انجیل معتبر تسلیم کی جاتی تھی اور اپنے دین کے بنیادی مسائل ثابت کرنے کے لیے اس کی عبارتوں کو بطورِ حجت پیش کیا جاتا تھا۔ لیکن ۳۲۵ء میں جو کانفرنس نیقنیا میں ہوئی[1] اس میں یہ طے پایا کہ عبرانی زبان میں جتنی بھی انجیلیں موجود ہیں، ان سب کو ضائع کر دیا جائے جس کے پاس یہ انجیل ملے، اس کی گردن اڑا دی جائے۔ ۳۸۳ء میں پوپ نے انجیلِ برنباس کا نسخہ حاصل کر لیا اور اپنی پرائیویٹ لائبریری میں اسے محفوظ کر لیا۔ زینو بادشاہ کی حکمرانی کے چوتھے سال برنا باس کی قبر کھودی گئی تو اس انجیل کا ایک نسخہ اس کے سینے پر رکھا ہوا ملا۔ پوپ SIRITUS (۹۰-۱۹۸۵ء) کا ایک دوست جس کا نام فرامارنیو FRAMARINO تھا۔ اسے پوپ کی ذاتی لائبریری سے اس کا وہ نسخہ ملا۔ فرامارنیو کو اس سے بڑی دلچسپی تھی، کیونکہ اس نے ایرانیس کی تحریروں کا مطالعہ کیا تھا جس میں اس نے برنباس کی انجیل کے بکثرت حوالے دیئے تھے۔ اطالوی زبان میں لکھا ہوا یہ مسودہ مختلف لوگوں سے ہوتا

---

[1] اس کونسل میں پہلی بار تثلیث کے عقیدے کو مذہب کا بنیادی عقیدہ تسلیم کیا گیا اور اس عقیدے کے منکر (مثلاً آریوس وغیرہ) کو مذہب سے خارج کر دیا گیا۔ اس موقع پر پہلی مرتبہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد کو مدوّن کیا گیا جو عقیدہ اثناسی شیس کے نام سے مشہور ہے۔

ہوا ایمسٹرڈم AMSTERDAM کی ایک مشہور و معروف ہستی کے ہاں پہنچا۔ یہاں سے پرشیا ما کے بادشاہ کے مشیر جے۔ ایف۔ کریمر کو ملا۔ اس نے سیووے کے ایک علم دوست شہزادے یوگین EUGENE نے ۱۷۱۳ء میں حاصل کیا۔ ۱۷۳۸ء میں شہزادے کی پوری لائبریری کے ساتھ یہ نسخہ بھی ویانا پہنچا۔ اب بھی یہ نسخہ وہاں محفوظ رکھا ہے۔

ٹولینڈ TOLAND نے اپنی تصنیف MISCELLANEOUS WORKS (کہ جو اس کی وفات کے بعد ۱۷۴۷ء میں شائع ہوئی) کی جلد اوّل صفحہ ۳۸۰ پر ذکر کیا کہ انجیل برنا باس کا قلمی نسخہ اب بھی محفوظ ہے۔ اسی کتاب کے پندرھویں باب میں لکھا ہے کہ ۴۹۶ء میں ایک حکم کے ذریعے اس انجیل کو ان کتب میں شامل کیا گیا کہ جن کو کلیسا نے ممنوع قرار دے دیا تھا۔ اس سے پہلے ۴۶۵ء میں پوپ انوسینٹ POPE INNECENT نے بھی اسی قسم کا حکم جاری کیا تھا۔ نیز ۳۸۲ء میں مغربی کلیسا نے متفقہ طور پر اس پر بندش عائد کی تھی۔

مسٹر اور مسز ریگ RAGG نے ۱۹۰۷ء میں ایک لاطینی نسخے سے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا..... "آکسفورڈ کے کلیرنڈن پریس نے اسے چھاپا (اور) آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے اسے شائع کیا۔ جب اس کا انگریزی ترجمہ چھپ کر بازار میں آیا تو اس کے سارے نسخے پُراسرار طریقے سے بازار سے غائب کر دیئے گئے، صرف دو نسخے محفوظ رہے ایک برٹش میوزم میں اور دوسرا واشنگٹن کی کانگریس لائبریری میں۔ صاحب "ضیاء القرآن" کے مطابق انہوں نے اس انجیل کا انگریزی ترجمہ بذریعہ مائیکروفلم ایک دوست کی وساطت سے واشنگٹن کی کانگریس لائبریری سے حاصل کیا" اس لیے ہم یہ مصدقہ حوالے مذکورہ تفسیر سے من وعن نقل کرتے ہیں تاکہ حقیقتِ حال عیاں ہو جائے۔

"برنباس نے اپنے رسول کی تعلیمات کو بلا کم و کاست بیان کیا۔ اسی طرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں جو بشارتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بار نہیں بلکہ بار بار دی تھیں، ان کا اس (انجیل) میں مندرج ہونا بھی قدرتی امر ہے، چنانچہ ان بے شمار

بشارتوں میں سے صرف چند پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، ان کا مطالعہ کیجئے اور اپنا ایمان کو تازہ کیجئے۔ . . . . . . انجیل برنا باس باب ۷۰ میں ہے،

"BUT AFTER ME SHALL COME THE SPLENDOUR OF ALL THE PROPHETS AND HOLY ONES, AND SHALL SHED LIGHT UPON THE DARKNESS OF ALL THAT THE PROPHETS HAVE SAID BECAUSE HE IS THE MESSENGER OF GOD

"لیکن میرے بعد وہ ہستی تشریف لائے گی جو تمام نبیوں اور نفوسِ قدسیہ کے لیے آب و تاب ہے اور پہلے انبیاء نے جو باتیں کی ہیں، ان پر روشنی ڈالے گی، کیونکہ وہ اللہ (تعالیٰ) کا رسول ہے۔"

2- FOR I AM NOT WORTHY TO ENLOOSE THE TIES OF THE HOSEN OR THE LATCHETS OF THE SHOES OF THE MESSENGER OF THE GOD WHOM YE CALL "MESSIAH" WHO WAS MADE BEFORE ME, AND SHALL COME AFTER ME AND SHALL BRING THE WORDS OF TRUTH, SO THAT HIS FAITH SHALL HAVE NO END.

"یعنی جس ہستی کی آمد کا تم ذکر کر رہے ہو، میں تو اللہ کے اس رسول کی جوتیوں کے تسمے کھولنے کے لائق بھی نہیں، جس کو تم مسیحا کہتے ہو، اس کی تخلیق مجھ سے پہلے ہوئی اور تشریف میرے بعد لے آئے گا۔ وہ سچائی کے الفاظ لائے گا اور اس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔"

"I AM INDEED SENT TO THE HOUSE OF ISRAEL AS A PROPHET OF SALVATION, BUT AFTER ME SHALL COME THE MESSIAH SENT OF GOD TO ALL THE WORLD, FOR WHOM GOD HATH MADE THE WORLD AND THEN

THROUGH ALL THE WORLD WILL GOD BE WORSHIPPED, AND MERCY RECEIVED".

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: "بے شک میں تو فقط بنی اسرائیل کے گھرانے کی نجات کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، لیکن میرے بعد مسیحا تشریف لائے گا، جسے اللہ تعالیٰ سارے جہان کے لیے مبعوث فرمائے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات تخلیق کی ہے اور اسی کی کوششوں کے باعث ساری دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی پرستش کی جائے گی اور اس کی رحمت نصیب ہوگی۔" (باب ۸۲)

آپ پریشان ہیں کہ لوگوں نے آپ (علیہ السلام) کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔ رُومی گورنر اور بادشاہ آپ (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتے ہیں کہ ہم روم کے شہنشاہ سے ایک ایسا فرمان جاری کروائیں گے جس میں سب کو آپ کے متعلق ایسی باتیں کہنے سے روک دیا جائے گا۔ ان کے جواب میں آپ (علیہ السلام) فرماتے ہیں کہ مجھے تمہاری ان باتوں سے اطمینان حاصل نہیں ہوا۔ ۔ ۔ ۔

"BUT MY CONSOLATION IS IN THE COMING OF MESSENGER WHO SHALL DESTROY EVERY FALSE OPINION OF ME, AND HIS FAITH SHALL SPREAD AND SHALL TAKE HOLD OF THE WHOLE WORLD, FOR SO HATH GOD PROMISED TO ABRAHAM OUR FATHER".

"بلکہ میرا اطمینان تو اُس رسول کی تشریف آوری سے ہوگا جو میرے بارے تمام جھوٹے نظریات کو نیست و نابود کر دے گا، اس کا دین پھیلے گا اور سارے جہان کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ ابراہیم سے اسی طرح کا وعدہ کیا ہے۔"

اس کے بعد پادری نے ایک اور سوال پوچھا کہ کیا اس رسول کی آمد کے بعد اور نبی بھی

آئیں گے؟ آپ (علیہ السلام) نے ارشاد فرمایا:

"THERE SHALL NOT COME AFTER HIM TRUE PROPHETS SENT BY GOD, BUT THERE SHALL COME A GREAT DEAL OF FALSE PROPHETS, WHEREAT I SORROW FOR SATAN SHALL RAISE THEM UP"

"یعنی آپ کے بعد اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا کوئی سچا نبی نہیں آئے گا، البتہ کثرت سے جھوٹے نبی آئیں گے، جنہیں شیطان کھڑا کرے گا۔" [1]

اس پادری نے دوسرا سوال کیا: "اس مسیحا کا نام کیا ہوگا اور کن علامات سے اس کی آمد کا پتہ چلے گا۔؟" اس کے جواب میں آپ (علیہ السلام) ارشاد فرماتے ہیں:

"THE NAMF OF THE MESSIAH IS ADMIRABLE, FOR GOD HIMSELF GAVE HIM THE NAME WHEN HAD CREATED HIS SOUL, AND PLACED IT IN A CELESTIAL SPLENDOUR GOD SAID:

"WAIT MUHAMMAD FOR THY SAKE I WILL TO CREATE PARADISE, THE WORLD, AND A GREAT MULTITUDE OF CREATURES".

.....I SHALL SEND THEE INTO THE WORLD I SHALL SEND THEE AS MY MESSENGER OF SALVATION AND THY WORD SHALL BE TRUE, IN SO MUCHTHAT HEAVAN AND EARTH SHALL FAIL BUT THY FAITH SHALL NEVER FALL."

"MUHAMMAD IS HIS BLESSED NAME".

---

[1] گویا قادیانی جیسے جھوٹے نبیوں کی بھی نشان دہی فرما دی۔ ۱۲

"مسیحا کا نام" قابلِ تعریف ہے" اللہ تعالیٰ نے جب ان کی رُوحِ مبارک کو پیدا فرمایا اور آسمانی آب و تاب میں رکھا، تو خود ان کا نام رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) انتظار کرو۔ میں نے تیری خاطر جنت کو پیدا کیا ہے۔ ساری دُنیا کو پیدا کیا ہے اور بے شمار[1] مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ جب میں تجھے دُنیا میں بھیجوں گا، تو تمہیں نجات دہندہ رسول بنا کر بھیجوں گا۔ تیری بات سچی ہوگی۔ آسمان اور زمین فنا ہو سکتے ہیں لیکن تیرا دین کبھی فنا نہیں ہو سکتا۔" آپ (علیہ السلام) نے کہا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اس کا بابرکت نام ہے۔"

پھر تمام سامعین نے یہ سُن کر یہ کہتے ہوئے فریاد کرنا شروع کی،

"O GOD SEND US THY MESSENGER. O MUHAMMAD, COME QUICKLY FOR THE SALVATION OF THE WORLD".

"اے خدا! اپنے رسول کو ہماری طرف بھیج۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ) دُنیا کی نجات کے لیے جلدی تشریف لے آئیے۔" (باب ۹۷)

حضرت عیسیٰ مسیح (علیہ السلام) اپنے حواری برنا باس سے اپنے آخری حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

"میرے قتل کی سازش کی جائے گی، چند ٹکوں کے عوض مجھے میرا ایک حواری گرفتار کرا دے گا لیکن وہ مجھے پھانسی نہیں دے سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے زمین سے اٹھا لے گا اور جس نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے، اس کو میرے بجائے سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔"

فرماتے ہیں،

---

[1] یعنی بہت سی۔ ۱۲

'I SHALL ABIDE IN THAT DISHONOUR FOR A LONG' TIME IN THE WORLD, BUT WHEN MOHAMMAD SHALL COME, THE SACRED MESSENGER OF GOD, THAT INFAMI SHALL BE TAKEN AWAY AND THIS SHALL GOD DO, BECAUSE I HAVE CONFESSED THE TRUTH OF THE MESSIAH, WHO SHALL GIVE ME THIS REWARD, THAT I SHALL BE KNOWN TO BE ALIVE AND TO BE A STRANGER TO THAT DEATH OF INFAMI.

"طویل عرصہ تک لوگ مجھے بدنام کرتے رہیں گے، لیکن جب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیہ وآلہ وسلم، تشریف لائیں گے جو خدا کے مقدس رسول ہیں۔ تب میری یہ بدنامی اختتام پذیر ہو گی اور اللہ تعالیٰ یوں کرے گا، کیونکہ میں اس مسیحا کی صداقت کا اعتراف کرتا ہوں، وہ مجھے یہ انعام دے گا، لوگ مجھے زندہ جاننے لگیں گے اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس رُسوا کُن موت سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں"

قارئین کرام! ملاحظہ فرمائیے کہ کتنے واضح ترین انداز میں آمدِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نویدِ مسرت سنائی گئی ہے۔ ایک متلاشیٔ حق شخص کے لیے تو اب جائے فرار نہیں، لیکن اگر انکار کرنا ہی مقصود ہے، تو بڑے بڑے دلائل بھی ریگ بر ریگ ہی ثابت ہوتے ہیں۔ آخر سیدنا عیسیٰ روح اللہ نے بھی معجزات دکھائے تھے، مُردوں کو زندہ کیا، بحکمِ الٰہی بیماروں کو شفا دی، مٹی کا پرندہ بنا کر فضا میں اڑا دیا، اس کے باوجود یہودیوں نے آپ (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ کا نبی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ فرعون لعین نے بچشمِ خود موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے معجزات کا مشاہدہ کیا، مگر حق تسلیم کرنے سے گریزاں رہا۔

واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراطٍ مستقیم۔

باب چہارم

موجودہ عیسائیت

حق یہ ہے کہ اگر عیسائی حضرات، سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر کما حقہ عمل کرتے، تو یقیناً آج سب کے سب مسلمان ہوتے، اسی لیے مسلمان تعلیماتِ مسیحی کے ہرگز ہرگز مخالف نہیں، کیونکہ خود عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیماتِ مبارکہ کے مطابق دینِ مسیحی پر عمل اُسی وقت ختم ہو جائے گا کہ جس وقت حضور امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اعلانِ نبوت فرمادیں گے، اس لیے اگر آج مسلمان مذہبِ عیسائیت تسلیم نہیں کرتے، تو صرف اس لیے کہ عیسائیوں نے تعلیم مسیح علیہ السلام کی بجائے "پولس" کی تعلیمات کو اپنا لیا ہے جو کہ حضرت سیدنا عیسیٰ رُوح اللہ کی تعلیمات کے بالکل برعکس ہیں۔ یہ ناچیز (مؤلف کتاب ہذا) اس جگہ قدرے تفصیل سے تو کچھ عرض کرتا، مگر چونکہ اس کتاب کا موضوع سیرتِ امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے، اس لیے انتہائی اختصار سے بقدرِ ضرورت تحریر کیا جاتا ہے۔[1]

پولس اور اُس کا مذہب

بائیبل کے تفصیلی مطالعہ کے باوجود پولس کے ابتدائی حالات زیادہ وضاحت سے نہیں مل سکے، البتہ انجیلِ مقدس کی کتابِ اعمال میں پولس کے خطوط سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا پکا یہودی تھا اور اس کا پہلا نام ساؤل تھا۔ فلپیوں کے نام خط میں اُس نے تحریر کیا؛

---

[1] اس موضوع پر تحریر کرنا ضروری اس لیے ہے کہ ثابت کیا جاسکے کہ اصل مذہبِ مسیح علیہ السلام میں کتنا تغیر کر دیا گیا اور نہ صرف نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بائیبل سے ختم کیا گیا، بلکہ زبردست تحریف بھی کی گئی۔

"آٹھویں دن میرا ختنہ ہوا، اسرائیل کی قوم اور بنیامین کے قبیلہ کا ہوں، عبرانیوں کا عبرانی اور شریعت کے اعتبار سے فریسی ہوں ہ جوش کے اعتبار سے کلیسیا کا ستانے والا۔ شریعت کی راست بازی کے اعتبار سے بے عیب تھا۔ (۳: ۵، ۶)

پولس ملک روم میں پیدا ہوا جیسا کہ کتاب اعمال میں ہے:

"جب انہوں نے اُسے (پولس کو) تسموں سے باندھ لیا، تو پولس نے اُس صوبیدار سے جو اُس کے پاس کھڑا تھا، کہا تمہیں روا ہے کہ ایک رومی آدمی کو کوڑے مارو اور وہ بھی قصور ثابت کیے بغیر؟" (۲۲: ۲۵)

اعمال ۲۲: ۲۸ میں ہے کہ پولس نے کہا کہ میں پیدائشی رومی ہوں۔

ساؤل یعنی پولس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے حواریوں اور ایمان لانے والوں کا بدترین دشمن تھا۔ انجیل کی کتاب اعمال میں ہے:

"اور ساؤل اُس کے قتل پر راضی[1] تھا۔ اُسی دن کلیسیا پر جو یروشلیم میں تھی بڑا ظلم برپا ہوا اور رسولوں کے سوا، سب یہودیہ اور سامریہ کی اطراف میں پراگندہ ہو گئے ہ اور دیندار لوگ ستفنس کو دفن کرنے کے لیے لے گئے اور اُس پر بڑا ماتم کیا ہ اور ساؤل کلیسیا کو اس طرح تباہ کرتا رہا کہ گھر گھر گھس کر مرد اور عورتوں کو گھسیٹ کر قید کراتا تھا ہ" (۸: ۱ تا ۳)

دینِ مسیحی کے بدترین دشمن ساؤل کو نہ معلوم کیا سوجھی کہ یکایک اس نے دعویٰ کر دیا کہ مجھے یسوع مسیح نظر آئے ہیں اور میں عیسائی ہو گیا ہوں جیسا کہ اُس نے بادشاہ اگرپا کے سامنے اپنا وضاحتی بیان پیش کرتے ہوئے کہا:

---

[1] یہ قتل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی تبلیغ کرنے والے ایک مبلغ کا تھا جسے یہودیوں نے پتھر مار مار کر شہید کر دیا تھا۔ اس کا نام ستفنس تھا۔ ۱۲

"میں نے بھی سمجھا تھا کہ یسوع ناصری کے نام کی طرح طرح سے مخالفت کرنا مجھ پر فرض ہے۔ چنانچہ میں نے یروشلیم میں ایسا ہی کیا اور سردار کاہنوں کی طرف سے اختیار پاکر بہت سے مقدسوں کو قید میں ڈالا اور جب وہ قتل کیے جاتے تھے، تو میں یہی رائے دیتا تھا۔ اور ہر عبادت خانہ میں انہیں سزا دلا دلا کر زبردستی اُن سے کفر کہلواتا تھا، بلکہ اُن کی مخالفت میں ایسا دیوانہ بنا کہ غیر شہروں میں بھی جاکر انہیں ستاتا تھا۔ اسی حال میں سردار کاہنوں سے اختیار اور پروانے لے کر دمشق کو جاتا تھا۔ تو اے بادشاہ! میں نے دوپہر کے وقت راہ میں یہ دیکھا کہ سورج کے نور سے زیادہ ایک نور آسمان سے میرے اور میرے ہم سفروں کے گرداگرد آچمکا۔ جب ہم سب زمین پر گر پڑے، تو میں نے عبرانی زبان میں یہ آواز سُنی کہ اے ساؤل! اے ساؤل! تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟ پینے کی آر پر لات مارنا تیرے لیے مشکل ہے۔ میں نے کہا اے خداوند! تو کون ہے؟ خداوند نے فرمایا: میں یسوع ہوں، جسے تو ستاتا ہے۔ لیکن اُٹھ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو، کیونکہ میں اس لیے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے ان چیزوں کا خادم اور گواہ مقرر کروں، جن کی گواہی کے لیے تو نے مجھے دیکھا ہے"

اور اُن کا بھی جن کی گواہی کے لیے میں تجھ پر ظاہر ہوا کروں گا۔ اور میں تجھے اس اُمت اور غیر قوموں سے بچاتا رہوں گا، جن کے پاس تجھے اس لیے بھیجتا ہوں۔ کہ تو اُن کی آنکھیں کھول دے تاکہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کے اختیار سے خدا (تعالیٰ) کی طرف رجوع لائیں اور مجھ پر ایمان لانے کے باعث گناہوں کی معافی اور مقدسوں میں شریک ہو کر میراث پائیں۔" (اعمال ۲۶: ۹ تا ۱۹)

ساؤل نے اپنا نام بھی تبدیل کر کے پولُس رکھ لیا تھا۔ شروع شروع میں پولُس نے جب

یہ دعویٰ کیا تھا کہ یسوع پرایمان لاچکا ہوں، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی بھی حواری یہ ماننے کے لیے تیار نہ تھا کہ یہ سچا ہے، بلکہ حواری اس ایمان کو بھی ساؤل کی ایک سازش ہی خیال کرتے تھے جب ایک عظیم المرتبت حواری برنباس نے ساؤل المعروف پولس کی گواہی دی، تو تمام حواری مطمئن ہو گئے۔ انجیل مقدس میں ہے،

"اس (پولس) نے یروشلیم میں پہنچ کر شاگردوں میں مل جانے کی کوشش کی اور سب اس سے ڈرتے تھے، کیونکہ اُن کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے۔ مگر برنباس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جاکر اُن سے بیان کیا کہ اس نے اس طرح راہ میں خداوند کو دیکھا اور اُس نے اِس سے باتیں کیں اور اُس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے نام سے منادی کی۔ پس وہ یروشلیم میں اُن کے ساتھ آتا جاتا رہا۔" (اعمال ۹، ۲۶ تا ۲۸)

اس کے بعد پولس حواریوں اور بالخصوص برنباس سے مل کر عیسائیت کی تبلیغ کرتا رہا اور عیسائیوں میں قابلِ اعتماد اور عظیم حواری کے طور پر پہچانا جانے لگا۔ انطاکیہ کی طرف تبلیغِ عیسائیت کے لئے جب برنباس اور پولس کو بھیجا گیا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اہلِ انطاکیہ کی طرف جو خط لکھا، اُس میں ان کا تعارف یوں کروایا:

" یہ دونوں ایسے آدمی ہیں جنہوں نے اپنی جانیں ہمارے خداوند یسوع مسیح کے نام پر نثار کر رکھی ہیں۔"

مذکورہ بالا اقتباس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پولس کی قدر و منزلت کلیسا کے نزدیک کس قدر تھی اور یہ بھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جلیل القدر حواری برنباس اور پولس میں کس قدر محبت تھی۔ کتابِ اعمال کے باب ۱۵ تک برنباس اور پولس ہر معاملہ میں شیر و شکر نظر آتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آجاتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو جاتا اور یہ اختلاف اس قدر شدید تھا کہ آئندہ پولس اور برنباس کبھی بھی اکٹھے نہ

ہوسکے۔ پولس کے شاگرد "لوقا" نے کتابِ اعمال کے اندر اختلاف کی بنیاد محض اس چیز پر رکھی کہ جب پولس اور برنباس مختلف شہروں کے دورے پر جانے لگے، تو برنباس نے کہا کہ ہم اپنے ساتھ بطورِ خادم یوحنا کہ جس کا نام "مرقس" بھی ہے، اسے لیے چلتے ہیں، مگر پولس نے کہا کہ میں یوحنا کو پسند نہیں کرتا، اس لیے ہمارے ساتھ سیلاس جائے گا۔ چنانچہ برنباس اور پولس علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ ملاحظہ ہو: (اعمال ۱۵: ۳۵ تا ۴۱)

حق یہ ہے کہ محض اسی واقعہ کو وجہِ اختلاف قرار دینا ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کے مصداق ہے۔ اگر یوحنا یعنی مرقس پولس کی نظر میں اس قدر مغضوب شخص تھا کہ اس کی خاطر اپنے دیرینہ دوست اور رفیقِ کار برنباس (کہ جس نے یروشلیم میں اس کی گواہی دی اور حمایت بھی کی تھی) کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ سکتا ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ پولس کبھی بھی مرقس کو منہ لگائے، جبکہ پولس نے تیمتھیس کو دوسرا خط لکھا، تو اس نے منجملہ دوسری باتوں کے یہ بھی لکھا،

"صرف لوقا میرے پاس ہے۔ مرقس کو ساتھ لے کر آجا، کیونکہ خدمت کے لیے وہ میرے کام کا ہے۔" [1]

اسی طرح پولس کلسیوں کے نام خط تحریر کرتا ہوا لکھتا ہے:

"ارسترخس جو میرے ساتھ قید ہے، تم کو سلام کہتا ہے اور برنباس کا رشتہ کا بھائی مرقس (جس کی بابت تمہیں حکم ملے تھے، اگر وہ تمہارے پاس آئے تو اس سے اچھی طرح ملنا) (کلسیوں ۴: ۱۰)

قارئین کرام ملاحظہ فرمائیے کہ کل جس مرقس کی خاطر ایک محسن اور جاں نثار حواری کی دوستی کو قربان کیا گیا تھا، آج اُسی مرقس سے محبت کی پینگیں بڑھائی جا رہی ہیں۔ تو کیا اس سے یہ بات اچھی طرح عیاں نہیں ہو جاتی کہ کتاب اعمال میں لوقا نے اپنے استاد پولس کی حمایت

---

[1] خیال رہے کہ یوحنا یعنی مرقس پولس اور برنباس کا پہلے بھی قابلِ اعتماد خادم اور جاں نثار مسیحی تھا۔ ملاحظہ ہو: (اعمال باب ۱۲ و باب ۱۳)

میں جو کچھ لکھا ہے، وہ محض ایک ثانوی سی بات ہے؟ اور نہ ہی تو یہ وہ مرقس ہے جو کہ باعث نزاع بنا تھا۔ اب یکا یک "کیونکہ" کام کا آدمی اور خدمت گزار" نظر آنے لگا۔ اگر بالفرض یہ خیال کیا جائے کہ پولس کو مرقس کے متعلق کچھ غلط فہمی ہو گئی، جو بعد میں دُور ہو گئی۔ تو پھر پرانے ساتھی اور نامور حواری برنباس سے صلح کیوں نہ ہو سکی، حالانکہ دشمن کے ساتھ جس برتاؤ کی تعلیم حضرت مسیح علیہ السلام نے دی، وہ یہ ہے:

"لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر سے مقابلہ نہ کرنا، بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے، تو دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہتا ہے تو چوغہ بھی اسے لینے دے۔"

(متی کی انجیل ۵: ۳۹، ۴۰)

تو کیا اس قدر نرمی کا سبق دینے والے مسیح علیہ السلام کے دو جلیل القدر حواریوں سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ محض اس بات پر کہ ہمارے ساتھ کون جائے اور کون نہ جائے، اس قدر شدید اختلاف پیدا ہو سکتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ پھر راہیں جدا ہو جائیں، بلکہ بعد میں آنے والے عیسائی بھی دو گروہوں میں تقسیم ہو جائیں۔۔۔؟ اس لیے یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ برنباس اور پولس کے درمیان محض سطحی نہیں بلکہ نظریاتی اختلاف تھا، جس کا اشارہ خود پولس کے اپنے خطوط میں موجود ہے "گلتیوں کے نام" اپنے خط میں پولس تحریر کرتا ہے:

"لیکن جب کیفا[1] انطاکیہ میں آیا تو میں نے روبرو ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا۔ اس لیے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصیتوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آ گئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی۔ یہاں تک کہ برنباس بھی ان کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا۔ جب میں نے دیکھا

---

[1] کیفا، پطرس کا دوسرا نام ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت بڑے حواری تھے۔ ۱۲

کہ وہ خوش خبری کی سچائی کے موافق سیدھی چال نہیں چلتے، تو میں نے سب کے سامنے کیفا سے کہا کہ جب تو باوجود یہودی ہونے کے غیر قوموں کی طرح زندگی گزارتا ہے نہ کہ یہودیوں کی طرح۔ تو غیر قوموں کو یہودیوں کی طرح چلنے پر کیوں مجبور کرتا ہے؟"

(گلتیوں ۲: ۱۱ تا ۱۴)

اس خط میں پولس نے برنباس اور پطرس کو "ریاکار" — "خوش خبری کے موافق سیدھی راہ پہ نہ چلنے والے" اور لوگوں کو یہودیت کی تعلیم دینے والا کہا اور یہ ہی اصل اختلاف کا سبب ہے۔ آپ کو یہ تمام حقیقت جاننے کے لیے تھوڑا سا گہرائی میں جانا ہوگا۔

اختلاف کی بنیاد اور یروشلیم کونسل کا فیصلہ

انجیل مقدس (عہد نامہ جدید) میں شامل کتاب "رسولوں کے اعمال" باب ۱۵ میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے جو کہ کچھ اس طرح ہے:

"پھر بعض لوگ یہودیہ سے آکر بھائیوں کو تعلیم دینے لگے کہ اگر موسیٰ کی رسم کے موافق تمہارا ختنہ نہ ہو تو تم نجات نہیں پا سکتے۔ پس جب پولس اور برنباس کی اُن سے بہت تکرار اور بحث ہوئی، تو کلیسیا نے یہ ٹھہرایا کہ پولس اور برنباس اور اُن میں سے چند اور شخص اس مسئلہ کے لیے رسولوں[1] اور بزرگوں کے پاس یروشلیم جائیں۔ پس کلیسیا نے اُن کو روانہ کیا اور وہ غیر قوموں کے رجوع لانے کا بیان کرتے فینیکے اور سامریہ سے گزرے اور سب بھائیوں کو بہت خوش کرتے گئے۔ جب یروشلیم پہنچے، تو کلیسیا اور رسول اور بزرگ اس سے خوشی کے ساتھ ملے اور انہوں نے سب کچھ بیان کیا جو خدا نے اُن کی معرفت کیا تھا۔ مگر فریسیوں کے فرقہ میں سے جو ایمان لائے تھے، ان میں سے بعض نے اٹھ کر کہا کہ ان کا ختنہ کرانا اور ان

[1] انجیل میں رسول، علماء و مبلغین کو کہا گیا ہے۔ ۱۲

کو موسیٰ کی شریعت پر عمل کرنے کا حکم دینا ضروری ہے۔

پس رسول اور بزرگ اس بات پر غور کرنے کے لیے جمع ہوتے۔ اور بہت بحث کے بعد پطرس نے کھڑے ہو کر ان سے کہا کہ اے بھائیو! تم جانتے ہو کہ بہت عرصہ ہوا، جب خدا نے تم لوگوں میں سے مجھے چُنا کہ غیر قومیں میری زبان سے خوشخبری کا کلام سُن کر ایمان لائیں۔ اور خدا نے، جو دلوں کو جانتا ہے، ان کو بھی ہماری طرح رُوح القدس دے کر ان کی گواہی دی۔ اور ایمان کے وسیلہ سے اُن کے دل پاک کر کے ہم میں اور اُن میں کچھ فرق نہ رکھا۔ پس تم شاگردوں کی گردن پر ایسا جوا نہ رکھو کہ جس کو نہ ہمارے باپ دادا اٹھا سکتے تھے نہ ہم، تم خدا کو کیوں آزماتے ہو؟ حالانکہ ہم کو یقین ہے کہ جس طرح وہ خداوند یسوع کے فضل ہی سے نجات پائیں گے، اسی طرح ہم بھی پائیں گے۔ پھر ساری جماعت چُپ رہی اور پولس اور برنباس کا بیان سُننے لگی۔" (اعمال ۱۵: ۱ تا ۱۲)

ختنہ اس طویل عبارت سے یہ بات واضح ہوئی کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو وسیع پیمانے پر پھیلایا گیا، تو کچھ ایسے لوگ بھی دینِ مسیحی میں داخل ہونے کے متمنی ہوئے کہ جن کا ختنہ نہ کیا گیا تھا اور اب وہ بڑے ہو چکے تھے۔ اس لیے ختنہ کروانا مشکل تھا۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر بعض حضرات (جیسے کہ پولس اور برنباس وغیرہ) نے تو کہا کہ کوئی بات نہیں، اگر ختنہ نہیں ہوا تب بھی تم دینِ مسیحی میں داخل ہو سکتے ہو کیونکہ حقیقی نجات کا دارومدار ختنہ نہیں، بلکہ عقائد ہیں[1] اور کچھ لوگ (مثلاً فریسیوں کا فرقہ) ایسے تھے کہ جو ضِد کرتے تھے کہ ان نو مسیحیوں کا ختنہ بھی کروایا جائے، ورنہ ان کو عیسائی نہ سمجھا جائے۔ بالآخر یروشلم کی کونسل میں یہ فیصلہ ہوا کہ غیر ختنہ شدہ نئے مسیحیوں کو ختنہ کروانے کی تکلیف نہ دی

---

[1] اور حق بھی یہی ہے، مثلاً آج اگر ہم سے کوئی نوجوان یا بوڑھا یہ کہے کہ میں صرف اس لیے مسلمان نہیں ہوتا کہ مجھے ختنہ کروانا پڑے گا، تو ظاہر ہے کہ ہم اُسے کہیں گے کہ اگر ختنہ نہ بھی کرواؤ، تب بھی مسلمان ہو جاؤ کہ کم از کم عقائد تو درست ہو جائیں گے۔ ۱۲

جائے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ دینِ مسیحی میں ترمیم کر کے ختنہ کو بالکل ہی ختم کر دیا جائے۔

توراۃ اس کے ساتھ ساتھ یروشلیم کی کونسل میں یہ فیصلہ بھی ہوا کہ جو نئے افراد دینِ مسیحی میں داخل ہوں، اُن کو توراۃ کے اُن سخت احکامات پر زبردستی عمل نہ کروایا جائے کہ جن پر ہمارے باپ دادا بھی کما حقہٗ عمل نہ کر سکے تھے، جیسا کہ پطرس نے تقریر کرتے ہوئے کہا،

"تم شاگردوں کی گردن پر ایسا جوا نہ رکھو کہ جس کو نہ ہمارے باپ دادا اُٹھا سکتے تھے نہ ہم۔" (اعمال ۱۵: ۱۰)

چنانچہ کونسل نے فیصلہ کیا کہ ابتداً ان نومسیحیوں پر کچھ زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے، بلکہ پہلے صرف خاص خاص باتوں سے روکا جائے اور مسیحیت کی طرف ان کا پہلا قدم ہوگا۔ پھر وہ بتدریج دوسرے احکامات اپناتے جائیں گے۔ اس بات کے پیشِ نظر کونسل نے برنباس اور پولس کو نومسیحیوں کے لیے جو تحریر لکھ دی، اُس میں یہ تھا،

"اور ہم نے مناسب جانا کہ ان ضروری باتوں کے سوا تم پر اور بوجھ نہ ڈالیں، کہ تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت سے اور گلا گھونٹے جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کرو۔ اگر تم ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھو گے تو سلامت رہو گے۔ والسلام۔" (اعمال ۱۵: ۲۸، ۲۹)

اس جگہ حواریوں کا یہ مقصد ہرگز ہرگز نہیں تھا کہ توراۃ کو منسوخ کر دیا جائے، ورنہ وہ صاف صاف الفاظ میں کہہ دیتے کہ شریعت[1] پر عمل نہ کیا جائے اور یہ اعلان حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے سچے حواری ہرگز نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔

"متی کی انجیل" میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا،

[1] بائیبل میں شریعت سے مراد توراۃ ہی ہے۔ ۱۲-

"یہ نہ سمجھو کہ میں توراۃ یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں، بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں، ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا، جب تک سب پورا نہ ہو جائے۔ پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا، وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا، لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا۔" (متی کی انجیل ۵: ۱۷ تا ۱۹)

ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام شریعت (توریت) کو واجب العمل قرار دے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ جو اس چھوٹے سے حکم کو بھی توڑے گا، ذلیل ہوگا۔[1] ظاہر ہے کہ سچے حواری شریعت کو کیونکر منسوخ کر سکتے تھے۔

پولس کی خیانت

یروشلیم کی کونسل کے فیصلہ کے بعد جب پولس اور برنباس انطاکیہ پہنچے تو پولس نے کونسل کے فیصلہ سے بہت غلط فائدہ اٹھایا اور تعلیم دینے لگا کہ ختنہ ہرگز نہیں کروایا جائے گا۔ بلکہ ختنہ کروانے والا محروم رہے گا "گلتیوں" کے نام خط میں پولس نے تحریر کیا؛

"دیکھو! میں پولس تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔" (گلتیوں ۵: ۲)

حالانکہ ختنہ کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے چلا آتا ہے اور اس میں کوئی بھی تبدیلی نہ ہوئی۔ توریت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا؛

"اور میرا عہد ہے جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے۔"

---

[1] یعنی بہت ذلیل ۱۲

اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کیا کرنا اور یہ اُس عہد کا نشان ہوگا جو میرے اور تمہارے درمیان ہے ۔ تمہارے ہاں پشت در پشت ہر لڑکے کا ختنہ جب وہ آٹھ روز کا ہو کیا جائے، خواہ وہ گھر میں پیدا ہو، خواہ اُسے کسی پردیسی سے خریدا ہو، جو تیری نسل سے نہیں ۔ لازم ہے کہ تیرے خانہ زاد اور تیرے زر خرید کا ختنہ کیا جائے اور میرا عہد تمہارے جسم میں ابدی عہد ہوگا ۔ اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے کیونکہ اُس نے میرا عہد توڑا ۔"

(پیدائش ۱۷: ۱۰ تا ۱۴)

توراۃ میں ایک اور جگہ ہے ؛

" اور خداوند نے موسیٰ سے کہا ۔ بنی اسرائیل سے کہہ کہ اگر کوئی عورت حاملہ ہو، اور اُس کے لڑکا ہو تو وہ سات دن ناپاک رہے گی، جیسے حیض کے ایام میں رہتی ہے ۔ اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے ۔" (احبار ۱۲: ۱ تا ۳)

محترم قارئین کرام ذرا خالی الذہن ہو کر ان تمام احکامات کے سلسلہ کی کڑیاں ملائیے تو یہ بات ثابت ہوگی کہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ؛

(۱) میں توراۃ یا نبیوں کے احکام منسوخ کرنے نہیں، بلکہ پورا کرنے آیا ہوں ۔

(۲) جب تک سب پورا نہ ہو جائے (یعنی انبیاء بنی اسرائیل کی آمد مکمل ہو جائے اور نبی آخر الزماں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) تشریف آوری ہو جائے اُس وقت تک توراۃ میں تبدیلی یا منسوخی تو کجا ایک شوشہ بھی کم نہ ہوگا ۔

(۳) جو توراۃ کے کسی چھوٹے سے چھوٹے حکم کو بھی توڑے گا یا لوگوں کو توڑنے کا حکم دے، خدا کے حضور ذلیل اور چھوٹا ہوگا ۔

(۴) اور جو اُن پر عمل کرے گا، خدا کے حضور عزت و شرافت والا ہوگا ۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عہد باندھا کہ تیری نسل میں پُشت در پُشت

ضرور ختنہ ہوگا۔

(۶) بلکہ اگر تم غلام خریدو، تو اس کا بھی ختنہ ضرور ہو۔

(۷) میرا یہ عہد ابدی ہے، یعنی کسی بھی نبی کی شریعت میں منسوخ نہ ہوگا۔

(۸) جو ختنہ نہ کروائے، اسے مذہب و احباب سے نکال دو۔ یعنی اُس سے قطع تعلق کر لو۔

(۹) ختنہ آٹھویں دن ضرور کیا جائے گا۔

چونکہ ختنہ کے حکم توراۃ میں اس قدر مؤکد تھے، خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ختنہ ہوا۔ انجیل میں ہے:

"جب آٹھ دن پورے ہوئے اور اُس کے ختنہ کا وقت آیا تو اُس کا نام یسوع رکھا گیا جو فرشتے نے اس کے رحم میں پڑنے سے پہلے رکھا تھا"

(لوقا ۲: ۲۱)

یہ ہی وہ مضبوط دلائل تھے کہ جن کی بنا پر "فریسیوں" نے کہا تھا کہ جو ختنہ نہ کروائے گا، وہ دینِ مسیحی میں شامل نہ سمجھا جائے، لیکن علماءِ نصاریٰ نے یروشلیم کی کونسل میں اتنی اجازت دے دی کہ جو نوجوان دینِ مسیحی میں شامل ہو اور ختنہ نہ کیا گیا ہو تو ہم اسے عیسائی مان لیں گے۔ اس کے برعکس پولس نے اس عہدِ خدا کا جس انداز میں مذاق اڑایا، توراۃ و انجیل کی جس طرح تحریف و تکذیب کی، وہ آپ کے سامنے ہے۔ جنابِ پولس بڑی ڈھٹائی سے یوں ہدایت فرماتے ہیں:

"دیکھو میں پولس تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ختنہ کراؤ گے، تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔" (گلتیوں ۵: ۲)

تھوڑا آگے چل کر مزید وضاحت کرتا ہے:

"کیونکہ نہ ختنہ کچھ چیز ہے نہ نامختونی، بلکہ نئے سرے سے مخلوق ہونا۔"

(گلتیوں ۶: ۱۵)

پولس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس سے چند قدم مزید آگے بڑھا اور شریعت کی مخالفت کو اپنے دین کی اساس بنا دیا۔

توراۃ کی مخالفت آپ پچھلے صفحات میں یروشلیم کونسل کا یہ فیصلہ پڑھ چکے ہیں کہ نو مسیحیوں میں سے جو شخص توراۃ کے بعض سخت تر ین احکامات شرعیہ پر عمل نہ کر سکے، اُسے عمل کرنے پر مجبور نہ کرو۔ ظاہر ہے کہ جو عمل کرے گا اُس کے لیے باعث اجر[1] ہو گا، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو بڑے واشگاف الفاظ میں توراۃ (یعنی شریعت) پر عمل کرنے کا حکم دیا، جیسا کہ آپ قبل ازیں پڑھ چکے ہیں کہ توراۃ میں ایک شوشہ بھی کم نہ ہو گا اور جو اس توراۃ پہ عمل نہ کرے گا، عنداللہ ذلیل ہو گا، جبکہ اس کے حکموں پہ عمل کرنے والا عنداللہ عزیز ہو گا، لیکن پولس کا نظریہ حضرت مسیح علیہ السّلام کی تعلیم کے بالکل برعکس ہے "گلتیوں کے نام" اپنے خط میں پولس تحریر کرتا ہے:

"جتنے شریعت کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں، وہ سب لعنت کے ماتحت ہیں"

(گلتیوں ۳ : ۱۰)

باب ۵ میں ہے "تم جو شریعت کے وسیلہ سے راست باز ٹھہرنا چاہتے ہو مسیح سے الگ ہو گئے اور فضل سے محروم ہو گئے" (گلتیوں ۵ : ۴)

وہ اُمتی بھی کیسا اُمتی ہے، وہ مجتہد بھی کیسا مجتہد (عندالنصاری رسول) ہے کہ جس کے نزدیک خود اپنے ہی نبی کی شریعت پر عمل کرنا معاذاللہ تعالیٰ لعنت اور محرومی کی دلیل ہے؟

توہینِ عیسیٰ علیہ السّلام چونکہ حضرت مسیح علیہ السّلام خود بھی شریعت (توراۃ) پر سختی سے عامل تھے اور لوگوں کو بھی اس پر عمل کا حکم دیتے تھے، شاید اسی بنا پر پولس نے اپنے ہی نبی[2] کی شان میں ایسے رکیک الفاظ استعمال کیے کہ جنہیں کوئی بھی

---

[1] جیسے ہم اہلِ اسلام بیمار یا مسافر کو ماہِ صیام کے روزے نہ رکھنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن اگر کوئی رکھ لے تو جائز بلکہ بہتر ہے بصورتِ دیگر وہ قضا روزے بعد میں رکھے گا۔ [2] جسے پولس نے اپنے زعمِ باطل میں خدا کا بیٹا کہا (معاذاللہ)

عقلمند اپنے استاد، والد یا کسی بھی معزز کے لیئے قطعًا برداشت نہیں کرتا ہم مسلمان ہیں ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ جل شانہ کے برگزیدہ نبی اور معزز پیغمبر تھے۔ ہماری مذہبی کتاب جو ہمارے آقا و مولیٰ رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی بڑی تعریف کی گئی ہے اور حق کو واضح کر کے بیان فرمایا گیا ہے۔ اس لیے جب ہم (مسلمان) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں ایسے الفاظ پڑھتے ہیں تو ہمارا خون کھول اٹھتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ پولس حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق کیا تحریر کرتا ہے۔

"مسیح ہمارے لیے لعنتی بنا۔ اُس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا ہے، وہ لعنتی ہے۔"

(گلتیوں کے نام ۳: ۱۳)

شوخیٔ ذہن و قلم دیکھیے کہ اُمتی یا شاگرد ہونے کا دعوے دار نہ صرف ان کی تعلیم کو تبدیل کر رہا ہے، بلکہ اپنے نبی یا اُستاد کی شان میں کیسے گستاخانہ الفاظ استعمال کر رہا ہے۔

پولس کے ایجاد کردہ بعض دوسرے عقائد

عقیدۂ تثلیث "تین ایک اور ایک تین" یہ ایک انتہائی پیچیدہ، مبہم گنجلک اور ناقابلِ فہم عقیدہ ہے۔ خدا تین ہیں کہ ایک۔ باپ، بیٹا اور روح القدس، ایک ہی شے کے تین نام ہیں یا یہ الگ الگ وجود ہیں۔ کیا بیٹا اور روح القدس باپ کے اعضاء ہیں یا باپ کی صفات۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ جنہوں نے متقدمین و متاخرین (یعنی پہلے اور بعد والے) علماء کو ایک عجیب مخمصے میں مبتلا کر رکھا ہے۔ عقیدۂ تثلیث کی ایجاد سے لے کر آج تک اس عقیدہ کی کوئی بھی ایسی جامع اور مانع تعریف نہیں کی جا سکی کہ جس پر تمام مسیحی اُمت متفق ہو سکتی ہو۔ ایک نامور عیسائی عالم اور مصنف مارس ریلیٹن MAURICE-

RELTON لکھتا ہے:

"عیسائیت کا خدا کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ ایک زندۂ جاوید وجود ہے جو تمام امکانی صفاتِ کمال کے ساتھ متصف ہے، اسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے، لیکن پوری طرح سمجھا نہیں جا سکتا، اس لیے اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماورای ہے، وہ فی نفسہٖ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں، صرف اتنی باتیں ہمیں معلوم ہوسکی ہیں جو خود اُس نے بنی نوع انسان کو وحی کے ذریعے بتلائیں۔" [1]

عقیدے کی اس پیچیدگی کا تقاضا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اس عقیدے کو خوب کھول کر واضح اور غیر مشکوک الفاظ میں بیان فرما دیتے اور اگر یہ عقیدہ عقلِ انسانی سے ماورای تھا، تو کم از کم عیسٰی علیہ السلام کو اتنا تو ضرور کہہ دینا چاہیے تھا کہ "یہ عقیدہ تمہاری سمجھ سے باہر ہے، اس لیے تم اس کو عقلی دلائل پر پرکھے بغیر تسلیم کرلو،" لیکن جب ہم حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تعلیمات کا جائزہ لیتے ہیں، تو پتہ چلتا ہے کہ آپ نے آخر تک اس عقیدہ کا ایک مرتبہ بھی ذکر نہ کیا، بلکہ آپ علیہ السلام کے اس کے برعکس ارشادات اس تحریف شدہ انجیل میں بھی موجود ہیں کہ جن میں لوگوں کو تثلیث کی بجائے توحید کا حکم دیا گیا ہے، بطورِ نمونہ ملاحظہ ہو:

"یسوع نے جواب دیا کہ اوّل یہ ہے کہ اے اسرائیل سُن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔" (مرقس ۱۲: ۲۹)

دوسری جگہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے دُعا کے لیے اپنا چہرہ آسمان کی طرف اُٹھا کر کہا:

"اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں۔" (یوحنا ۱۷: ۳)

---

[1] ملاحظہ ہو: (اظہار الحق) H. MAURICE RELTON STUDIES IN CHRISTION DOCTRINE

ایک اور جگہ اپنے حواریوں کو نصیحت فرماتے ہوئے حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا:

"مگر تم ربی نہ کہلاؤ، کیونکہ تمہارا استاد ایک ہی ہے اور تم سب بھائی ہو۔

اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو، کیونکہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمانی ہے۔"

(متی کی انجیل ۲۳ : ۸-۹)

اس چیز کو بعض جگہ پولس نے بھی تسلیم کیا۔ کرنتھیوں کے نام "اپنے پہلے خط میں پولس تحریر کرتا ہے:

"اگرچہ آسمان و زمین میں بہت سے خدا کہلاتے ہیں (چنانچہ بہتیرے خدا اور بہتیرے خداوند ہیں) لیکن ہمارے نزدیک تو خدا ایک ہی ہے یعنی باپ، جس کی طرف سے سب چیزیں ہیں اور ہم اسی کے لیے ہیں اور ایک ہی خداوند ہے یعنی یسوع مسیح جس کے وسیلہ سے سب چیزیں موجود ہوئیں اور ہم بھی اسی کے وسیلہ سے ہیں۔" (۱- کرنتھیوں ۸ : ۵-۶)

اس خط میں پولس نے وضاحت کی کہ خدا اور خداوند میں فرق ہے، خدا اور ہے خداوند اور ہے۔ خدا صرف اور صرف باپ یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ہی ہے، خداوند یعنی آقا یا استاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

پولس اپنے دوسرے خط میں" کرنتھیوں کے نام تحریر کرتا ہے:

"میں مسیح میں ایک شخص کو جانتا ہوں۔ چودہ برس ہوئے کہ وہ یکایک تیسرے آسمان تک اٹھا لیا گیا۔ مجھے یہ معلوم کہ بدن سمیت، نہ یہ معلوم کہ بغیر بدن کے یہ خدا کو معلوم ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس شخص نے (بدن سمیت یا بغیر بدن کے یہ مجھے معلوم نہیں، خدا کو معلوم ہے) یکایک فردوس میں پہنچ کر ایسی باتیں سنیں جو کہنے کی نہیں اور جن کا کہنا آدمی کو روا نہیں۔" (۲- کرنتھیوں ۲ ، ۲)

---

[1] پولس کے اس خط کی عبارت سے خود اسی کے ایجاد کردہ عقیدۂ اقانیم ثلاثہ یعنی تینوں ایک اور ایک ہی تین کی تمیٰ ریزہ ریزہ ہو گئی۔

محترم قارئین! یہ ریمارکس کسی کمزور عقیدہ مسلمان کے نہیں، بلکہ جناب پولس کے ہیں۔ ان میں پولس نے یہ بتایا کہ مسیح علیہ السلام ایک شخص (انسان) تھے، جن کو پہلا ایک تیسرے آسمان تک اٹھالیا گیا اور یہ خدا جانتا ہے کہ اُس شخص (عیسیٰ علیہ السلام) کو معہ بدن لے جایا گیا یا بغیر بدن کے اور پھر جنت الفردوس میں جا کر اُس شخص (مسیح علیہ السلام) نے خدا تعالیٰ جل شانہ، کے ارشاداتِ عالیہ سنے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں شخص (انسان) تھے۔ اُن کو اٹھانے والا انسان نہیں خدا تھا۔

افسیوں کے نام خط میں پولس نے تحریر کیا؛

"اور سب کا خدا اور باپ، ایک ہی ہے جو سب کے اوپر اور سب کے درمیان اور سب کے اندر ہے ؂ (افسیوں کے نام ۴ : ۶)

تیمتھیس کے نام پہلے خط میں پولس نے لکھا؛

"(وہ) جو مبارک اور واحد حاکم۔ بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند ہے ؂ بقا صرف اسی کو ہے اور وہ اُس نور میں رہتا ہے جس تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ نہ اسے کسی انسان نے دیکھا اور نہ دیکھ سکتا ہے، اس کی عزت اور سلطنت ابد تک رہے، آمین ؂" (۱۔تیمتھیس ۶ : ۱۵۔۱۶)

اللہ اکبر! یقیناً پولس کا یہ بیان حقیقت کے بہت ہی قریب لاریب، ہمیشہ کے لیے بقا، صرف خدائے لم یزل کے لیے ہی ہے، وہ ایسی ہستی ہے کہ جسے دنیا میں نہ کسی نے دیکھا اور نہ دیکھ سکتا ہے، ابدی سلطنت و عزت صرف اُسی کے لیے ہے (وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا) وہ خدا تعالیٰ ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا جو ایک عورت (حضرت سیدہ مریم سلام اللہ تعالیٰ علیہا) سے پیدا ہوا انسانوں میں رہا جو کھانا بھی کھاتا تھا، پانی بھی پیتا تھا جسے انسان دیکھتے بھی تھے چھوتے بھی تھے جو عوارضِ انسانی (مثلاً بول و براز) سے بچا ہوا نہیں تھا۔ وہ خدا تعالیٰ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہ جو ایک مکان میں بند ہوا اور جسے قتل کرنے کے لیے یہودی مکان کے گرد گھیرا باندھے

کھڑے ہوں، پھر عیسائیوں اور یہودیوں کے زعمِ باطل میں معاذ اللہ جیسے کانٹوں کا تاج پہنا کر ٹھوکریں مار کر لعنتی ہیئت کر سولی پر دیا جائے اور وہ تین روز تک قبر میں مُردہ پڑا رہے۔ نہیں نہیں وہ خدا ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔ پولس نے بالکل صحیح کہا ہے کہ خدا وہ ہے کہ جس تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی، یعنی کوئی اُسے اپنی گرفت میں نہیں لے سکتا، بلکہ دنیا میں نہ اُسے کسی نے دیکھا نہ آئندہ دنیا میں دیکھ سکتا ہے، اُس کی عزت و سلطنت کو کبھی زوال نہیں۔[1]
شاید اس جگہ ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر پولس کا عقیدہ اتنا مضبوط تھا، تو اسے موجودہ عیسائیت کا بانی کیوں کہا جاتا ہے، تو اس کے جواب کے لیے پولس کا یہ بیان پڑھنا بھی ضروری ہے:

"اگرچہ میں سب لوگوں سے آزاد ہوں، پھر بھی میں نے اپنے آپ کو سب کا غلام بنا دیا ہے تاکہ اور بھی زیادہ لوگوں کو کھینچ لاؤں۔ میں یہودیوں کے لیے یہودی بنا تاکہ یہودیوں کو کھینچ لاؤں۔ جو لوگ شریعت کے ماتحت ہیں ان کے لیے میں شریعت کے ماتحت ہوا تاکہ شریعت کے ماتحتوں کو کھینچ لاؤں۔ اگرچہ خود شریعت کے ماتحت نہ تھا۔ بے شرع لوگوں کے لیے بے شرع بنا تاکہ بے شرع لوگوں کو کھینچ لاؤں (اگرچہ خدا کے نزدیک بے شرع نہ تھا، بلکہ مسیح کی شریعت کے تابع تھا) کمزوروں کے لیے کمزور بنا تاکہ کمزوروں کو کھینچ لاؤں۔ میں سب آدمیوں کے لیے سب کچھ بنا ہوں تاکہ کسی طرح سے بعض کو بچاؤں۔"

(کرنتھیوں ۹: ۱۹ تا ۲۲)

پولس کا یہ بیان ظاہر کرتا ہے کہ وہ بوقت ضرورت جھوٹ بولنے اور چکر بازی کو جائز خیال کرتا تھا، اس لیے کہیں ایسے تو نہیں کہ پولس نے سچے مسیحیوں کو ورغلانے اور اپنے ساتھ ملانے کے لیے ابتداءً اپنا عقیدہ وہی ظاہر کیا جو سچے مسیحیوں کا تھا، لیکن دیکھا کہ اب مجھے سچے حواریوں

---

[1] اس طرح نہ اُس کی عزت رہی نہ سلطنت (معاذ اللہ تعالیٰ)

سے بھی بڑھ کر معزز جاننے لگے ہیں، تو اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہو گیا، بلکہ حق تو یہ ہے کہ پولس نے عیسائی مذہب کو بگاڑنے کے لیے عیسائیت کا لبادہ اوڑھا تھا۔

عیسیٰ خدا نہیں، بلکہ خدا ایک ہے

یہی وجہ ہے کہ تثلیث یا حلول کا عقیدہ سب سے پہلے پولس کے ہاں ہی ملتا ہے، جبکہ دوسرے حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر ہی تسلیم کرتے تھے، مثلاً حضرت پطرس حواریوں میں بلند ترین مقام کے حامل ہیں۔ وہ ایک مرتبہ یہودیوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"اے اسرائیلیو! یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم پر ان معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اس کی معرفت تم میں دکھائے، چنانچہ تم آپ ہی جانتے ہو۔"

(اعمال ۲: ۲۲)

اگر عقیدۂ تثلیث اور عقیدۂ حلول مذہب مسیحی کا بنیادی عقیدہ تھا تو پطرس کو چاہیئے تھا کہ وہ یہودیوں کو دعوتِ دینِ مسیحی دیتے وقت حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک شخص کی بجائے خدا کا ایک اقنوم کہتے اور انہیں خدا کی طرف سے آنے کی بجائے انہیں خدا قرار دیتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ ایک اور جگہ ہیکل میں یہودیوں کو مخاطب ہو کر کہا:

"ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کے خدا یعنی ہمارے باپ دادا کے خدا نے اپنے خادم یسوع کو جلال دیا" (اعمال ۳: ۱۳)

اس جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ جل شانہ کا خادم یعنی بندہ کہا گیا ہے۔ ایک اور جگہ جب یوحنا اور پطرس نے دوسرے حواریوں کو اپنے ساتھ ہونے والے سلوک کا بتایا، تو:

"جب انہوں نے یہ سنا تو ایک دل ہو کر بلند آواز سے خدا سے کہا کہ اے مالک! تو وہ ہے جس نے آسمان اور زمین اور سمندر اور جو کچھ ان میں ہے پیدا کیا، تو نے روح القدس

کے وسیلہ سے ہمارے باپ اپنے خادم داؤد کی زبانی فرمایا کہ

قوموں نے کیوں دھوم مچائی؟ اور اُمتوں نے کیوں باطل خیال کیے؟ خداوند
اور اُس کے مسیح کی مخالفت کو زمین کے بادشاہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور سردار جمع ہو گئے۔
کیونکہ واقعی تیرے پاک خادم یسوع کے برخلاف جسے تو نے مسح کیا۔ ہیرودیس
اور پنطیس پیلاطس غیر قوموں اور اسرائیلیوں کے ساتھ اسی شہر میں جمع ہوئے۔
(تھوڑا سا آگے جا کر ہے) اور تو اپنا ہاتھ شفا دینے کو بڑھا اور تیرے پاک خادم
یسوع کے نام سے معجزے اور عجیب کام ظہور میں آئیں۔" (اعمال ۴: ۲۴ تا ۳۰)

کتابِ اعمال کی اس عبارت میں حواریوں کی اجتماعی دُعا کا ذکر ہے۔ اس دُعا میں حواریوں کا عقیدہ بھی عیاں ہو رہا۔ ان سب کے نزدیک مالک خدا تعالیٰ جل شانہ ہی ہے جو ہر چیز کا خالق ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خادم یعنی بندے ہیں اگر خدانخواستہ حواریوں کے حضرت مسیح علیہ السلام خدا تعالیٰ کے بندے نہیں تھے، تو وہ حضرت داؤد علیہ السلام کو تو خدا کا خادم کہتے، لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کو معاذ اللہ خدا کا بیٹا یا اقنوم کہتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کہا جس سے یہ ثابت ہوا کہ اُن کے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول تھے۔

انطاکیہ میں برنباس حواری نے وہاں کے عیسائیوں کو نصیحت کی،

"دلی ارادہ سے خداوند سے لپٹے رہو، کیونکہ وہ نیک مرد اور رُوح القدس اور ایمان سے معمور تھا۔" (اعمال ۱۱: ۲۳، ۲۴)

اس جگہ برنباس نے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو ایمان سے معمور، ایک نیک مرد قرار دیا اور خداوند کہہ کر اپنا نبی اور آقا تسلیم کیا نہ کہ معبود مانا، بلکہ ظاہر کیا کہ وہ معبود نہیں ہیں۔

انجیل عہد نامہ جدید ہی میں کیا، عہد نامہ قدیم میں بھی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی وحدانیت کے دلائل موجود ہیں۔ کتاب الاستثناء میں ہے،

"یہ سب کچھ تجھ کو دکھایا گیا تاکہ تو جانے کہ خداوند ہی خدا ہے اور اس کے سوا کوئی اور ہے ہی نہیں۔" (استثنا ۴ : ۳۵)

اسی باب کی ایک اور آیت میں ہے:

"پس آج کے دن تو جان لے اور اس بات کو دل میں جما لے کہ اوپر آسمان میں اور نیچے زمین پر خداوند ہی خدا ہے اور کوئی دوسرا نہیں۔" (استثنا ۴ : ۳۹)

اسی کتاب الاستثنار میں ایک اور جگہ ہے:

"سُن لے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا سے محبت رکھ۔" (استثنار ۶ : ۴)

عہد نامہ قدیم کی ایک دوسری کتاب "یسعیاہ" میں ہے کہ خدا تعالیٰ جل شانہ نے اپنے نبی یسعیاہ کے ذریعے ارشاد فرمایا:

"اے گنہ گارو! اس کو یاد رکھو اور مرد بنو۔ اس پر پھر سوچو۔ پہلی باتوں کو جو قدیم سے ہیں یاد کرو کہ میں خدا ہوں اور کوئی دوسرا نہیں، میں خدا ہوں اور مجھ سا کوئی نہیں۔" (یسعیاہ ۴۶ : ۸، ۹)

اسی کتاب یسعیاہ کے باب ۴۵ میں ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے ممسوح خورس سے فرمایا:

"میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں۔ میرے سوا کوئی خدا نہیں۔ میں نے تیری کمر باندھی، اگرچہ تو نے مجھے نہ پہچانا۔ تاکہ مشرق سے مغرب تک لوگ جان لیں کہ میرے سوا کوئی نہیں، میں ہی خداوند ہوں، میرے سوا کوئی دوسرا نہیں۔ میں ہی روشنی کا موجد اور تاریکی کا خالق ہوں۔ میں سلامتی کا بانی اور بلا کو پیدا کرنے والا ہوں، میں ہی خداوند یہ سب کچھ کرنے والا ہوں۔" (یسعیاہ ۴۵ : ۵ تا ۷)

اللہ اکبر! یہ آیتیں زبانِ حال سے پکار پکار کر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی گواہی دے رہی ہیں اور بتا رہی ہیں کہ مشرق و مغرب، شمال و جنوب، تحت و فوق زمین و آسمان میں ہر جگہ صرف اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ کچھ بھی مسیحی حضرات نہ جانے کیوں ایک اور تین کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔

کائنات میں کوئی دوسرا خدا نہ ہونے کے چند عقلی دلائل

خود عقل بھی اس چیز کا تقاضا کرتی ہے کہ کسی کو بھی خدا تعالیٰ جل شانہ کا بیٹا قرار نہ دیا جائے، کیونکہ:

(۱) اولاد کی ضرورت مغلوب کو ہوتی ہے، خواہ وہ شہوت سے مغلوب ہو کر جماع کرے اور اولاد پیدا ہو، خواہ دشمنوں کی قوت سے ڈر سے مغلوب ہو، خواہ اپنی موت کے خوف سے مغلوب ہو یا اپنا نام باقی نہ رہنے کے خوف سے مغلوب ہو یا تقاضائے عمر یعنی بڑھاپے سے مغلوب ہو، جبکہ خدائے بزرگ و برتر جل شانہ مغلوب و مجبور نہیں اور جو کسی بھی صورت میں مغلوب و مجبور ہے، وہ خدا نہیں۔

(۲) اولاد باپ کی ہم جنس ہوتی ہے، اسی لیے آپ پیٹ یا جسم کے کیڑے یا جوئیں کو اپنی اولاد نہیں کہہ سکتے کہ وہ آپ کی جنس سے نہیں اور یہ ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ کے ہاں اولاد ہو، کیونکہ اولاد جنس ہوتی ہے۔ جنس کے لیے فصل اور فصل کے لیے مادہ ضروری ہے اور خدائے لم یزل مادہ سے پاک ہے۔

(۳) مرد اولاد پیدا کرنے کے لیے عورت کی طرف محتاج ہے اور پھر مرد اس سلسلہ میں جن اشیاء کا محتاج یا ضرورت مند ہوتا ہے، اس سے ہر عقلمند واقف ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ہر عیب و محتاجی سے پاک و منزہ ہے۔

(۴) بیوی خاوند کی ہم جنس ہوتی ہے۔ یہ بات تقاضائے عقل کے خلاف ہے کہ کوئی

انسان کسی چوپائے یا پرندے سے شادی رچالے، بتقاضائے عقل وہ اپنی ہم جنس سے ہی شادی کرے گا۔ پھر حضرت مریم ہی کیا اُن کے والد عمران کے متعلق کیا نظریہ رکھنا ہوگا؟ اولاد باپ کی جنس ہی ہوتی ہے۔ پھر عمران کا باپ، پھر ان کے باپ کا باپ علیٰ ہذا القیاس یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام تک جا پہنچے گا، یعنی ان تمام کو خدا ماننا لازم آئے گا۔

(۵) سلسلۂ تناسلی اجسام کی خصوصیت ہے جو کہ زوال پذیر اور فانی ہے، جبکہ خدائے لم یزل حیّ و قیوم ہے۔

(۶) اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ کھانے پینے، سونے اور دیگر عوارضِ انسانی سے پاک و منزّہ ہے، جبکہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السّلام ایسے نہیں ہیں، تو یہ کیسے باپ اور بیٹا ہوگئے۔ [1]

علماء کرام نے اس قسم کے بہت سے دلائل ارشاد فرمائے ہیں۔ اگر ان تمام کو نقل کیا جائے تو کئی صفحات بن جائیں، مگر ان تمام دلائل سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ خدائے بزرگ و برتر جل شانہٗ جھوٹ سے پاک و منزہ ہے۔ اُس کے برگزیدہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت و امانت کی گواہی ان کے بدترین دشمنوں نے بھی دی۔ قرآن پاک کی حقانیت آفتاب نیم روز سے بھی زیادہ عیاں ہے۔ خدا تعالیٰ جل مجدہ الکریم نے اپنے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانی قرآن پاک میں اعلان کروا دیا:

---

[1] خیال رہے کہ بائیبل میں کم و بیش ساٹھ جگہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے لیے "ابنِ آدم" یعنی انسان کا بیٹا کے لفظ استعمال ہوئے اور بعض جگہ ابنِ داؤد کہا گیا، بطورِ مثال ملاحظہ ہو متی کی انجیل: ۸:۱۹، ۲۸:۱۲، ۳۱:۲۱، ۲۸:۱۹، ۳۰:۲۴-۳۱، ۳۷:۲۴، ۳۹:۲۴، ۴۴:۲۴، ۳۱:۲۵، ۲:۲۶، ۲۴:۲۶، ۴۵:۲۶، ۶۴:۲۶، مرقس کی انجیل: ۲۸:۳، ۳۱:۸، ۳۸:۸، ۹:۹، ۱۲:۹، ۳۱:۹، ۳۳:۱۰، ۴۵:۱۰، ۴۸:۱۰، ۲۱:۱۴، ۴۲:۱۴، لوقا کی انجیل: ۲۲:۶، ۳۴:۷، ۸:۲۲، وغیرہ وغیرہ، اسی طرح حضرت آدم اور دوسرے انسانوں کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے بطورِ مثال ملاحظہ ہو متی کی انجیل: ۹:۲۳، ۹:۵، مرقس کی انجیل ۲۵:۱۱، لوقا کی انجیل ۳۸:۴ (یہاں شجرہ نسب درج ہے) ۳۶:۲۱، یوحنا کی انجیل ۱۷:۲۰، رومیوں ۱۴:۸، کرنتھیوں ۱۸:۶ وغیرہم کیا، ایسی صورت میں عیسائی بتا سکتے ہیں کہ اُن کے نزدیک معاذ اللہ خدا تعالیٰ کے بیٹوں کی تعداد کتنی ہے؟ ۱۲

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۚ (پ ۳۰ ع ۲۷)

(اے محبوب!) تم فرماؤ! وہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس کے کوئی جوڑ کا ہے (وہ یکتا و یگانہ ہے)

الحمد للہ! ہمارا اس پر کامل ترین یقین ہے۔ ؎۱

؎۱ عیسائی حضرات باپ، بیٹے اور روح القدس کی عجیب و غریب مثالیں دیتے ہیں۔ ایک عیسائی پادری قائم الدین نے عقیدہ تثلیث کی تشریح میں ایک رسالہ بنام "تکشیف التثلیث" تحریر کیا، تو اس میں باپ (خدا)، بیٹے (مسیح) اور روح القدس کی مثال یوں بیان کی "اگر انسان کی جسمانی ترکیب پر غور کیا جائے تو یہ بھی اپنی ہم جنس یعنی مادی اجزاء سے مرکب الوجود ہے کہ جن کی اتحادی کیفیت کو مادی نگاہ دیکھ سکتی ہیں مثلاً ہڈی، گوشت، خون، ان تینوں چیزوں میں سے کوئی ایک نہ ہو تو اس کے جسم کی تکمیل محال ہے۔" اس جگہ پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس طرح انسان، ہڈی، گوشت اور خون سے مرکب ہے۔ اسی طرح (معاذ اللہ) خدا۔ باپ، بیٹا اور روح القدس سے مرکب ہے۔ کاش کہ پادری صاحب اس بات کا خیال بھی کر لیتے کہ اگر انسان کی ہڈیوں پر گوشت نہ ہو تو جسم بے کار ہے۔ اگر گوشت میں کوئی بھی ہڈی نہ ہو تب بھی بے کار لوتھڑا، اور اگر خون ہی نہ ہو تو گویا مرا ہوا ہے اور ان تمام میں سے کسی کو بھی منفرد طور پر انسان نہیں کہا جا سکتا، یعنی صرف گوشت کے ٹکڑے یا صرف ہڈی یا صرف خون کو انسان نہیں کہا جائے گا، بلکہ یہ سب انسان کہلوانے میں ایک دوسرے کے محتاج و معاون ہیں۔ پھر عیسائی حضرات کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان اجزاء میں بحیثیت خون، گوشت یا ہڈی ہیں، تو گویا آپ کی پیدائش سے قبل معاذ اللہ خدا بے کار اور غیر مکمل تھا پیدائش عیسیٰ کے بعد کار آمد اور مکمل ہوا، مگر درمیان میں موجودہ انجیل کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام جو تین دن تک مرے رہے تھے، خدا تعالیٰ پر کیسے گزرے ہوں گے؟ کیا یہودیوں نے معاذ اللہ تعالیٰ خدا کی ہڈیاں توڑ دی تھیں؟ یا اُس کا گوشت ادھیڑ دیا تھا؟ یا اُس کا تمام خون بہا کر بے جان کر دیا تھا؟ تو ان صورتوں میں یہ کائنات کا نظام کیسے چلتا رہا، تباہ کیوں نہیں ہوا؟ ؏ بریں عقل و دانش بباید گریست (باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

عقیدۂ کفّارہ موجودہ عیسائی مذہب میں اس عقیدہ کی بہت ہی زیادہ اہمیت ہے، اسے عیسائی مذہب کی جان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

باقی عقائد مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کی حیاتِ ثانیہ یا تعظیمِ صلیب اسی عقیدہ کے جزو ہیں۔ انتہائی اختصار کے ساتھ اس عقیدہ کی تشریح یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے (معاذاللہ) جنت میں گناہ کیا اور اس جرم میں حضرت حوا بھی شامل تھیں۔ چونکہ یہ گناہ جنت میں سرزد ہوا، جہاں ان کو قوتِ ارادی کے ساتھ دوسری بہت سی نعمتیں بھی میسّر تھیں اور شجرِ ممنوعہ سے بچنا کچھ محال نہ تھا، لیکن حضرت آدم علیہ السّلام نے اپنی قوتِ ارادی سے غلط کام لیا، خدا کا انکار اور نفس کی اطاعت کی، اس لیے وہ (معاذاللہ تعالیٰ) اور اُن کی تمام اولاد دائمی عذاب

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) دیگر مشرکین نے تو یہ کفر کیا کہ بتوں کو خدا کا شریک ٹھہرایا، مگر عیسائیوں نے نہ صرف شریک ٹھہرایا، بلکہ جزو اور بیٹا قرار دے کر معاذاللہ ثم معاذاللہ تعالیٰ تین دن تک لعنت کی موت بھی مار رکھا (ملاحظہ ہو گلتیوں ۳:۱۳) شاید یہ کیوں نہیں سوچتے کہ جس کا جزو ہلاک ہو سکتا ہے، وہ خدا کبھی کل بھی ہلاک ہو سکتا ہے، جس کے اجزاءِ ترکیبی کو دوام نہیں، وہ کیسے ہمیشہ رہ سکتا ہے اور خدا ہو سکتا ہے؟ عیسائی حضرات نے خدائے لم یزل کی شان میں ایک اور ذلیل ترین گستاخی کی۔ متی کی انجیل باب اوّل میں ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت مریم یوسف کی بیوی تھیں۔ ابھی میاں بیوی نے باہمی ازدواجی تعلقات قائم نہ کیے تھے کہ یوسف کی بیوی مریم حاملہ ہو گئی۔ یوسف کو خواب میں کہا گیا کہ اپنی بیوی کو گھر لے آ، وہ رُوح القدس کی قدرت سے حاملہ ہو چکی ہے۔ چنانچہ یوسف خواب سے بیدار ہوا اور اپنی بیوی کو اپنے گھر لے آیا، یہاں تک کہ یوسف کی بیوی مریم کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس کا نام یسوع رکھا گیا۔ گلتیوں کے نام پولس رسول کا خط باب ۴:۴ میں ہے "لیکن جب وقت پورا ہو گیا، تو خدا نے اپنے بیٹے کو بھیجا، جو عورت سے پیدا ہوا" (گلتیوں ۴:۴) تعجب پر تعجب کہ بیوی یوسف کی، اور بیٹا خدا کا، معاذاللہ تعالیٰ ثم معاذاللہ تعالیٰ، بتاؤ بے غیرت کون ہوا؟ اور دوسرے کی بیوی پر تصرف کرنے والا کون؟

استغفر اللہ تعالیٰ سبحٰنک ھٰذا بہتانٌ عظیمٌ۔

یا دائمی موت کے مستحق ہو گئے اور ان کی قوتِ ارادی بھی سلب کر لی گئی۔ اب انسان کے اس مصیبت سے نجات پانے کی ایک ہی سبیل تھی کہ خدا ان تمام کو معاف فرما دے، لیکن یہ صورت اس لیے ممکن نہ تھی کہ وہ "عادل" اور منصف ہے، وہ اپنے قوانین کی مخالفت نہیں کرتا۔ چونکہ اُس نے اصلی گناہ کی سزا موت مقرر کر رکھی تھی۔ اب اگر موت کی سزا دیے بغیر گناہ معاف کرے تو اُس کے قانونِ عدل کے منافی تھا۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ رحیم بھی ہے، وہ اپنے بندوں کو اس حالتِ زار پر بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا، اس لیے اس نے ایک ایسی تدبیر اختیار کی کہ بندوں کی رہائی بھی ہو جائے اور اس کے قانونِ عدل کو ٹھیس بھی نہ لگے، وہ صورت یہ تھی کہ انسان ایک بار سزا کے طور پر مریں اور پھر دوبارہ زندہ ہوں تا کہ وہ اپنے گناہوں سے پاک ہو جائیں، اور قوتِ ارادی کے دوبارہ حاصل ہو جانے سے آزادی کے ساتھ نیکی کر سکیں، لیکن تمام انسانوں کو دنیا میں موت دے کر دوبارہ زندہ کرنا بھی قانونِ فطرت کے مخالف تھا، لہٰذا کسی ایسے شخص کی ضرورت محسوس ہوئی جو خود تو اصلی گناہ (یعنی جو نسلِ آدم کے پشت در پشت چلا آ رہا تھا) سے معصوم ہو اور تمام انسانوں کے گناہوں کا بوجھ اٹھا سکے۔ اس طرح خدا اسے ایک مرتبہ گناہوں کی سزا کے طور پر موت دیکر زندہ کر دے اور یہ سزا تمام انسانوں کے لیے کافی ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے خدا نے خود اپنے بیٹے کو چنا (معاذ اللہ) اور اسے انسانی جسم کے ساتھ دنیا میں بھیجا اور اُس نے یہ قربانی دی کہ خود گناہوں کا بوجھ اٹھائے سولی پر چڑھ گیا۔ اس طرح اس کے مرنے سے انسان اصلی گناہ سے نجات پا گیا۔ پھر یہی بیٹا تین دن مرے رہنے کے بعد جب دوبارہ زندہ ہوا تو اس سے تمام انسانوں کو نئی زندگی مل گئی، یعنی ان کی قوتِ ارادی بحال فرما دی گئی۔[1]

محترم قارئین کرام یہ عقیدہ کفارہ کی مختصر تشریح ہے۔ اب ہم انتہائی اختصار کے ساتھ اس عقیدہ کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں:

---

[1] بحوالہ مقدمہ بائیبل سے قرآن پاک تک (ترجمہ اظہارِ حق) ۱۲

(ا) یہ بات تو بجائے خود محلِ نظر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش کو گناہ بھی کہا جائے گا کہ نہیں۔ پھر قرآن مجید نے اس بات کی گواہی دی کہ اس لغزش کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔ اگر سرے سے لغزش ہی معاف ہو گئی، تو اس کی سزا کا اولاد کی طرف منتقل ہونا ہی مردود ہے۔

(۲) بائیبل، عہد نامہ قدیم کی کتاب پیدائش میں شجرِ ممنوعہ کے کھانے کا واقعہ درج ہے، وہاں حضرت آدم و حوّا علیہما السلام کو اس لغزش کی بنا پر جو سزا دی گئی، وہ یوں درج ہے:

(خدا نے پہلے اسی جرم کی پاداش میں سانپ کی سزا سنائی، اس کے بعد)

"پھر اس[1] نے عورت[2] سے کہا، میں تیرے دردِ حمل کو بہت بڑھاؤں گا، تو درد کے ساتھ بچے جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہو گی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا ہ اور آدم (علیہ السلام) سے اس[3] نے کہا، چونکہ تو نے اپنی بیوی کی بات مانی اور اس درخت کا پھل کھایا کہ جس کی بابت میں نے تجھ کو حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا، اس لیے کہ زمین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی۔ مشقت کے ساتھ تو عمر بھر اس کی پیداوار کھائے گا ہ اور وہ تیرے لیے کانٹے اور اونٹ کٹارے اُگائے گی اور تو کھیت کی سبزی کھائے گا ہ تو اپنے منہ کے پسینے کی روٹی کھائے گا، جب تک کہ زمین میں تو پھر لوٹ نہ جائے، اس لیے کہ تو اس سے نکالا گیا ہے، کیونکہ تو خاک ہے اور خاک میں پھر لوٹ جائے گا ہ (پیدائش ۳: ۷۱ تا ۱۹)

(ا) اس پوری عبارت میں سرے سے اُس سزا کا ذکر ہی نہیں کہ جس سزا کی بنا پر کفارہ ادا کیا گیا، یعنی دائمی عذاب یا دائمی موت۔

(ب) اگر مسیح علیہ السلام کی سولی کفارۂ گناہ تھی کہ جس کے بعد گناہ کی پاداش میں ملنے والی سزا یعنی دائمی عذاب یا دائمی موت کو ختم کر دیا گیا، تو اسی جرم میں ملنے والی مذکورہ بالا سزا کو کیوں بحال رکھا گیا۔ آج عورت کو کیوں دردِ زہ ہوتا ہے۔ آج انسان کھیتوں میں کیوں مشقت اٹھاتا ہے۔ کیا مسیح

---

[1] یعنی خدا تعالیٰ (مؤلف) [2] یعنی حضرت حوّا علیہا السلام ۱۲ (مؤلف) [3] خدا تعالیٰ نے ۱۲ (مؤلف)

کی قربانی غیر مکمل تھی کہ یہ سزا بحال رہی؟ کیا یہ بات "عادل و منصف" خدا تعالیٰ کے شایانِ شان ہے کہ مسیح علیہ السلام اپنی جان بھی قربان کر دے، مگر خدا تعالیٰ پوری سزا معاف نہ کرے؟

(۳) مسیح علیہ السلام کی یہ قربانی صرف "مخصوص رسم بپتسمہ[1]" ادا کرنے والے عیسائیوں کے لیے ہی ہے یا عام انسانوں کے لیے بھی؟ اگر یہ قربانی تمام انسانوں کی طرف سے کفارہ ہے تو عیسائی ہونے کا کیا فائدہ؟ کیونکہ انسانوں کے زمرہ میں تو تمام نسلِ آدم شامل ہے۔ لیکن اگر یہ قربانی صرف عیسائیوں کے لیے ہے، جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر مسیحیوں کو سزا ملے گی یا معافی؟ اگر سزا ملے گی تو رحم نہیں رہے گا کہ جسے اپنانے کی خاطر (عیسائیوں کے نزدیک) خدا کو اپنے بیٹے کی قربانی دینا پڑی (معاذ اللہ) اور اگر غیر مسیحیوں کو بھی معاف کرے گا تو عدل نہ رہے گا، چنانچہ ایک بار پھر کفارہ دینا ہوگا۔ پھر دوسرے کفارے پر بھی یہی اشکال وارد ہوگا۔ اس طرح نہ تو کفارے ختم ہوں گے اور نہ خدا کے بیٹے۔ ایسی صورت میں تمام بنی نوع انسان کے لیے یسوع مسیح کا نجات دہندہ ہونا بھی باطل قرار پائے گا اور مسیحیت بالکل بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔

(۴) عقیدۂ کفارہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ انسان کو گناہِ اصلی کی سزا دینا خلافِ رحم ہے اور معاف کرنا خلافِ عدل ہے، اسی لیے کفارہ دیا گیا، حالانکہ یہ بات بجائے خود غلط ہے۔ نہ تو قصور کی سزا دینا خلافِ رحم ہے اور نہ ہی سرمعافی خلافِ عدل ہے، بلکہ ظالم کو سزا نہ دینا الٹا ظلم کی کھلی چھٹی دے دینا خلافِ رحم اور ظلم ہے، اسی طرح اپنے ذاتی دشمن کو معاف کر دینا خلافِ عدل نہیں، بلکہ احسان ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم بھی یہی ہے۔ متی کی انجیل میں ہے،

---

[1] "بپتسمہ" غیر عیسائی کو عیسائی بناتے وقت ایک خاص کمرہ میں چند مخصوص کلمات مقررشدہ طریقہ سے کہلائے جاتے ہیں۔ پھر تمام جسم پر تیل کی مالش کر کے زرد رنگ کے پانی کے حوض میں اُسے کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ پھر اس نئے مسیحی سے چند ایک مخصوص سوال کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد اس شخص کے کان، ناک، پیشانی اور سینے پر دوبارہ دم شدہ تیل مل دیا جاتا ہے اور حوض سے نکال کر سفید لباس پہنا کر داخلِ مذہب کر لیا جاتا ہے۔ ۱۲

"تم سُن چکے ہو کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا، بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے، دوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دے۔ اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کُرتا لینا چاہے، تو چوغہ بھی اسے دے دے۔ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جانا چاہے، تو اُس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔" (متی کی انجیل ۵:۳۹تا۴۱)

اب فرمائیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ تعلیم خلافِ عدل ہے؟

بلکہ ظلم تو یہ ہے کہ کسی ناکردہ گناہ کو گناہ کی سزا دی جائے۔ مسیحی عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام خود تو معصوم تھے، مگر تمام انسانوں کے گناہ کا بوجھ ان کے ذمے ڈال دیا گیا اور وہ بھی تین یوم تک (معاذ اللہ) لعنت کی موت مر کر رہے، حالانکہ اگر خدانخواستہ حضرت مسیح علیہ السلام کے ذمے کوئی لغزش ہوتی بھی، تب بھی سزا دینا مسیحی عقیدہ میں خلافِ رحم ہے، چہ جائیکہ دوسرے کے گناہوں کی سزا کسی معصوم کو دی جائے جو کہ صریح ظلم ہے کیا اس صورت میں خدا تعالیٰ عادل و منصف یا رحیم و کریم نہیں، بلکہ (معاذ اللہ) ظالم ٹھہرے گا۔ یہ تو ایک سیدھی سی بات ہے کہ قصور تو میں کروں اور کوئی آپ کے چہرے پر زنّاٹے دار تھپڑ رسید کر کے کہے کہ یہ فلاں کے قصور کا آپ سے بدلہ لیا جا رہا ہے، کیونکہ قصور وار کو سزا دینا تو خلافِ رحم ہے اور معاف کرنا خلافِ عدل ہے، اس لیے آپ کو ناکردہ گناہ کی سزا دے رہا ہوں، اسی طرح قتل تو زید کرے، مگر پھانسی عمرو کو دے دیا جائے۔ یہ سب یقیناً ظلم ہوگا، جبکہ خدا تعالیٰ ظلم سے پاک و منزہ ہے۔ ہمارے اس دعوے کی تصدیق قرآن پاک بلکہ توراۃ سے بھی ہوتی ہے۔ "حزقی ایل" میں ہے:

"اور خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا۔ کہ تم اسرائیل کے ملک کے حق میں کیوں یہ مثل کہتے ہو کہ باپ دادا نے کچے انگور کھائے اور اولاد کے دانت کھٹے ہوتے ہیں؟" (۱۸: ۱، ۲)

یعنی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انگور تو باپ دادا کھائیں اور دانت کھٹے اولاد کے ہو جائیں؟

قصور تو کوئی اور کرے اور سزا کسی اور کو ملے ؟ حزقی ایل میں دوسری جگہ ارشاد ہوا،

"تم کہتے ہو کہ بیٹا، باپ کے گناہ کا بوجھ کیوں نہیں اٹھاتا ؟ جب بیٹے نے وہی جو جائز اور روا ہے کیا اور میرے سب آئین کو حفظ کر کے ان پر عمل کیا، تو یقیناً زندہ رہے گا جو جان گناہ کرتی ہے، وہی مرے گی۔ بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ۔ صادق کی صداقت اُسی کے لیے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لیے (حزقی ایل ۱۸ : ۱۹ ، ۲۰)

بائیبل میں مذکورہ اس قانون کی تصدیق قرآن پاک میں بایں الفاظ فرمائی گئی : وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (یعنی ایک کا بوجھ دوسرے کے ذمہ نہیں ڈالا جائے گا) جب یہ قانونِ خدا سب کے نزدیک متفق علیہ ہے تو بتائیے کہ خدائے لم یزل نے اپنے ہی اس قانون کی خلاف ورزی کیوں کی کہ ایک بے گناہ کو سولی چڑھوا دیا۔

حیاتِ ثانی و تعظیمِ صلیب

جب عقیدۂ کفارہ کا ہی بطلان ثابت ہو جائے گا تو اس کے ضمن میں پیدا ہونے والے دوسرے عقائد بھی یقیناً خود بخود ہی مردود ٹھہریں گے۔ بایں ہمہ ان پر مختصر سی بحث کی جاتی ہے :

(۱) حیاتِ ثانی ، حیاتِ ثانی کے لیے موت ضروری ہے، جب تک موت نہ آئے حیاتِ ثانی ناممکن ہے۔ قرآن پاک بلکہ خود انجیل مقدس کی بعض آیات سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی نہیں دیا گیا، بلکہ آپ کے شبہ میں کسی دوسرے شخص کو سولی دے دیا گیا۔ قرآن پاک اور انجیل برنباس نے تو اس چیز کا اعلان کھلے لفظوں میں کیا۔ برنباس کے سوا دوسری اناجیل نے اس واقعہ کو اس قدر اختلاف[1] سے بیان کیا کہ عقلمند قاری خود بخود اندازہ لگا لیتا ہے

---

[1] ہم اُن اختلافات والی طویل عبارات کو بخوفِ طوالت نقل نہیں کر رہے۔ اگر کوئی تحقیق کرنا چاہے تو ملاحظہ ہو متی کی انجیل، ۲۷ ، ۳۵ ، لوقا ۱۶ : ۱ ، متی ۲۸ : ۵ تا ۷ ، مرقس ۱۶ : ۴ ، ۵ ، لوقا ۲۴ : ۲ تا ۴ ، متی ۲۸ : ۸ تا ۱۰ ، لوقا ۲۴ : ۹ ، یوحنا ۲۰ : ۱۲ تا ۱۵

کہ یہ کہانی اناجیل کے مصنفوں نے خود گھڑی ہے۔

(۲) عیسائی حضرات کے نزدیک صلیب ایک مقدس ترین نشان ہے، حتیٰ کہ عیسائی مذہب کے پیروکار صلیب کو سجدہ تک کرتے ہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صلیب اتنی معتزز کیوں ہے؟ اگر کہا جائے کہ صلیب اس لیے عظمت والی ہے کہ اس پر حضرت مسیح علیہ السلام کو لٹکایا گیا تھا تو ایسی صورت میں وہ یہودی زیادہ معتزز ہونے چاہئیں کہ جنہوں نے لٹکایا تھا۔ اگر کہا جائے کہ صلیب ہمارے (یعنی عیسائیوں) کے گناہوں کے کفارہ کا سبب بنی تھی، تو ایسی صورت میں یہودی اسکریوتی کو زیادہ قابلِ تعظیم ہونا چاہیے کیونکہ ان (عیسائیوں) کے نزدیک اس ضمن میں اہم کردار اسی نے ادا کیا تھا۔ اگر یہود امخبری نہ کرتا، تو صلیب کا واقعہ ہی پیش نہ آتا۔

اگر کہا جائے کہ صلیب اس لیے معتزز ہے کہ اُس کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسمِ انور مَس ہوا تھا، تو ایسی صورت میں گدھوں اور خچروں کی پوری قوم کی تعظیم کرنی چاہیے کہ اُن پر آپ علیہ السلام نے کئی بار سواری فرمائی تھی۔ مَہد یعنی پنگھوڑا بھی معتزز ہونا چاہیے کہ اس میں آپ علیہ السلام نے آرام فرمایا اور ان سے بڑھ کر صنفِ نازک عورت، صلیب سے کہیں زیادہ لائقِ سجدہ ہونا چاہیے کہ جس نے نہ صرف حضرت مسیح علیہ السلام کو جنا، بلکہ حفاظت سے پالا بھی۔

اگر یہ کہا جائے کہ صلیب پر تو حضرت مسیح علیہ السلام کا خون گرا تھا، تو آخر ان کانٹوں کا کیا قصور ہے کہ جن کا تاج صلیب پر چڑھاتے وقت پہنایا گیا تھا[1] اور وہ سرکنڈہ بھی کیوں قابلِ تعظیم نہیں کہ جسے سُولی دیتے وقت مسیح کے ہاتھ میں دیا گیا تھا[1]۔ ان کانٹوں اور سرکنڈوں کو تو آگ میں جلایا جاتا ہے اور صلیب کی تعظیم کی جاتی ہے، یہ ناانصافی کیوں؟ صلیب کی آخر کیا خصوصیت ہے، کیا معاذاللہ تعالیٰ صلیب میں خدا گھس گیا ہے جو عیسائی اسے سجدہ کرتے ہیں۔ مسیحی حضرات خود اندازہ فرمائیں کہ یہ اہلِ کتاب ہوتے ہوئے بھی بُت پرست مشرکین سے

---

[1] و[2] متی کی انجیل میں ہے: "اور کانٹوں کا تاج بنا کر اُس کے سر پر رکھا اور ایک سرکنڈا اُس کے داہنے ہاتھ میں دیا۔" (متی کی انجیل ۲۷:۲۹)

کیسی مشابہت رکھتے ہیں۔ فاعتبروا یا اُولی الابصار۔

یہ عقائد سچے عیسائیوں کے نزدیک ناجائز بلکہ کفر تھے۔ برنباس اپنی انجیل میں تحریر فرماتے ہیں:

"اے عزیزو! اللہ نے جو عظیم اور عجیب ہے اس آخری زمانے میں ہمیں اپنے نبی یسوع مسیح کے ذریعے ایک عظیم رحمت سے آزمایا۔ اس تعلیم اور آیتوں کے ذریعے جنہیں شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنایا ہے جو تقویٰ کا دعویٰ کرتے ہیں اور سخت کفر کی تبلیغ کرتے ہیں مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، ختنہ کا انکار کرتے ہیں جس کا اللہ نے ہمیشہ کے لیے حکم دیا ہے اور ہر نجس گوشت کو جائز کہتے ہیں، انہی کے زمرے میں پولس بھی گمراہ ہو گیا جس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر افسوس کے ساتھ اور یہی سبب ہے جس کی وجہ سے وہ حق بات لکھ رہا ہوں جو میں نے یسوع کے ساتھ رہنے کے دوران سُنی اور دیکھی ہے تاکہ تم نجات پاؤ، اور تمہیں شیطان گمراہ نہ کرے . . . . . اور تم اللہ کے حق میں ہلاک ہو جاؤ، اور اس بنا پر ہر اُس شخص سے بچو جو تمہیں نئی تعلیم کی تبلیغ کرتا ہے اور جو میرے لکھنے کے خلاف ہو تاکہ تم ابدی نجات پاؤ۔"

(برنباس ۱: ۲ تا ۹)

موجودہ بائیبل کے محرف ہونے کے دلائل

تحریفِ بائیبل کے دلائل نقل کرنے سے قبل اہلِ اسلام کے نزدیک بائیبل (پہلی کتب سماوی) کی حیثیت نقل کرنا ضروری ہے۔ ہم اہلِ اسلام کے نزدیک اللہ تعالیٰ جل شانہ نے انبیاء کرام علیہم السلام پر کتب اور صحائف نازل فرمائے۔ ان میں چار کتب بہت مشہور ہیں، یعنی: (۱) تورات جو موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو عطا ہوئی (۲) زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی (۳) انجیل جو حضرت عیسیٰ رُوح اللہ علیہ السلام پر اتری (۴) قرآن مجید جو امام الانبیاء حضرت

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا۔ پہلی تین کتابوں اور تمام صحائف پر ہم اجمالی طور پر ایمان لاتے ہیں اور برحق خیال کرتے ہیں اور ہر مسلمان اقرار کرتا ہے کہ اٰمنتُ باللہِ وَمَلٰئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ[1] لیکن قرآن مجید پر ہمارا تفصیلی ایمان اور عمل ہے اور یہ بھی ایمان ہے کہ پہلی کتابوں میں زبردست تحریف ہوئی لیکن قرآن پاک میں نہ تو تحریف ہوئی اور نہ آئندہ ہو سکتی ہے کیونکہ یہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے مرتبے کے لحاظ سے قرآن پاک تمام کتابوں سے اور تمام صحائف سے افضل ہے اور یہ فضیلت عمل اور تلاوت میں ہے نہ کہ نفس کلام میں، کیونکہ سب کتبِ سماوی کلامِ خدا تعالیٰ ہیں، اس لیے افضل و مفضول کی گنجائش نہیں۔ چونکہ کوئی بھی کتاب اُردو یا انگریزی میں نازل نہ ہوئی۔ اس لیے موجودہ بائیبل کسی بھی صورت میں کلامِ خدا نہیں، زیادہ سے زیادہ اس کی بعض آیات کو یا بعض آیات کے بعض اجزا کو کلامِ خدا کا ترجمہ کہا جا سکتا ہے[2] اور اُس کی کبھی بھی وہ حیثیت نہیں ہو سکتی جو اصل کلامِ الٰہی کی ہے، مثلاً اگر کوئی مسلمان نماز میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔۔۔۔۔ الخ پڑھنے کی بجائے اس کا ترجمہ یعنی "تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے"۔۔۔ آخر تک ۔۔۔۔ پڑھے، تو نماز ہرگز نہ ہوگی کیونکہ یہ کلامِ خدا نہیں، بلکہ کلامِ خدا کا ترجمہ ہوگا۔

اناجیلِ اربعہ علاوہ ازیں قدیم و جدید تمام عیسائی اس بات پر متفق ہیں کہ اناجیلِ اربعہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تحریر کردہ کوئی بھی انجیل نہیں ہے اور نہ ہی آپ کے عروجِ آسمانی سے قبل کسی بھی انجیل کو کسی بھی شکل میں لکھنے کا اہتمام کیا گیا، بلکہ اناجیلِ اربعہ کو آپ علیہ السلام کے عروجِ سماوی کے کافی عرصہ بعد ۔ متی، مرقس، لوقا اور یوحنا نے تصنیف کیا اور یہ کتابیں بھی انہی کی طرف منسوب ہیں مثلاً متی کی انجیل یا مرقس کی انجیل وغیرہ

---

[1] ترجمہ: "میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اُس کی (نازل فرمودہ) کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر۔" ۱۲

[2] خیال رہے کہ عیسائی حضرات آج تک یہ ثابت کرنے میں ناکام ہیں کہ ان کتابوں کا مترجم کون ہے؟ اور یہ بھی کہ وہ مترجم قابلِ اعتماد شخص تھا یا ناقابلِ اعتبار۔ ۱۲

اور یہ اناجیل جو لکھی گئیں، فی الحقیقت اناجیل کے مصنفوں کے اپنے خیالات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں پیش آنے والے واقعات وحالات پر مشتمل کتابیں ہیں، جس طرح مسلمان سیرت نگاروں یا مؤرخین کی کتابیں، اس لیے ان اناجیل کو اصل انجیل کا ترجمہ کہنا بھی غلط ہوگا، جس کی دلیل خود ان کتابوں کی عبارات ہیں، مثلاً "لوقا کی انجیل" کا مصنف لوقا اپنی انجیل کے پہلے باب کی ۱ تا ۴ آیات میں تحریر کرتا ہے،

"چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں اُن کو ترتیب وار بیان کریں ۲ جیسا کہ انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے، اُن کو ہم تک پہنچایا ۳ اس لیے اے معزز تھیفلس میں نے بھی مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کرکے اُن کو تیرے لیے ترتیب سے لکھوں" (لوقا ۱، ۱ تا ۳)

یوحنا کی انجیل کی آخری آیت میں یوحنا کہتا ہے،

"اور بھی بہت سے کام ہیں، جو یسوع نے کیے، اگر وہ جُدا جُدا لکھے جاتے، تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں، اُن کے لیے دُنیا میں گنجائش نہ ہوتی" (یوحنا ۲۱، ۲۵)

پتہ چلا کہ انجیل انسان کی لکھی ہوئی کہانیوں کی کتاب یعنی بک آف سٹوری ہے اور وہ بھی غیر مکمل جیسا کہ یوحنا کے بیان سے عیاں ہے۔

جناب لوقا نے اس جگہ یہ تو دعویٰ کیا کہ میں سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کرکے ترتیب سے لکھوں گا، لیکن یہ ظاہر نہ کیا کہ یہ تمام باتیں لوقا تک کس کس کے ذریعے سے پہنچیں۔ ان باتوں کا راوی کون ہے، کیونکہ اگر یہ تمام باتیں خود لوقا کے اپنے علم کے مطابق ہوتیں، تو وہ یہ بات ہرگز نہ کہتا کہ ٹھیک ٹھیک دریافت کرکے لکھوں گا۔ یہ حال صرف انجیل لوقا کا ہی نہیں بلکہ تمام اناجیل کا یہی حال ہے، بلکہ انجیل یوحنا کے متعلق تو آج تک عیسائیوں میں اختلاف ہے کہ اس انجیل کا اصل مصنف کون ہے؟ پہلے تو دعویٰ کیا جاتا

تھا کہ یوحنا کی انجیل کا مصنف حضرت مسیح علیہ السلام کا شاگردِ خاص یوحنا زبدی ہے، لیکن جب سر صاحبِ علم پر یہ بات عیاں ہوگئی کہ یوحنا زبدی ایک ان پڑھ[1] اور انتہائی غریب خاندان سے تعلق رکھنے والے حواری تھے، جبکہ اس انجیل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف نہ صرف یہودی خیالات و تصورات کا واقف عالم و فاضل شخص ہے، بلکہ اس کا تعلق بھی کسی صاحبِ رسوخ و اقتدار خاندان سے ہے، چنانچہ عیسائی حضرات نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک اور شاگرد یوحنا بزرگ کی تصنیف ہے۔

جیسا کہ ایک نامور مسیحی پادری اور صاحبِ تصانیف عیسائی عالم آرچ ڈیکن برکت اللہ مسیح اپنی کتاب "قدامت و اصلیتِ اناجیلِ اربعہ جلد دوم، مطبوعہ پنجاب ریلیجیس بک سوسائٹی" میں تحریر کرتے ہیں:

"پس ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ روایت کہ انجیلِ چہارم مقدس یوحنا رسول ابن زبدی کی تصنیف ہے، صحیح نہیں ہوسکتی۔"

تھوڑا سا آگے چل کر برکت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"حق تو یہ ہے کہ اب علماء اس نظریئے کو بے چون و چرا تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ انجیلِ چہارم کا مصنف مقدس یوحنا بن زبدی رسول تھا۔" (مذکورہ)

اس کتاب میں پادری برکت اللہ صاحب نے یہ ثابت کرنے کی سرتوڑ کوشش کی کہ فی الحقیقت یہ انجیل یوحنا بزرگ کی تصنیف ہے اور یہ صاحب یعنی یوحنا بزرگ ایک نوجوان، توراۃ کے عالم اور معتزز صدوقی گھرانے کے چشم و چراغ تھے، لیکن ان کا شمار حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں نہیں ہوتا۔ (ملخصاً)

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یوحنا بزرگ نامی کوئی صاحب واقعی حضرت مسیح علیہ السلام

---

[1] اعمال باب ۴ میں ہے: "جب انہوں نے پطرس اور یوحنا کی دلیری دیکھی اور معلوم کیا کہ یہ ان پڑھ اور ناواقف آدمی ہیں، تو تعجب کیا" (۴: ۱۳) ظاہر ہے کہ جب حضرت یوحنا ان پڑھ اور ناواقف تھے تو وہ کسی علمی کتاب کے مصنف کیسے ہوسکتے ہیں۔ ۱۲

کے شاگرد تھے، تو ان کا ذکر باقی تین انجیلوں، رسولوں کے اعمال و خطوط میں کیوں نہیں تو درکنار کسی ایک جگہ بھی اشارہ تک نہیں ملتا کہ یوحنا نام کے دو شخص تھے، یعنی ایک یو... اور دوسرا یوحنا بزرگ جبکہ انجیل میں جہاں کہیں بھی دو ہم نام اشخاص کا ذکر ہوا، اُن کو ایک دوسرے سے ممتاز کیا گیا، مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کے شاگردوں میں دو کا نام یعقوب تھا یعنی یعقوب بن زُبدی اور یعقوب بن حلفی، اسی طرح یہوداہ نام کے دو شخص تھے ایک یہوداہ بن یعقوب اور دوسرا یہوداہ اسکریوتی۔ یونہی مریم نام کی ایک سے زیادہ عورتوں کا ذکر انجیل میں ہے، لیکن ان کو ایک دوسری سے واضح کیا گیا ہے، مثلاً یوحنا کی انجیل میں ہے:

"اور یسوع کی صلیب کے پاس اس کی ماں، اس کی ماں کی بہن مریم کلوپاس کی بیوی اور مریم مگدلینی کھڑی تھیں۔" (یوحنا ۱۹، ۲۵)

ملاحظہ فرمائیے کہ ایک مریم کو دوسری مریم سے کس طرح ممتاز کر کے لکھا گیا ہے۔ اس لیے اگر یوحنا بزرگ نامی کوئی صاحب تھے، تو ان کا ذکر یوحنا بن زُبدی کے علاوہ کیوں نہ کیا گیا، جبکہ یوحنا کی انجیل کا مصنف دعویٰ کرتا ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کا انتہائی چہیتا اور محبوب و بے تکلف شاگرد تھا۔ تعجب پر تعجب کہ انجیل میں معمولی معمولی انسانوں مثلاً مرتھا، حتیٰ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی گدھی تک کا ذکر تو موجود ہے، مگر محبوب، چہیتے اور بے تکلف شاگرد یوحنا بزرگ کا اشارۃً بھی ذکر موجود نہیں۔ معلوم یُوں ہوتا ہے کہ دراصل یوحنا بزرگ نام کا کوئی شخص حضرت مسیح علیہ السلام کا نامور حواری تھا ہی نہیں۔ یہ صاحب یوحنا بزرگ یا تو آپ علیہ السلام کے عروجِ آسمانی کے بعد دینِ مسیحی میں داخل ہوئے یا پھر کسی دوسرے شخص نے انجیل لکھ کر یوحنا کی طرف منسوب کر دی جیسا کہ کیتھولک ہیرلڈ مطبوعہ ۱۸۴۴ء جلد ۷ ص ۲۰۵ میں لکھا ہے:

"اسٹاڈلن نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ بلا شک و شبہ پوری انجیل یوحنا اسکندریہ کے مدرسہ کے ایک طالب علم کی تصنیف ہے۔"[1]

---

[1] اظہار الحق جلد اوّل

ان کے ایک اور محقق بر طشیندر تحریر کرتے ہیں،

"یہ ساری انجیل اسی طرح یوحنا کے تمام رسالے اس کی تصنیف قطعی نہیں ہیں، بلکہ کسی شخص نے ان کو دوسری صدی عیسوی میں لکھا ہے؛ لہ"

محترم قارئین کرام! خود اندازہ فرمائیے کہ جس کتاب کا مصنف اس قدر مشتبہ ہو جائے خود اس کی کتاب کی اپنی حقیقت کیا رہ جائے گی، پھر جس مذہب کی بالکل بنیادی کتاب کہ جس پر پورے مذہب کا دارومدار ہو، اُس کتاب کی یہ حالت ہے تو پھر مذہب کا تو خدا تعالیٰ ہی حافظ ہے۔

اناجیل اربعہ کی تالیف کا زمانہ

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی طرف نازل فرمودہ انجیل کسی انسان کی تصنیف نہیں تھی، بلکہ وہ منزل من اللہ کتاب تھی۔ موجودہ چاروں اناجیل چار انسانوں کی تالیف کردہ ہیں۔ بایں ہمہ اگر ان اناجیلِ اربعہ کو کلامِ الٰہی۔ ارشاداتِ مسیحی اور خیالاتِ مؤلف کا ملغوبا بھی قرار دیا جائے، تو ضروری ہے کہ ہر قول کی سند موجود ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ کلامِ الٰہی، اقوالِ مسیحی اور خیالاتِ مؤلف ایک دوسرے سے ممتاز کر کے تحریر کیے جائیں[۲] اور جہاں بھی حدیثِ عیسیٰ علیہ السلام ہو؛ وہاں اُس حدیث کے راویوں کا نام بھی موجود ہو۔ ہم اہلِ اسلام کے نزدیک یہ بات انتہائی ضروری ہے، کیونکہ اس سے سچ اور جھوٹ کا پتہ چل جاتا ہے۔ بطورِ مثال ایک حدیث پاک نقل کرتا ہوں۔ شمائل ترمذی میں ہے؛

لہ اظہار الحق جلد اول سلہ مثلاً قرآن پاک کلامِ خداوندی ہے۔ عربی تفاسیر میں آیاتِ قرآنی کو نمایاں کر کے اور عموماً اعراب کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ بعض اوقات آیاتِ قرآنیہ پر رول (لکیر) لگا دیا جاتا ہے۔ اس طرح قرآن کریم میں پڑھنے والوں کی سہولت کے لیے بعض نشانات لگائے گئے ہیں۔ مثلاً الربع، النصف، الثلاثہ، رکوع (ع) وغیرہ مگر ان تمام کو متن کے علاوہ باریک قلم سے حاشیہ پر بھی لکھا جاتا ہے تاکہ کوئی اُسے عبارت قرآن نہ سمجھے، یونہی وقف (ٹھہرنے) وغیرہ کے الفاظ ہیں، وہ بھی باریک قلم سے علیحدہ کر کے لکھے جاتے ہیں۔

حدثنا محمود بن غیلان حدثنا	ہمیں بتایا محمود بن غیلان نے بتایا حفص بن عمر
حفص بن عمر بن عبید هو	بن عبید طنافسی نے بتایا زبیر نے کہ اس
الطنافسی حدثنا زهیر عن	نے حمید سے اور حمید نے انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
حمید عن انس قال کان	سے سنا کہ اُس (حضرت انس) نے کہا کہ
خاتم رسول اللہ صلی اللہ	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی
علیه وسلم من فِضَّةٍ فَصُّهٗ	انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی
منه (ماجاء فی خاتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)	(چاندی) اُسی کا تھا۔

اندازہ فرمائیے کہ بات تو صرف یہ بتانا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگوٹھی چاندی کی تھی لیکن محدث علیہ الرحمہ نے سب سے پہلے یہ جتایا کہ مجھے کس نے بتایا اور اُس نے کس سے سنا اور یہ بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کس صحابی نے کہی ہے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ احادیثِ مبارکہ کی تمام کتابوں میں مذکور اسناد میں مندرج تمام افراد کی تاریخ تک بیان کر دی گئی ہے۔ ایک ایک راوی پر مکمل جرح کی گئی۔ اگر کسی بھی راوی میں کوئی نقص بھی پایا، مثلاً وہ کذاب تھا، وہ دھوکہ باز یا اُس میں کوئی بھی عیب شرعی یا دماغی موجود تھا، تو اُس کی حدیث کو صحیح ماننے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح اگر کسی بھی راوی کے صحیح حالات کا علم نہ ہو سکا، تو وہ بھی صحیح کے معیار سے گر گئی اور یہ اہتمام بعض اوقات اقوالِ صحابہ تک کے لیے کیا گیا۔ بطورِ مثال ایک روایت ملاحظہ ہو:

ابو حنیفة عن حماد عن	ابی حنیفہ نے روایت کیا حماد سے انہوں نے
ابراهیم عن علقمه عن عبداللہ	ابراہیم سے انہوں نے علقمہ سے انہوں نے
قال من شاء باهلة ان سورة	عبداللہ سے کہ انہوں (عبداللہ) نے کہا کہ جو چاہے
النساء القصوی نزلت بعد	میں اس سے مباہلہ کرتا ہوں کہ چھوٹی سورۃ النساء[1]
الطولی (مسند امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ)	لمبی سورۃ[2] کے بعد اُتری۔

---

[1] یعنی سورۃ طلاق، [2] یعنی سورۃ البقرہ

کیا کسی کو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی امانت و دیانت اور سچائی پر شبہ تھا کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت حماد سے انہوں نے حضرت ابراہیم سے انہوں نے حضرت علقمہ سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ کو یہ دعویٰ کرتے ہوئے سنا ؟ فی الحقیقت یہ آنے والے زمانے میں کسی بھی بڑے سے بڑے نقاد اور محقق کے لیے چیلنج ہے کہ جس طرح بھی جی چاہے تحقیق کرے۔ ہماری روایت میں بفضلہٖ تعالیٰ غلطی نہ ہوگی۔ الحمدللہ تعالیٰ یہ صرف اہلِ اسلام کی خصوصیت ہے اور اس کی نظیر مذہبِ مسیحی ہی کیا، مذاہبِ عالم میں کہیں بھی نہیں[1]

اناجیلِ اربعہ کو جس زمانے میں تالیف کیا گیا، بجائے اس کے کہ ہم اُس دَور کے بارے میں اپنی کسی رائے کا اظہار کریں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذہبِ مسیحی میں بلند پایہ مقام رکھنے والے بائیبل کے مشہور مفسر ہورن کا تجزیہ پیش کیا جائے۔

مفسر ہورن نے اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد ۴ قسم دوم باب ۲ میں تحریر کیا،

"ہم کو مؤرخین کنیسہ کی معرفت اناجیل کی تالیف کے زمانہ کے جو حالات پہنچے ہیں، وہ ناقص اور غیر معین ہیں، جن سے کسی معین چیز تک رسائی نہیں ہو سکتی اور مشائخ متقدمین نے واہیات روایتوں کی تصدیق کی اور ان کو قلمبند کر ڈالا، بعد میں آنے والے لوگوں نے ان کی لکھی ہوئی چیزوں کو ان کی تعظیم کی وجہ سے قبول کر لیا اور یہ سچی جھوٹی روائتیں ایک کاتب سے دوسرے تک پہنچتی رہیں۔ مدت مدید گزر جانے کی وجہ سے اب ان کی تنقید اور کھرا کھوٹا معلوم کرنا بھی دشوار ہو گیا۔"[2]

اللہ اکبر! ایک کٹر عیسائی مفسر نے کس قدر صحیح تجزیہ کیا ہے، اب اس پر مزید کسی

---

[1] احادیثِ مبارکہ کو جمع کرتے وقت کس قدر شدید احتیاط برتی گئی اور محدثین عظام کو کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ خود محدثین تقویٰ و پرہیزگاری کے کتنے بلند مقام پر فائز تھے۔ یہ نا چیز ان چیزوں کا تذکرہ تو کرتا مگر مضمون کی طوالت کے ڈر سے تحریر نہیں کیا گیا۔ [2] اظہار الحق جلد اول، باب اول۔

تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ ایک متلاشیِ حق کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ بائیبل کے نامور مفسّر ہورن کے مذکورہ بالا خیالات غور سے پڑھے۔ اناجیل اربعہ کی حقیقت اُس پر خود بخود عیاں ہو جائے گی اور وہ جان لے گا کہ مسیحی مشائخ واہیات اور جھوٹی روایات کی نہ صرف تصدیق کرتے تھے بلکہ اپنے بعد والوں کے لیے اپنی طرف سے تحریر بھی کر دیتے تھے۔

مفسّر ہورن اناجیلِ اربعہ کا سنِ تالیف تحریر کرتے ہوئے اسی کتاب کی اسی جلد میں لکھتے ہیں:

"پہلی انجیل سنہ ۳۷ء یا سنہ ۳۸ء یا سنہ ۴۳ء یا سنہ ۴۸ء یا سنہ ۶۱ء یا سنہ ۶۲ء یا سنہ ۶۳ء یا سنہ ۶۴ء میں تالیف کی گئی۔ دوسری انجیل سنہ ۵۶ء یا اُس کے بعد سنہ ۶۵ء تک کسی وقت میں اور غالب یہ ہے کہ سنہ ۶۰ء یا سنہ ۶۳ء میں تالیف ہوئی۔ تیسری انجیل سنہ ۵۲ء یا سنہ ۶۳ء یا سنہ ۶۴ء میں تالیف کی گئی۔ چوتھی انجیل سنہ ۶۸ء یا سنہ ۶۹ء یا سنہ ۷۰ء یا سنہ ۸۹ء یا سنہ ۹۸ء میں تالیف ہوئی۔"

مذہبِ مسیحی کے نامور اور مشہور مفسّر "ہورن" یہ ثابت نہیں کر سکے کہ انجیل کی تالیف کا صحیح سنہ کونسا ہے، بلکہ تخمینہ سے بتایا کہ فلاں سنہ میں یا فلاں سنہ میں انجیل تالیف ہوئی اور یہ اختلاف دو چار سال کا نہیں، بلکہ بعض میں کئی کئی سال کا فرق ہے: مثلاً پہلی انجیل سنہ ۳۷ء سے سنہ ۶۴ء تک یعنی ستائیس سال کا اختلاف ہے اور آخری انجیل سنہ ۶۸ء سے سنہ ۹۸ء تک یعنی تیس سال کا اختلاف ہے۔ چند سالوں کا اختلاف تو ممکن ہے اور یہ کوئی بڑی بات نہیں لیکن ۲۷ یا ۳۰ سال کا اختلاف تو بجائے خود اعتماد کو مجروح کر دیتا ہے۔

علاوہ ازیں عباراتِ اناجیلِ اربعہ میں اس قدر اختلافات[1] موجود ہیں کہ کلامِ خدا تو کجا کسی

---

[1] اس وقت اس بندۂ مسکین عفی اللہ تعالیٰ عنہ علیٰ طریق الحق والیقین کے سامنے اختلافات و تضادات و اغلاطِ بائیبل (صحیفہ قدیم و جدید) کا اس قدر انبار ہے کہ حیران ہوں کہ کسے لکھوں کسے چھوڑوں اگر تمام تفصیل کو درج کرتا ہوں تو اس کے لیے کئی سو صفحات درکار ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ جل شانہٗ کو منظور ہوا تو ممکن ہے کہ اس موضوع پر کوئی مستقل کتاب لکھوں لیکن اس جگہ انتہائی اختصار سے چند ایک حوالے درج کیے جاتے ہیں۔ ۱۲

ثقہ عالم یا معتبر مؤرخ کے کلام میں بھی اس قدر تضاد ممکن نہیں۔ بطورِ مثال ملاحظہ ہو:

حضرت سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام عیسائیوں کے نزدیک ایک معزز ترین ہستی ہیں۔ عیسائی کبھی ان کو خدا اور کبھی خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ افسوس کہ انجیل نے ان کے نسب میں بھی شدید اختلاف کیا ہے۔

متی کی انجیل میں جو آپ علیہ السلام کا نسب نامہ درج ہے، وہ آسان ترین الفاظ میں یوں ہے:

"یسوع ابنِ داؤد، ابن ابرہام کا نسب نامہ" (متی کی انجیل باب ۱:۱)

"ابرہام سے اضحاق پیدا ہوا۔ اضحاق سے یعقوب، اُس سے یہوداہ[1] اُس سے فارض اور زارح تمر[2] سے پیدا ہوئے۔ فارض سے حصرون، اس سے رام، اس سے عمینداب اس سے نحسون اُس سے سلمون اُس سے بوعز، راحب سے پیدا ہوا۔ بوعز سے عوبید روت سے پیدا ہوا۔ عوبید سے یسی اور اس سے داؤد بادشاہ پیدا ہوا۔ داؤد سے سلیمان، اُس عورت سے پیدا ہوا جو پہلے اوریاہ کی بیوی[3] تھی پھر سلیمان سے رحبعام اس سے ابیاہ، اس سے آسا اس سے یہوسفط اس سے یورام اس سے عزیاہ اس سے یوتام اس سے آخز اس سے حزقیاہ اس سے منسی

---

[1] انجیل میں ہے کہ یعقوب سے یہوداہ اور اس کے بھائی پیدا ہوئے۔ ۱۲

[2] بائبل میں ہے کہ تمر یہوداہ کی بہو تھی، یہوداہ نے اس سے بدکاری کی تو یہ فارض اور زارح پیدا ہوئے (پیدائش باب ۳۸)

[3] بائبل نے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے انتہائی برگزیدہ بندوں انبیاءِ کرام علیہم السلام میں سے بعض پر بدترین اور گھناؤنے الزام لگائے جن کا تفصیلی ذکر تو اپنی جگہ پہ آئے گا، اُن الزامات میں سے ایک الزام حضرت داؤد علیہ السلام پر بھی ہے۔ وہ اجمالاً یہ کہ ایک دن داؤد علیہ السلام نے اپنے خادم اوریا کی بیوی کو ننگے غسل کرتے ہوئے دیکھ لیا تو اس عورت کو بلا کر اس سے (معاذ اللہ نقلِ کفر کفر نہ باشد) بدکاری کی۔ پھر اوریاہ کو دھوکے سے ہلاک کروا کے اس عورت سے شادی رچالی اور یہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) کی والدہ بنی (معاذ اللہ تعالیٰ)

اس سے امون اس سے یوسیا اس سے یکونیاہ اس سے سیالتی ایل اس سے زربابل، اس سے ابیہود اس سے الیاقیم اس سے عازور اس سے صدوق اس سے اخیم اس سے الیہود، اس سے الیعزر اس سے متان اس سے یعقوب اس سے یوسف پیدا ہوا۔ یہ اُس مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوا جو مسیح کہلاتا ہے۔" (خلاصہ آیات ۱ تا ۱۶، باب ۱)

لوقا کی انجیل باب ۳ میں یہ نسب نامہ یوں درج ہے:

"جب یسوع خود تعلیم دینے لگا، قریباً تیس برس کا تھا اور (جیسا کہ سمجھا جاتا تھا، وہ) یوسف کا بیٹا تھا اور وہ عیلی کا اور وہ متات کا اور وہ لاوی کا اور وہ ملکی کا اور ینّا کا اور وہ یوسف کا اور وہ متتیاہ کا اور وہ عاموس کا اور وہ ناحوم کا اور وہ اسلیاہ کا اور وہ نوگہ کا اور وہ ماعت کا اور وہ متتیاہ اور وہ شمعی کا اور وہ یوسیخ کا اور وہ یوداہ کا اور وہ یوحنا کا اور وہ ریساہ کا اور وہ زربابل کا اور وہ سیالتی ایل کا اور وہ نیری کا اور وہ ملکی کا اور وہ ادی کا اور وہ قوسام کا اور وہ المودام کا اور وہ عیر کا اور وہ یشوع کا اور الیعزر کا اور وہ یوریم کا اور وہ متات کا اور وہ لاوی کا اور وہ شمعون کا اور وہ یہوداہ کا اور وہ یوسف کا اور وہ یونان کا اور وہ الیاقیم کا اور وہ ملیاہ کا اور وہ مناہ کا اور متتیاہ کا اور وہ ناتن کا اور وہ داؤد کا اور وہ یسّی کا اور وہ عوبید کا اور وہ بوعز کا اور وہ سلمون کا اور وہ نحسون کا اور وہ عمیناداب کا اور وہ ارنی کا اور وہ حصرون کا اور وہ فارص کا اور وہ یہوداہ اور وہ یعقوب کا اور وہ اضحاق کا اور وہ ابرہام کا اور وہ تارہ کا اور وہ نحور کا اور وہ سروج کا اور وہ رعو کا اور وہ فلج کا اور وہ عبر کا اور وہ سلح کا اور وہ قینان کا اور وہ ارفکسد کا اور وہ سم کا اور وہ نوح کا اور وہ لمک کا اور وہ متوسلح کا اور وہ حنوک کا اور وہ یارد کا اور وہ مہلل ایل کا اور وہ قینان کا اور وہ انوس کا اور وہ سیت کا اور وہ آدم کا اور وہ خدا کا (بیٹا تھا)[1]

---

[1] خدائی کی تصدیق یہیں سے بھی جھٹ گئی۔ اگر مسیح بیٹا اور خدا ہے تو آدم بھی ہونا چاہیے۔ ۳: ۲۳ تا ۳۸ یا للعجب ۱۲

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

نسب میں بائیبل کے اختلافات اور غلطیاں

(۱) نسب سے اول تو قابلِ غور بات یہ ہے کہ یہ نسب نامہ جسے بائیبل نے یسوع مسیح کا نسب نامہ کہا ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے یا حضرت مریم کے منگیتر یوسف نجار کا؟ اور حضرت مسیح علیہ السلام حضرت مریم کے بیٹے تھے کہ (معاذ اللہ) یوسف نجار کے اور عیسائی تو اپنے زعمِ باطل میں اُن کو خدا کا بیٹا تصور کیے بیٹھے ہیں (معاذ اللہ) ان تمام باتوں میں حق کیا ہے؟

(۲) جب یہ واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے تو یوسف نجار کے نسب نامہ کو حضرت مسیح کا نسب نامہ قرار دینا سخت غلطی اور بعض نابکار یہودیوں کی اس بکواس کی تصدیق کرنا ہے کہ مسیح یوسف نجار کے بیٹے تھے جو بغیر نکاح کے پیدا ہوئے ثم معاذ اللہ

(۳) جب حضرت مریم طیبہ طاہرہ کی پاک دامنی بدلائلِ قاہرہ ثابت و واضح ہے تو حضرت مریم کے نسب نامہ کو حضرت مسیح کا نسب نامہ قرار دینا چاہیے نہ کہ یوسف کے نسب نامہ کو، اور خود انجیل سے ثابت ہے کہ حضرت مریم حضرت ہارون برادرِ موسیٰ علیہما السلام کی اولاد سے تھیں[1]

(۴) توراۃ کی کتاب گنتی باب ۳۶ میں ہے کہ "سو صلافحاد کی بیٹیوں کے حق میں خداوند کا حکم یہ ہے کہ وہ جن کو پسند کریں، اُن ہی سے بیاہ کریں، لیکن اپنے باپ دادا کے قبیلہ ہی کے

---

[1] لوقا کی انجیل میں ہے "یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے زمانہ میں ابیاہ کے فرق میں سے زکریاہ نام کا ایک کاہن تھا، اُس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی اور اس کا نام الیشبع تھا" (لوقا ۱: ۵) اور یہ بات مسیحی اور غیر مسیحی حضرات کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ حضرت مریم حضرت زکریاہ کی بیوی کی انتہائی قریبی رشتہ دار تھیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت مریم بھی اولادِ ہارون علیہ السلام سے تھیں۔ ۱۲

خاندانوں میں بیاہی جائیں لے (گنتی ۳۶ : ۶)

یہ بات ناممکن ہے کہ حضرت ذکریا نے تورات پر عمل نہ کیا ہو۔ اس لیے ظاہر ہے کہ حضرت مریم کی منگنی بھی اُن کے باپ دادا کے قبیلہ کے کسی فرد ہی سے کی گئی ہو گی، لہٰذا مذکورہ دلیل سے ثابت ہوا کہ یوسف نجار کا نسب حضرت ہارون علیہ السلام سے ملتا ہے۔ لوقا اور متی دونوں کے تحریر کردہ نسب نامے محض ذہنی اختراع اور گھڑے ہوئے ہیں جو کہ حق نہیں۔

(۵) انجیل متی اور انجیل لوقا سے نقل کردہ نسب ناموں کو غور سے پڑھیں۔ آپ کو بہت سی جگہ پر سخت تضاد نظر آئے گا۔ چند ایک کی طرف ہم اشارہ بھی کیے دیتے ہیں،

(ا) متی کی انجیل میں ہے کہ حضرت مریم کے (مزعومہ) شوہر یوسف کے والد کا نام یعقوب تھا، جبکہ دادا کا نام متان، پردادا کا نام الیعزر اور اس کے باپ کا نام الیہود تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے برعکس لوقا کی انجیل میں ہے کہ حضرت مریم کے (مزعومہ) شوہر یوسف کے باپ کا نام عیلی، دادا کا نام متات پردادا کا نام لاوی تھا اور اس کے باپ کا نام ملکی تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(ب) متی کی انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام حضرت سلیمان بن داؤد کی اولاد میں سے ہیں، جبکہ لوقا کی انجیل سے ثابت ہے کہ وہ ناتن بن داؤد علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

(ج) لوقا کی انجیل سے ثابت ہے کہ سیالتی ایل کے باپ کا نام نیری اور دادا کا نام ملکی تھا جبکہ متی کی انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ سیالتی ایل کے باپ کا نام یکونیاہ اور دادا کا نام یوسیاہ تھا

(د) انجیل متی کا کہنا ہے کہ زرّبابل کے بیٹے کا نام ابیہود تھا، جبکہ لوقا کا دعویٰ ہے کہ زرّبابل کے بیٹے کا نام ریسا تھا اور یہ اختلاف زرّبابل کے پوتوں پڑپوتوں کے ناموں میں بھی ہے (نسب کی عبارات ملاحظہ فرمائیں) عیسائیوں کے عہدنامہ کی قدیم کتاب تواریخ لوقا اور متی دونوں کے بیان کو جھٹلاتی ہے اور ثابت کرتی ہے کہ زرّبابل کے بیٹوں میں ابیہود یا ریسا نام کا کوئی لڑکا تھا ہی

لے گنتی باب ۳۶ میں اس قانون کی کافی وضاحت درج کی گئی ہے۔ اُس کا صرف ایک جز اس جگہ نقل کیا گیا ہے۔

نہیں عبارت ملاحظہ ہو؛

"اور زربابل کے بیٹے یہ ہیں، مسلام اور حننیاہ اور سلومیت ان کی بہن تھی ۹ اور حسوبہ اور اہل اور برکیاہ اور حسدیاہ اور یوسجسد یہ پانچ "

(تواریخ اول ۳ : ۱۹، ۲۰)

محترم قارئین! یہ ہم نے محض چند ایک اختلافات کی طرف اشارہ کیا ہے، آپ خود مذکورہ نسب ناموں کی عبارات میں غور فرمائیں، تو اس قسم کا اختلاف آپ کو بہت سی جگہوں پر ملے گا۔ اور اسی طرح پشت در پشت افراد کی تعداد بھی کم و بیش ہو گی اور پھر بنظر انصاف فرمائیے کہ اس قدر متناقض، متعارض اور متضاد کلام بھلا خدائے بزرگ و برتر جل شانہ کا کلام ہو سکتا ہے؟ لامحالہ آپ مذکورہ عبارات ایک کو حق اور دوسری کو باطل خیال کریں گے تو بتائیے! کیا باطل کلام بھی کلامِ خدا ہو سکتا ہے؟

اگر کہا جائے کہ لوقا اور متی نے یسوع سے سنا تو تھا، مگر ان کو صحیح یاد نہ رہا تو فرمائیے کہ وہ ہستی جسے عیسائی بزعمِ خود خدا سمجھے بیٹھے ہیں، جب اُس کے نسب میں اس قدر لاپرواہی برتی گئی ہے، تو باقی مسائل و واقعات کی کیا حالت ہو گی؟ حق یہ ہے کہ یہ سب یار لوگوں کی گھڑی ہوئی کہانیاں اور قصے ہیں۔ یہ اُس انجیل کی عبارت نہیں جسے خدائے لم یزل نے اپنے برگزیدہ بندے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔

اسی اختلاف کے پیشِ نظر بائیبل کے نامور مسیحی مفسر آدم کلارک انجیل لوقا کے باب ۳ کی شرح میں اقرار کرتا ہے؛

"نسب کے اوراق یہودیوں کے پاس بہترین طریقہ پر محفوظ تھے اور ہر سمجھدار شخص جانتا ہے کہ متی اور لوقا نے خدا کے نسب بیان کرنے میں ایسا شدید اختلاف کیا ہے جس میں متقدمین اور متاخرین سب ہی حیران ہیں اور غلطاں و پیچاں ہیں"

(آدم کلارک جلد ۵ صفحہ ۳۶۹)[1]

---

[1] بحوالہ اظہار الحق جلد اوّل، باب اوّل

اس حیران کُن اعتراف کے بعد مسیحی مفسّر آدم کلارک اظہارِ امید کرتے ہیں :

"لیکن جس طرح مؤلف کے حق میں دوسرے مقامات پر بہت سے اعتراضات ہوئے، مگر کچھ عرصہ بعد یہی اعتراضات اس کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے۔ اسی طرح یہ اعتراض بھی جب بادل چھٹ جائے گا، تو مصنف کے حق میں حامی اور ناصر بنے گا اور زمانہ ایسا ضرور کرے گا۔" (مذکورہ)

مفسّرِ مذکور علومِ عقلیہ اور نقلیہ میں مہارت رکھنے کے باوجود اس شدید اختلاف کی کوئی واضح توضیح پیش نہ کرسکے۔ محض ریت کی ایک دیوار کا سہارا لیا کہ آئندہ زمانے میں سب خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر حضرت مفسّر یہ نہ جان سکے کہ اُن کی حیرانی اور سرگردانی کی آندھی کے تیز جھکّڑ ان کی ریت کی اس دیوار کو پیوندِ زمین کر چکے ہیں اور مفسّر صاحب کا یہ خیال نہ تو آج تک پورا ہوا اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک پورا نہ ہو سکے گا۔

اناجیل کے یہ اختلافات محض مسیح علیہ السلام کے نسب تک ہی محدود نہیں بلکہ پیدائش کے بعد یروشلیم میں ٹھہرنے کی مدت میں اختلاف ہیرودوس کی دشمنی میں اختلاف حضرت عیسیٰ کے مسیح موعود ہونے میں اختلاف یوحنا علیہ السلام کے ایلیا ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف حضرت مسیح علیہ السلام کو پیش آنے والے واقعات مثلاً عطر ڈالنا، عید فسح اور عشائے ربانی وغیرہ میں اختلاف حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات میں اختلاف مثلاً متی کی انجیل باب ۱۵:۳۰ میں ہے کہ یسوع نے گلیل کی جھیل کے کنارے پہاڑ پر چڑھ کر ایک بہت بڑے مجمع جو کہ اندھوں، بہروں، گونگوں اور اپاہجوں پر مشتمل تھا، سب کو شفا دی، جبکہ مرقس کی انجیل باب ۷:۳۱ میں ہے کہ وہاں پر یعنی جھیل کے کنارے صرف اور صرف ایک شخص کو جو کہ بہرا اور ہکلاتا تھا شفا دی[1]۔ اس قسم کے بہت سے اختلافات یُوں ہی حضرت مسیح علیہ السلام کی گرفتاری اور نشان دہی میں اختلاف صلیب دیئے جانے میں اختلاف بزعمِ نصاریٰ سانحہ صلیب

---

[1] اصل عبارت مذکورہ اناجیل میں ملاحظہ ہو۔ ۱۲

پانے والے دو افراد کے ڈاکو ہونے نہ ہونے میں اختلاف صلیب اٹھا کر مسیح لے گئے تھے یا کوئی اور اس میں اختلاف مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے میں اختلاف حواریوں کے ایمان لانے کے واقعہ میں ان کے صحیح ناموں میں اور اسی قسم کے دوسرے بہت سے واقعات و بیانات میں اس قدر شدید اور ناقابلِ تردید اختلاف موجود ہے کہ اس انجیل کو الہامی کتاب کہنا لفظِ "الہامِ خداوندی" کی توہین ہے۔

عہد نامہ قدیم کی کتب

عہد نامہ قدیم کی کتب یعنی توراۃ[1] - زبور[2] اور صحائفِ[3] انبیاء کی موجودہ حالت اناجیلِ اربعہ سے بھی ابتر ہے۔ موجودہ زمانے کی یہ کتابیں، جھوٹی پیشین گوئیوں، جھوٹے واقعات اور من گھڑت افسانوں سے بھری پڑی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے اپنے برگزیدہ پیغمبروں کی طرف نازل فرمودہ کتب و صحائف میں یہودیوں نے اس قدر تحریف کر ڈالی کہ حق و باطل کا امتیاز جاتا رہا۔ ہم ان کتب و صحائف کے متعلق اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ان میں سے جو جملہ یا حصہ (مفہوم کے لحاظ سے) منزل من اللہ ہے ہمارا اُس پر ایمان ہے اور جو ذہن کی تخریب کاری ہے۔ ہم اُس کا انکار کرتے اور یہ بات ہمارے مسیحی بھائی بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی مخالفت کی وجہ سے ان کتب میں تحریف کی ہے، بلکہ بعض حضرات نے زندہ دلی سے کام لیتے ہوئے اس سے بھی زیادہ تحریف کا اقرار کیا ہے۔

مشہور عیسائی مفسر ہورن اپنی تفسیر جلد ۲ مطبوعہ ۱۸۲۲ء صفحہ ۱۳۱ پر تحریر کرتا ہے:

---

[1] پانچ کتابوں کے مجموعہ کا نام توراۃ ہے۔ ان کتابوں کے نام یہ ہیں (۱) سفرِ تکوین (۲) سفرِ خروج (۳) سفر احبار (۴) سفر عدد (۵) سفرِ استثناء۔ اُردو میں ان کے نام یہ ہیں (۱) پیدائش (۲) خروج (۳) احبار (۴) گنتی (۵) احبار

[2] ۱۵۰ نغمات پر مشتمل مجموعے کا نام زبور ہے [3] ان میں ۳۳ کتابیں جو جمہور عیسائیوں کے نزدیک متفق اور ۹ کتابیں اختلافی ہیں۔ ۱۲

" اگر ہم یہ مان لیں کہ پیغمبروں کی بعض کتابیں معدوم ہو چکی ہیں تو یہ کہنا پڑے گا کہ یہ کتابیں الہام سے لکھی ہی نہیں گئی تھیں۔ آگسٹائن نے قوی دلائل سے یہ بات ثابت کر دی ہے اور کہا ہے کہ میں نے بہت سی چیزوں کا ذکر سلاطین یہود اور اسرائیل کی کتابوں میں پایا ہے، مگر ان کی وضاحت ان کتابوں میں نہیں ملی، بلکہ ان کی توضیح کا حوالہ دوسرے پیغمبروں کی کتابوں پر دیا گیا ہے، اور بعض مقامات پر اُن پیغمبروں کے نام بھی ذکر کیے گئے ہیں اور یہ کتابیں اس قانون میں جس کو خدائی کلیسا واجب التسلیم مانتا ہے موجود نہیں ہیں اور وہ اس کا سبب بھی بیان نہیں کر سکا۔" (اظہار الحق جلد اول)

تحریف بائیبل کے مذکورہ بالا دعوٰی کے حق میں چند ایک مزید حوالے نقل کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں،

حوالہ (۱) بائیبل مقدس کی کتاب تواریخ ۲، شائع کردہ پاکستان بائیبل سوسائٹی لاہور ۱۹۸۵ء باب ۳۶ میں ہے،

"یہویاکین آٹھ برس کا تھا، جب وہ سلطنت کرنے لگا اور اُس نے تین مہینے دس دن یروشلیم میں سلطنت کی اور اُس نے وہی کیا جو خداوند کی نظر میں بُرا تھا" (۳۶ : ۹)

مذکورہ سوسائٹی کی شائع کردہ کتاب سلاطین ۲، باب ۲۴ میں ہے،

"اور یہویاکین جب سلطنت کرنے لگا، تو اٹھارہ برس کا تھا اور یروشلیم میں اُس نے تین مہینے سلطنت کی۔" (۲۴ : ۸)

بائیبل مقدس کی ان دونوں (بزعم نصارٰی) الہامی کتابوں "تواریخ" و "سلاطین" کی صرف اس عبارت میں دو اختلاف موجود ہیں، یعنی اعنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے وقت یہویاکین کی عمر اور مدتِ سلطنت۔ چلو ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ مدتِ سلطنت میں ۱۰ یوم کا فرق کوئی اتنا

زیادہ نہیں (حالانکہ یہ بھی تحریف ہے اور الہام میں ایسی غلطی نہیں ہوتی) مگر آٹھ اور اٹھارہ میں تو دس سال کا فرق ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ نامور عیسائی مفسر آدم کلارک اپنی تفسیر کی دوسری جلد میں "سلاطین" کی مذکورہ بالا آیۃ کے تحت یہ کہنے پر مجبور ہو گیا،

"کتاب تواریخ ثانی کے باب ۳۶، آیت ۹ میں لفظ آٹھ استعمال ہوا ہے جو یقیناً غلط ہے، اس لیے کہ اس کی حکومت صرف تین ماہ رہی، پھر قید ہو کر بابل چلا گیا اور قید خانہ میں اس کے ساتھ اس کی بیویاں بھی تھیں۔ اب غالب یہی ہے کہ آٹھ یا نو برس کے بچے کی بیویاں نہیں ہو سکتیں، اس قدر کم عمر بچے کی نسبت یہ کہنا بھی دشوار ہے کہ اس نے وہ فعل کیا ہے جو خدا کے نزدیک قبیح ہو، لہٰذا کتاب کا یہ مقام تحریف شدہ ہے"

(تفسیر آدم کلارک جلد ۲)

اللہ اکبر! ع

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

ملاحظہ فرمائیے کہ معتبر عیسائی مفسر تسلیم کر رہے ہیں: "کتاب کا یہ مقام تحریف شدہ ہے"

حوالہ (۲) کتاب یسعیاہ (علیہ السلام) باب ۶۴ میں ہے:

"کیونکہ ابتدا ہی سے نہ کسی نے سنا نہ کسی کے کان تک پہنچا اور نہ آنکھوں نے تیرے سوا ایسے خدا کو دیکھا جو اپنے انتظار کرنے والے کے لیے کچھ کر دکھائے" (یسعیاہ ۶۴:۴)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خود ساختہ حواری پولس نے کرنتھیوں کے نام خط میں مذکورہ آیت کو یوں لکھا،

"بلکہ جیسا لکھا ہے، ویسا ہی ہوا کہ جو چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں اور نہ آدمی کے دل میں آئیں۔ وہ سب خدا نے اپنے محبت رکھنے والوں کے لیے تیار کر دیں۔" (۱۔ کرنتھیوں ۲:۹)

ان دونوں عبارات کو غور سے پڑھیں۔ پتہ چلے گا کہ صرف الفاظ میں ہی تحریف نہیں کی بلکہ مفہوم تک بدل دیا ہے۔ یسعیاہ نبی کی کتاب سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو کسی نے نہیں دیکھا

جبکہ پولس صاحب لکھ رہے ہیں کہ ان چیزوں کو نہیں دیکھا کہ جن کو خدا نے تیار کر رکھا ہے۔ کہاں خالق اور کہاں مخلوق؟

مسیحی مفسر ہنری واسکاٹ اس آیت کے ضمن میں رقم طراز ہیں،

"بہترین رائے یہی ہے کہ عبرانی نقل میں تحریف کی گئی ہے۔"

اور آدم کلارک کئی اقوال نقل کر کے اُن پر بحث کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں،

"میں حیران ہوں کہ ان مشکلات میں سوائے اس کے اور کیا کروں کہ ناظرین کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دوں کہ خواہ یہ مان لیں کہ اس موقع پر یہودیوں نے عبرانی متن اور یونانی ترجمہ میں ارادۃً تحریف کی ہے جیسا کہ نقل کیے جانے والے دوسرے مقامات میں تحریف کا قوی احتمال ہے (اودون کی کتاب از فصل ۶ تا ۹ بلحاظ یونانی ترجمہ ملاحظہ ہو) یا یہ مان لیا جائے کہ پولس نے اس کتاب سے نقل نہیں کیا، بلکہ کسی ایک یا کئی جعلی کتابوں مثلاً کتاب معراج یسعیاہ علیہ السلام اور مشاہدات ایلیا سے جن میں یہ فقرہ موجود ہے، نقل کیا ہوا کیونکہ کچھ لوگوں کا گمان ہے کہ حواری نے جعلی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ غالباً عام لوگ پہلے احتمال کو آسانی سے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے اس لیے ہم ناظرین کی اطلاع کے لیے ہوشیار کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ جیروم نے احتمال کو الحاد اور بددینی سے زیادہ بدتر قرار دیا۔" (اظہار الحق)

مسیحی مفسر آدم کلارک کے کسی بھی احتمال کو اپنا لیجیے۔ مذہب مسیحیت کی بنیاد بہرحال متزلزل ہو ہی جاتی ہے۔

حوالہ (۳) زبور میں ہے،

"قربانی اور نذر کو تو پسند نہیں کرتا، تو نے میرے کان کھول دیئے ہیں، سوختنی قربانی اور خطا کی قربانی تو نے طلب نہیں کی۔ تب میں نے کہا دیکھ! میں آیا ہوں کتاب کے طومار میں میری بابت لکھا ہے، اے میرے خدا میری خوشی تیری مرضی پوری کرنے

میں ہے، بلکہ تیری شریعت میرے دل میں ہے۔" (زبور ۴۰: ۶، ۷)

زبور کی ان آیات کو پولس نے عبرانیوں کے نام خط میں یوں نقل کیا:

"تو نے قربانی اور نذر کو پسند نہ کیا، بلکہ میرے لیے ایک بدن تیار کیا ۵ پوری سوختنی قربانیوں اور گناہ کی قربانیوں سے تو خوش نہ ہوا ۵ اُس وقت میں نے کہا کہ دیکھ! میں آیا ہوں (کتاب کے ورقوں میں میری نسبت لکھا ہوا ہے) تاکہ اے خدا! میں تیری مرضی پوری کروں ۵ (عبرانیوں ۱۰: ۵، ۶، ۷)

خط کشیدہ عبارات کو ملاحظہ فرمائیں کہ کس قدر اختلاف ہے۔ اب یا تو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ پولس نے جب یہ الفاظ نقل کیے تو زبور میں ان کی عبارت وہی تھی جو اُس نے خط میں نقل کی ہے، اس کے بعد زبور میں تحریف ہوئی اور عبارت بدل گئی۔ بصورتِ دیگر یہ ماننا پڑے گا کہ زبور کی اصل عبارت تو وہی ہے جو کہ زبور میں موجود ہے البتہ پولس نے نقل کرنے میں تحریف سے کام لیا اور عبارت بدل گئی۔ بہر حال تحریف کا انکار ناممکن ہے۔

حوالہ: (۴) کتاب تواریخِ ثانی باب ۲۲ میں ہے:

"اخزیاہ بیالیس برس کا تھا، جب وہ سلطنت کرنے لگا اور اُس نے یروشلیم میں ایک برس سلطنت کی، اُس کی ماں کا نام عتلیاہ تھا جو عمری کی بیٹی تھی"

(۲ تواریخ ۲۲: ۲)

جبکہ سلاطینِ ثانی باب ۸ میں ہے:

"اخزیاہ بائیس برس کا تھا، جب وہ سلطنت کرنے لگا اور اُس نے یروشلیم میں ایک برس سلطنت کی، اس کی ماں کا نام عتلیاہ تھا جو شاہِ اسرائیل عمری کی بیٹی تھی" (۸: ۲۶)

خط کشیدہ الفاظ میں اختلاف و تحریف کے ساتھ ایک دلچسپ بات ملاحظہ فرمائیے کہ تواریخِ ثانی باب ۲۱، آیت ۵ میں اخزیاہ کے باپ یہورام کے متعلق ہے:

"یہورام جب سلطنت کرنے لگا تو بتیس برس کا تھا اور اُس نے آٹھ برس یروشلیم میں سلطنت کی۔" (۲۱ : ۵)

تھوڑا سا آگے چل کر اسی باب کی آیت نمبر ۲۰ میں ہے:

"وہ بتیس برس کا تھا، جب سلطنت کرنے لگا اور اُس نے آٹھ برس یروشلیم میں سلطنت کی اور وہ بغیر ماتم کے رخصت ہوا اور انہوں نے داؤد کے شہر میں دفن کیا، پر شاہی قبروں میں نہیں ۰ اور یروشلیم کے باشندوں نے اُس کے سب سے چھوٹے بیٹے اخزیاہ کو اُس کی جگہ بادشاہ بنایا۔"

(تواریخ باب ۲۱ و ۲۲)

مذکورہ بالا عبارت سے یہ دلچسپ نتیجہ نکلا کہ یہورام نے سلطنت شروع کی تو وہ بتیس[۳۲] برس کا تھا، آٹھ سال حکومت کی اور چالیس[۴۰] سال کی عمر میں مرگیا۔ اس کی موت کے فوراً بعد اس کا سب سے چھوٹا بیٹا اخزیاہ تخت نشین ہوا اور اس وقت اخزیاہ کی عمر بیالیس[۴۲] برس تھی۔ سبحان اللہ! کیا کہنے تحریف کے باپ کی عمر چالیس[۴۰] سال اور بیٹے کی بیالیس[۴۲] سال۔ یعنی باپ کی پیدائش سے دو سال پہلے سب سے چھوٹا بیٹا پیدا ہُوا۔ سوچیے بڑا بیٹا کتنا عرصہ پہلے پیدا ہوا ہوگا۔

حوالہ (۵) کتاب سموئیل ثانی میں ہے:

"اس کے بعد خداوند کا غصہ اسرائیل پر پھر بھڑکا اور اُس نے داؤد کے دل کو ان کے خلاف یہ کہہ کر اُبھارا کہ جاکر اسرائیل اور یہوداہ کو گن۔" (۲۴ : ۱)

کتاب تواریخ اول باب ۲۱ میں یہ واقعہ یوں درج ہے:

لہ عیسائی علماء اپنی تفاسیر میں اس غلطی کے ضمن میں کہتے ہیں کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ حیرانی کی بات ہے کہ اس غلطی کو آج تک ٹھیک کیوں نہیں کیا گیا، جبکہ ۱۹۵۵ء میں چھپی ہوئی بائیبل اور ۱۸۹۵ء کی بائیبل میں ایک ہی عبارت ہے۔ پھر کیا جانے کہاں کہاں مزید غلطیاں ہیں جو تا حال موجود ہیں۔ ۱۲

"اور شیطان نے اسرائیل کے خلاف اُٹھ کر داؤد کو ابھارا کہ اسرائیل کا شمار کرے" (۲۱: ۱)

کیا مسیحی حضرات یہ بتا سکتے ہیں کہ یہاں تحریف ہوئی یا خداوند کو معاذاللہ شیطان یا پھر شیطان کو معاذاللہ خداوند کہا گیا ہے، جو بات آسان ہو، وہ تسلیم کر لی جائے۔

حوالہ: (۶) حضرت داؤد علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی جو گنتی کروائی اُس کی تفصیل کتاب تواریخ اوّل میں یُوں ہے:

"اور یُوآب نے لوگوں کے شمار کی میزان داؤد کو بتائی اور سب اسرائیلی گیارہ لاکھ شمشیر زن مرد اور یہوداہ چار لاکھ ستر ہزار شمشیر زن مرد تھے لیکن اُس نے لاوی اور بنیمین کا شمار اُن کے ساتھ نہیں کیا تھا" (تواریخ اوّل ۲۱: ۵،۶)

سموئیل ثانی میں یہ تفصیل یُوں درج ہے:

"اور یُوآب نے مردم شماری کی تعداد بادشاہ کو دی، سو اسرائیل میں آٹھ لاکھ بہادر مرد نکلے جو شمشیر زن تھے اور یہوداہ کے مرد پانچ لاکھ تھے" (سموئیل ثانی ۲۴: ۹)

یہ دونوں کتابیں الہامی اور تالیفِ انبیاء میں سے تسلیم کی جاتی ہیں، مگر ان کا اختلاف ملاحظہ ہو، یقیناً ان دونوں میں سے کسی ایک کا بیان غلط ہے۔ اس ضمن میں مسیحی مفسر جناب آدم کلارک اپنی تفسیر میں سموئیل کی زیرِ بحث آیت کے متعلق رقم طراز ہے:

"دونوں عبارتوں کا صحیح ہونا ناممکن ہے۔ اغلب یہی ہے کہ پہلی صحیح ہے۔ نیز عہدِ عتیق کی تاریخی کتابوں میں دوسرے مقامات کے لحاظ سے بکثرت تحریفات پائی جاتی ہے اور ان میں تطبیق کی کوشش کرنا محض بے سود ہے اور بہتر یہی ہے کہ اس بات کو شروع ہی میں مان لیا جائے، جس کے انکار کی گنجائش نہ ہو۔ عہدِ عتیق کے مصنفین اگرچہ صاحبِ الہام تھے، مگر ان سے نقل کرنے والے لوگ ایسے نہ تھے۔"

ملاحظہ فرمائیے مسیحی مفسر نے نہ صرف تحریف کو تسلیم کیا ہے۔ بلکہ مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ انکار کی گنجائش نہیں۔

حوالہ (۷) کتاب سموئیل ثانی میں داؤد علیہ السلام کی ارامیوں سے جنگ کے سلسلہ میں تحریر ہے۔

"اور ارامی اسرائیلیوں کے سامنے سے بھاگے اور داؤد نے ارامیوں کے سات سو رتھوں کے آدمی اور چالیس ہزار سوار قتل کر ڈالے اور ان کی فوج کے سردار سوبک کو ایسا مارا کہ وہ وہیں مر گیا۔ (سموئیل ثانی ۱۰ : ۱۸)

یہی جنگ کتاب تواریخ اوّل میں یوں درج ہے۔

" اور ارامی اسرائیل کے سامنے سے بھاگے اور داؤد نے ارمیوں کے سات ہزار رتھوں کے سواروں اور چالیس ہزار پیادوں کو مارا اور لشکر کے سردار سوفک کو قتل کیا (۱۹ : ۱۸)

خط کشیدہ عبارات میں اختلاف ملاحظہ ہو۔ (۱) سموئیل سات سو رتھوں کے آدمی (تواریخ) سات ہزار رتھوں کے سوار (۲) چالیس ہزار سوار (سموئیل) چالیس ہزار پیدل (تواریخ)

حوالہ (۸) تواریخ اوّل باب ۷ میں بنیمین کی اولاد ذکور یہ درج ہے۔

"بنی بنیمین یہ ہیں، بالع اور بکر اور یدیعیل یہ تینوں۔ اور بنی بالع اصبون اور عزی اور عزی ایل اور یریموت اور عیری یہ پانچوں۔" (۷ : ۶، ۷)

اسی کتاب کے باب ۸ میں ہے۔

" اور بنیمین سے اس کا پہلوٹھا بالع پیدا ہوا۔ دوسرا اشبیل تیسرا اخرخ۔ چوتھا نوحہ اور پانچواں رفاہ اور بالع کے بیٹے ادار اور جیرا اور ابیہود۔ اور ابیسوع اور نعمان اور اخوخ اور جیرا اور سفوفان اور حورام تھے۔"

(تواریخ اوّل ۸ : ۱ تا ۵)

ملاحظہ فرمائیے کہ ایک ہی کتاب جسے حضرت عزرا پیغمبر کی تصنیف کہا جاتا ہے کس قدر تعارض اور تناقص ہے اور دونوں جگہوں پر بنی یمین کے بیٹوں اور پوتوں میں نہ صرف ناموں بلکہ تعداد کا بھی زبردست اختلاف پایا جاتا ہے۔ کیا صاحبِ وحی پیغمبر سے ایسا تناقص متصور ہے؟

اس پر حیرت یہ کہ توراۃ نے ان دونوں دعووں سے اختلاف کیا ہے۔ توراۃ میں ہے،

"اور بنی بنیمین یہ ہیں؛ بالع اور بکر اور اشبیل اور جیرا اور نعمان اخی اور روس مفیم اور حفیم اور ارد"۔ (پیدائش ۴۶: ۲۱)

ملاحظہ فرمائیے تعداد میں بھی اور ناموں میں بھی اختلاف ہے۔

حوالہ: (۹) توراۃ کی کتاب پیدائش باب ۷، میں ہے:

"اور خداوند نے نوح سے کہا کہ تو اپنے خاندان کے ساتھ کشتی میں آ، کیونکہ میں نے تجھی کو اپنے سامنے اس زمانہ میں راستباز دیکھا ہے۔ کل پاک جانوروں میں سے سات سات نر اور اُن کی مادہ، اور اُن میں سے جو پاک نہیں ہیں، دو دو نر اور اُن کی مادہ اپنے ساتھ لے لینا۔ اور ہوا کے پرندوں میں سے بھی سات سات نر اور مادہ لے لینا"۔ (پیدائش ۷: ۱ تا ۳)

اسی کتاب کے اسی باب کی آیت ۸ اور ۹ میں ہے:

"اور پاک جانوروں میں سے اور ان جانوروں میں سے جو پاک نہیں ہیں، اور پرندوں میں سے اور زمین پر کے ہر رینگنے والے جاندار میں سے۔ دو دو نر اور مادہ کشتی میں نوح کے پاس گئے جیسا کہ خدا نے نوح کو حکم دیا تھا"۔ (۷: ۸، ۹)

ملاحظہ فرمائیے کہ ایک ہی کتاب کے ایک ہی باب کی مختلف آیات میں کس قدر اختلاف ہے۔ پہلی آیات سے معلوم ہوا کہ پاک جانوروں کے سات سات نر اور مادہ، ایسے ہی پرندوں کے، لیکن ناپاک جانوروں کے دو دو نر و مادہ، جبکہ دوسری آیات سے پتہ چلا کہ ہر پاک و ناپاک کے دو دو نر و مادہ ہی سوار کرنے کا حکم تھا۔ نیز توراۃ کی اسی کتاب کے باب ۶ میں ہے

کہ نوح علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا حکم ہوا،

"اور جانوروں کی ہر قسم میں سے دو دو اپنے ساتھ کشتی میں لے لینا کہ وہ تیرے ساتھ جیتے بچیں اور وہ نر و مادہ ہوں ۲۰ اور پرندوں کی ہر قسم میں سے اور چرندوں کی ہر قسم میں سے اور زمین پر رینگنے والوں کی ہر قسم میں سے دو دو تیرے پاس رہیں ۲۰" (پیدائش ۶: ۱۹، ۲۰)

اس آیت نے بھی یہی ثابت کیا کہ حکم دو دو جانوروں کو سوار کرنے کا تھا اور سات سات والی آیت غلط اور تحریف شدہ ہے۔

حوالہ:(۱۰) تواریخ اوّل باب ۱۱ میں ہے،

"اور داؤد کے سورماؤں کا شمار یہ ہے یسوبعام بن حکمونی جو تیسوں کا سردار تھا، اُس نے تین سو پر اپنا بھالا چلا دیا اور اُن کو ایک ہی وقت میں قتل کیا" (۱۱:۱۱)

جبکہ کتاب سموئیل ثانی باب ۲۳ میں ہے،

"اور داؤد کے بہادروں کے نام یہ ہیں یعنی تحکمونی یوشیب بشیبت جو سپہ سالاروں کا سردار تھا، وہی ایزنی ادینو تھا، جس سے آٹھ سو ایک ہی وقت میں مقتول ہوئے ۲۰" (۲۳: ۸)

ملاحظہ فرمائیے کہ ناموں میں بھی اختلاف ہے اور بیک وقت کیے گئے مقتولوں کی تعداد میں بھی حالانکہ مسیحی و یہودی حضرات کے نزدیک دونوں کتابیں صاحب الہام پیغمبروں کی تصنیف کردہ ہیں۔ بایں ہمہ مسیحی مفسر آدم کلارک سموئیل ثانی کی اس آیت کے تحت تحریر کرتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں:

"ڈاکٹر کنی کاٹ کا بیان ہے کہ اس میں تین زبردست تحریفیں کی گئی ہیں۔"

حوالہ:(۱۱) کتاب تواریخ اوّل باب ۱۸ میں ہے،

"اور داؤد نے اُس کے ایک ہزار رتھ سات ہزار سوار اور بیس ہزار پیادے پکڑ لیے اور داؤد نے رتھوں کے سب گھوڑوں کی کونچیں کاٹیں پر،

ان میں سے سو رتھوں کے لیے گھوڑے بچا رکھے"۔ (۸ : ۴)

سموئیل ثانی باب ۸ میں ہے :

"اور داؤد نے اس کے ایک ہزار سات سو سوار اور بیس ہزار پیادے پکڑ لیے اور داؤد نے رتھوں کے سب گھوڑوں کی کونچیں کاٹیں پر اُن میں سے سو رتھوں کے لیے گھوڑے بچا رکھے"۔ (۸ : ۴)

اختلاف ملاحظہ فرمائیں۔ تواریخ کے مطابق ایک ہزار رتھ اور سات ہزار سوار، جبکہ سموئیل کے مطابق سواروں کی کل تعداد ایک ہزار سات سو۔ . . . کیا الہامی کلام میں ایسا اختلاف ممکن ہے؟

حوالہ : (۱۲) بائیبل مقدس کی کتاب "ملاکی" باب ۳ میں ہے :

"دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے راہ درست کرے گا" (۳ : ۱)

جبکہ یہی آیت جب متی نے اپنی انجیل میں نقل کی، تو اُس نے یہ تحریر کیا :

"دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں، جو تیری راہ تیرے آگے تیار کرے گا" (متی کی انجیل ۱۱ : ۱۰)

ملاحظہ فرمائیے کہ دونوں عبارات میں کس قدر تضاد ہے۔ ظاہر ہے کہ یا تو "ملاکی" کے مذکورہ باب میں ابتداءً وہی عبارت ہوگی جو متی کی انجیل کے مصنف نے نقل کی ہے۔ اس نقل کے بعد "ملاکی" میں تحریف کر کے عبارت بدل دی گئی ہوگی یا پھر "ملاکی" کی اصل عبارت وہی ہے جو مذکور کتاب میں درج ہے، لیکن متی کی انجیل کے مصنف نے نقل میں تحریف سے کام لیا اور عبارت تبدیل کر کے لکھ دی۔ چونکہ دوسری صورت میں اعتراض عیسائی حضرات کے رسولوں پر وارد ہوتا ہے اور پہلی صورت میں علماء یہود پر شاید اسی لیے اس آیت کے حاشیہ میں عیسائی مفسر جناب ہورن تحریر کرتے ہیں،

"اس اختلاف کی وجہ آسانی سے نہیں بتائی جا سکتی ہے سوائے اس کے کہ پرانے نسخوں میں کچھ تحریف واقع ہو گئی ہے۔"

دیکھیے ہورن صاحب تسلیم کر رہے ہیں کہ کچھ تحریف واقع ہو گئی ہے۔"

حوالہ جات کی تحریر کا مقصد

بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کی مناسبت سے ہم نے بائبل مقدس کے عہد نامہ قدیم سے صرف بارہ حوالے ہی نقل کیے ہیں (حالانکہ حوالہ جات کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے) ان حوالوں کی تحریر سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ بائبل مقدس کا موجودہ عہد نامہ قدیم و جدید محرّف، غلطیوں سے پُر اور ناقابلِ عمل ہے تو پھر کیوں نہ ہو کہ امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پہ نازل شدہ آخری کتاب قرآن مجید جو کہ غیر محرّف غلطیوں سے مبرّا اور قابلِ عمل ہے، اسے قبول کر لیا جائے[1] تاکہ روزِ محشر قہرِ خداوندی اور عذابِ جہنم سے نجات ملے۔

دوسرے یہ کہ جب بائبل میں زبردست تحریف اور قطع برید ثابت ہو گئی تو یہود و نصاریٰ کا یہ اعتراض خود بخود رفع ہو گیا کہ بائبل مقدس میں واضح ترین الفاظ میں ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں موجود نہیں ہے[2] چونکہ بائبل شروع سے لے کر آج تک قطع برید کرنے والوں کے دستبرد سے نہ تو محفوظ رہی ہے اور نہ ہی اب ہے۔ اس لیے اس میں کسی بھی مرحلہ پر کمی بیشی یا کسی بھی واقعہ کے حذف و شمول کے امکانات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ بنا بریں اگر ہمارے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ذکرِ خیر بائبل سے مٹانے کی کوشش کی گئی ہے، تو یہ امر باعث تعجب نہیں۔ ہاں البتہ باعثِ تعجب تو یہ بات ہے کہ تمام تر امکانی کوششوں کے باوجود بائبل میں اب بھی حضور سید الانبیاء محبوبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر موجود ہے۔ یہ یقیناً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہے اور وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے ارشادِ خداوندی کا مظہر ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔

---

[1] تحریف بائبل میں عہد نامہ جدید یعنی اناجیل اربعہ کے وہ حوالہ جات جو کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں، اس تعداد میں شامل نہیں، ورنہ یہ تعداد کہیں زیادہ ہے ۱۲ [2] واضح رہے کہ پچھلے صفحات میں ہم نے انتہائی واضح ترین دلائل کے ساتھ بائبل میں ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ثابت کر چکے ہیں۔ ۱۲

بابِ پنجم

حضورِ امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بحیثیتِ محافظِ عصمتِ انبیاء علیہم السلام

حفاظتِ عصمتِ انبیاء علیہم السلام سیرتِ امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک درخشندہ ترین باب ہے۔ بعثتِ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور نزولِ قرآن مجید نے شرفِ انبیاء علیہم السلام کو اُجاگر کرنے میں اہم ترین کردار ادا کیا۔ اس سے نہ صرف انبیاء کرام کی حقانیت پر مہرِ تصدیق ثبت ہوئی، بلکہ اُن پر لگائے جانے والے بدترین الزامات کو بطریقِ احسن دُور کیا۔ دینِ اسلام میں کسی بھی نبیِ برحق کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی بھی کفر قرار دے دی گئی، باوجودیکہ حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خدائے لم یزل نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ فضیلت عطا فرمائی جس کا ثبوت خدائے لم یزل کی آخری کتاب قرآن پاک اور رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے ارشاداتِ گرامی میں موجود ہے[1] بایں ہمہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے مقابلہ میں اس انداز سے اپنا ذکر کرنے سے منع فرمادیا کہ جس سے دوسرے کسی نبی کی توہین کا شائبہ تک پایا جاتا ہو۔ بطورِ مثال ملاحظہ ہو:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَرَجُلٌ مِّنَ الْیَهُوْدِ فَقَالَ الْمُسْلِمُ وَالَّذِیْ اصْطَفٰی

[1] کچھ حوالے گزشتہ صفحات میں بھی گزر چکے ہیں۔ مزید حوالوں کے لئے کتبِ احادیث وسیر اور کتبِ تفاسیر ملاحظہ فرمائیں

مُحَمَّدًا عَلَى الْعَالَمِيْنَ فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ وَالَّذِي اصْطَفٰى مُوْسٰى عَلَى الْعَالَمِيْنَ فَرَفَعَ الْمُسْلِمُ يَدَهٗ عِنْدَ ذَالِكَ فَلَطَمَ وَجْهَ الْيَهُوْدِيِّ فَذَهَبَ الْيَهُوْدِيُّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ بِمَا كَانَ مِنْ اَمْرِهٖ وَاَمْرِ الْمُسْلِمِ فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمَ فَسَأَلَهٗ عَنْ ذَالِكَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُخَيِّرُوْنِيْ عَلٰى مُوْسٰى ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اِلٰى آخِرِهٖ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ (ایک بار) دو آدمیوں کا آپس میں جھگڑا ہوا، ان میں ایک تو مسلمان تھا اور دوسرا یہودی۔ مسلمان نے کہا کہ قسم ہے اُس ذاتِ (لازوال) کی کہ جس نے (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو تمام جہان والوں پر برگزیدہ کیا۔ یہودی بولا قسم ہے اُس ذات کی کہ جس نے موسیٰ (علیہ السلام) کو تمام جہان والوں پر برگزیدہ کیا۔ اس پر مسلمان نے دست درازی کی اور یہودی کے مُنہ پر طمانچہ دے مارا۔ یہودی حضور نبی کریم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے اور مسلمان کے درمیان پیش آنے والے واقعہ کا تذکرہ کیا۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان کو طلب فرما کر اس واقعہ کے متعلق دریافت فرمایا۔ اُس (مسلمان) نے واقعہ گزشتہ کہہ سُنایا۔ (یہ سُن کر) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (تم لوگ) مجھے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) پر فضیلت نہ دو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ ۔ ۔ ۔ ۔

ملاحظہ فرمایئے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان کو منع فرما دیا کہ مجھے موسیٰ کلیم اللہ پر فضیلت نہ دو، حالانکہ خود آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے:

"میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں اور یہ فخر نہیں ہے۔ میرے ہاتھ میں لوا الحمد ہوگا اور یہ فخر نہیں ہے کہ آدم (علیہ السلام) اور ان کے سوا دیگر تمام انبیا (علیہم السلام) میرے جھنڈے کے

نیچے ہوں گے۔" (ترمذی) چونکہ اس جگہ تقابل شان میں تنقیص شانِ موسیٰ علیہ السّلام کا ڈر تھا، اس لیے منع فرمادیا، ورنہ جو حقیقت ہے اُس کا خود بھی اظہار فرمادیا۔ اسی طرح ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا، مَا یَنۡبَغِیۡ لِعَبۡدٍ اَنۡ یَّقُوۡلَ اِنِّیۡ خَیۡرٌ مِّنۡ یُوۡنُسَ بۡنِ مَتّٰی (بخاری) "یعنی کسی آدمی کو زیبا نہیں کہ وہ (میرے متعلق) کہے کہ میں یونس بن متی سے افضل ہوں۔" ایک دوسری روایت میں ہے، لَا تُخَیِّرُوۡا بَیۡنَ الۡاَنۡبِیَآءِ (مشکوٰۃ) "انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔" یہاں بھی مقصود وہی بات ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا باہمی تقابل اس انداز میں مت کرو کہ جو کسی بھی نبی کی تنقیصِ شان پر منتج ہو۔ مثلاً "پولس" کرنتھیوں کے نام اپنے خط میں اپنی تعریف کرتا ہوا کہتا ہے:

"پس ہم ایسی اُمید کر کے بڑی دلیری سے بولتے ہیں ۵ اور موسیٰ کی طرح نہیں ہیں جس نے اپنے چہرے پر نقاب ڈالا تاکہ بنی اسرائیل اُس مٹنے والی چیز کے انجام کو نہ دیکھ سکیں ۵ (کرنتھیوں ۳: ۱۲، ۱۳)

دیکھئے پولس جو اپنے آپ کو یسوع مسیح کا رسول کہتا ہے (کرنتھیوں ۱:۱) وہ خدا تعالیٰ جل شانہ کے برگزیدہ رسول کی کس انداز سے توہین کر رہا ہے اور اپنے آپ کو اُن سے اعلیٰ ثابت کر رہا ہے۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) اہلِ اسلام کو ایسے نظریات اور ایسے عقائد سے سختی کے ساتھ منع کر دیا گیا جو اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ کی کسی بھی پسندیدہ ہستی کی توہین سے متعلق ہوں۔

موجودہ بائیبل اور عصمتِ انبیاء

انبیاء کرام علیہم السّلام اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ کی وہ برگزیدہ چُنی ہوئی اور پسندیدہ ہستیاں ہیں کہ جن کو خلاّقِ عالم جل شانہ نے ہدایتِ انسانی کے لیے مبعوث فرمایا۔ بے راہ رو اور شیطانی ذہن رکھنے والے لوگوں نے ان برگزیدہ ہستیوں کو ہر ممکن طریقہ سے ستایا۔

ان کو ذہنی و جسمانی اور رُوحانی اذیتوں سے دوچار کیا، مگر صبر و استقامت کے یہ کوہِ گراں گمراہ انسانیت کو صراطِ مستقیم کی دعوت دیتے رہے۔ انہوں نے ہر تکلیف اور مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ جہاں انبیاء علیہم السلام سے علی الاعلان دشمنی رکھنے والے کافروں نے اُن کے حق میں انتہائی گھٹیا اور نازیبا کلمات ادا کیے اور اُن پر ہر ایک قسم کے الزامات لگائے، وہاں اپنا ہونے اور تابعدار ہونے کے دعوے داروں نے بھی کچھ کم کردار ادا نہ کیا۔ قرآن کریم کی طرح دیگر آسمانی کتابوں (بائیبل) میں بھی انبیاء علیہم السلام کا تفصیلاً یا اجمالاً ذکر موجود ہے۔ اس ذکر کا مقصد یا حیثیت محض قصہ یا کہانی یا رنجمی کا نہیں، بلکہ اصل مقصد ہدایتِ انسانیت ہے۔ ان واقعات سے ایک تو روحانی تربیت کے برداشت کرنے والوں کو مزید حوصلہ ملتا ہے اور دوسری طرف منکرین انبیاء کرام علیہم السلام کے خوفناک انجام سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ خود انبیاء علیہم السلام اور اُن کے پیروکاروں کے بارگاہِ ربّ العزت میں عُلوِ مرتبت اور قابلِ رشک عزّ و نعم کا پتہ چلتا ہے اگر یہ باتیں مفقود ہو جائیں، تو واقعہ کی حیثیت محض قصّہ تک ہی محدود رہ جاتی ہے۔ افسوس پر افسوس کہ قرآن پاک کے سوا کوئی بھی آسمانی کتاب تحریف سے نہ بچ سکی۔ ان کتبِ سماوی میں تحریف نے یوں رنگ دکھایا کہ نہ صرف واقعاتِ انبیاء کی اصل رُوح کو ختم کر دیا، بلکہ بعض جگہ ایسی غلیظ اور قابلِ نفرت عبارات کا اضافہ کر دیا جو ان برگزیدہ ہستیوں کی عصمت و طہارت کی بے داغ چادر انتہائی بدنما دھبہ محسوس ہونے لگیں۔

یہاں ہم چند ایک ایسی ہی مثالیں پیش کرتے ہیں، جن سے یہ پتہ چلے گا کہ بائیبل میں واقعہ کی اصل رُوح کو کس قدر مسخ کیا گیا ہے[1]۔

---

[1] تحریفاتِ بائیبل اور مغلظات بائیبل کا ذکر کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ پاکستان میں عیسائی مشنری نے مسلمانوں کو عیسائی بنانے اور اپنی تعلیمات کی اشاعت کے لیے سلسلۂ بندگان خدا کے نام سے اپنا ایک پروگرام شروع کر رکھا ہے سادہ لوح مسلمانوں پر بھرپور یا غلط رنگ میں وار کرنے کے لیے کورس نمبر ۱ کے صفحہ ۵۰ پر تعارف یوں (باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

حضرتِ آدم علیہ السلام اور بائیبل

تورات کی کتاب پیدائش میں حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ یُوں درج ہے :

" آدم اور اُس کی بیوی دونوں ننگے تھے اور شرماتے نہ تھے اور سانپ کل دشتی جانوروں سے جن کو خداوند خدا نے بنایا تھا، چالاک تھا اور اُس نے کہا کیا واقعی خدا نے کہا ہے کہ باغ میں کسی درخت کا پھل تم نہ کھانا ۔ عورت نے سانپ سے کہا باغ کے درختوں کا پھل تو ہم کھاتے ہیں ۔ پر جو درخت باغ کے بیچ میں ہے ۔ اُس کے پھل کی بابت خدا نے کہا ہے تم نہ تو اسے کھانا اور نہ چھونا، ورنہ مرجاؤ گے تب سانپ نے اس عورت سے کہا کہ تم ہرگز نہ مرو گے ۔ بلکہ خدا جانتا ہے کہ جس دن تم اُسے کھاؤ گے، تمہاری آنکھیں

(حاشیہ گزشتہ صفحہ سے) درج ہے، حضرت موسیٰ کی توریت خدا کی طرف سے نازل ہوئی تھی قرآن مجید فرماتا ہے کہ اسی (خدا) نے اتاری تھی ۔ توریت اور انجیل" آلِ عمران ۳:۳ ۔ اسی لیے اہلِ اسلام ایمان رکھتے ہیں کہ توریت خدا کا کلام ہے ۔ مسیحی اور یہودی بھی ایمان رکھتے ہیں کہ توریت خدا کا کلام ہے، چونکہ توریت خدا کا کلام ہے" اس لیے تمام لوگوں کو اُس کی تلاوت کرنی چاہیے ۔" (انسان کا شروع کورس ۱ صفحہ ۵) ملاحظہ فرمایئے کہ کس طرح مٹھائی میں رکھ کر زہر دینے کی کوشش کی جارہی ہے ۔ اسی طرح اس کتابچہ" انسان کا شروع" شائع کردہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور لاہور کے آخری صفحہ پر ہے : بہت سے لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ توریت، زبور اور انجیل پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ انہی لوگوں میں سے اکثر ان الٰہی کتابوں کے پیغام سے ناواقف ہیں ۔" (صفحہ آخر) یہاں تنبیہ کے سرنج سے زہریلا انجکشن لگانا مقصود ہے اور تندرست کو دھوکا یں ڈالنا ہے کہ پگلے تُو تو شدید بیمار ہے ۔"

ہم عیسائی مشنری پر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کا تورات، زبور، انجیل پر ایمان ہے اور ضرور ہے لیکن اُس توریت، زبور اور انجیل پر ہے جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی تھی نہ کہ اس توریت، زبور اور انجیل پر جو کہ آپ کے پوپوں کی بنائی ہوئی ہیں ۔ الحمد للہ ہم نے گزشتہ صفحات میں اپنے اس دعویٰ کو دلائل سے ثابت کر دیا ہے اور ہم دعوت دیتے ہیں کہ یہ زیرِ نظر باب پڑھیئے اور بتایئے کیا ایسا فحش اور غلیظ کلام خدا کا ہو سکتا ہے ؟ کیا اپنے ہی بھیجے ہوئے منتخب بندوں پر ایسے قبیح الزام لگانا خدا تعالیٰ کے شایانِ شان ہے ؟ فاعتبروا یا اولی الابصار ۔

کھل جائیں گی ہ اور تم خدا کی مانند نیک و بد کو جاننے والے بن جاؤ گے ہ عورت نے جو دیکھا کہ وہ درخت کھانے کے لیے اچھا اور آنکھوں کو خوشنما معلوم ہوتا ہے اور عقل بخشنے کے لیے خوب ہے، تو اُس کے پھل میں سے لیا اور کھایا اور شوہر کو بھی دیا اور اُس نے کھایا ہ تب دونوں کی آنکھیں کھل گئیں اور اُن کو معلوم ہوا کہ وہ ننگے ہیں اور انہوں نے انجیر کے پتوں کو سی کر اپنے لیے لنگیاں بنائیں ہ اور انہوں نے خداوند کی آواز جو ٹھنڈے وقت باغ میں پھرتا تھا، سُنی اور آدم اور اُس کی بیوی نے آپ کو خداوند کے حضور سے باغ کے درختوں میں چھپایا ہ تب خداوند نے آدم کو پکارا اور اُس سے کہا کہ تو کہاں ہے؟ ہ اس نے کہا میں نے باغ میں تیری آواز سُنی اور میں ڈرا۔ کیونکہ میں ننگا تھا اور میں نے اپنے آپ کو چھپایا ہ اُس نے کہا تجھے کس نے بتایا کہ تو ننگا ہے؟ کیا تو نے اس درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں نے تجھ کو حکم دیا تھا کہ اُسے نہ کھانا؟ ہ آدم نے کہا کہ جس عورت کو تو نے میرے ساتھ کیا ہے، اُس نے مجھے اس درخت کا پھل دیا اور میں نے کھایا ہ تب خداوند نے عورت سے کہا کہ تو نے یہ کیا کیا؟ عورت نے کہا کہ سانپ نے مجھ کو بہکایا تو میں نے کھایا ہ اور خداوند نے سانپ سے کہا اس لیے کہ تو نے یہ کیا تو سب چوپایوں اور دشتی جانوروں میں ملعون ٹھہرا۔ تو اپنے پیٹ کے بل چلے گا اور اپنی عمر بھر خاک چاٹے گا اور میں تیرے اور عورت کے درمیان اور تیری نسل اور عورت کی نسل کے درمیان عداوت ڈالوں گا۔ وہ تیرے سر کو کچلے گا اور تو اُس کی ایڑی پر کاٹے گا ہ پھر اُس نے عورت سے کہا کہ میں تیرے دردِ حمل کو بہت بڑھاؤں گا، تو درد کے ساتھ بچے جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا ہ اور آدم سے اُس نے کہا چونکہ تو نے اپنی بیوی کی بات مانی اور اُس درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ اُسے نہ کھانا، اس لیے زمین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی۔ مشقت کے ساتھ تو اپنی عمر بھر اُس کی پیداوار کھائے گا ہ اور وہ تیرے لیے کانٹے اور اونٹ کٹارے

اگائے گی اور تو کھیت کی سبزی کھائے گا ۔ اور تو اپنے مُنہ پسینے کی روٹی کھائے گا، جب تک کہ زمین میں تو پھر لوٹ نہ جائے، اس لیے کہ تو اس سے نکالا گیا ہے، کیونکہ تو خاک ہے اور خاک میں پھر لوٹ جائے گا ۔ (پیدائش ۲: ۲۵ — ۳: ۱ تا ۷)

بائیبل مقدس کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ (خط کشیدہ عبارات ملاحظہ فرمائیں)

(۱) آدم و حوا (علیہما السلام) جنت (باغ) میں بالکل برہنہ گھومتے پھرتے اور ان کو شرم نہ آتی تھی۔

(۲) خدا نے آدم و حوا (علیہما السلام) سے کہا کہ فلاں درخت کا پھل نہ کھانا نہ اُسے چھونا، ورنہ مر جاؤ گے۔

(۳) سانپ نے حوا (علیہا السلام) کو بتایا کہ خدا نے (معاذ اللہ) جھوٹ بولا ہے، تم مرو گے نہیں، بلکہ خدا کو معلوم ہے کہ اگر تم شجرِ ممنوعہ کا پھل کھاؤ گے، تو تمہاری آنکھیں کھُل جائیں گی اور تم نیک و بد کو جان لو گے۔

(۴) چنانچہ اغواء سانپ سے انہوں (آدم و حوا علیہما السلام) نے شجرِ ممنوعہ کھایا، تو دونوں کی فی الواقع آنکھیں کھل گئیں اور نیک و بد کی تمیز ہو گئی اور انہوں نے جان لیا کہ ہم ننگے ہیں، ورنہ پہلے نہ جانتے تھے۔

نتیجہ: (ا) خدا تعالیٰ نے معاذ اللہ جھوٹ بولا اور سانپ نے سچ بولا، اسی لیے شجرِ ممنوعہ کو کھا کر آدم و حوا مرے نہیں، بلکہ ان کی آنکھیں کھُل گئیں اور اُن کو تن ڈھانپنے کی فکر ہوئی۔ (شیطان کا اس پورے واقعہ میں کوئی کردار نہیں)

(ب) خدا تعالیٰ نے معاذ اللہ انسان کو دھوکے میں رکھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی آنکھیں کھلیں یا اسے نیک و بد کی پہچان ہو سکے، مگر سانپ نے انسان کی حمایت کی اور اصل واقعہ سے آگاہ کر دیا (سانپ دوست خدا دشمن)

(اب بائیبل کی مذکورہ عبارت سے بقیہ خط کشیدہ عبارت ملاحظہ ہو:

(۵) خدا ٹھنڈے وقت میں باغ میں سیر کررہا تھا کہ اُس کی آواز سُن کر آدم و حوا نے اپنے آپ کو درختوں میں چھپا لیا، یعنی وہ دونوں خدا کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

(۶) تب خدا نے (ڈھونڈنے کے انداز میں) پکار کر کہا: (اے آدم!) "تو کہاں ہے؟" آدم نے بتایا کہ میں ننگا ہوں اور تجھ سے ڈر کر چھپا ہوا ہوں۔

(۷) خدا نے آدم کا جواب سُنا تو بولا کہیں تو نے درخت کا پھل تو نہیں کھا لیا؟ جو تجھے نیک و بد کی پہچان ہو گئی اور تیری آنکھیں کھل گئی ہیں (ورنہ خدا کو شاید ابھی تک پتہ نہ چل سکا تھا)

(۸) آدم نے اقرار کر لیا اور کہا کہ عورت نے کھلایا، تب خدا نے عورت سے پوچھا اُس نے سانپ کا نام لے دیا (یہ سن کر کہ سانپ نے یہ راز تو افشا کر دیا، خدا غصہ میں آگیا اور ان کو سزا دی) سانپ کو کہا کہ تو تمام جانوروں میں ملعون ہوا۔ تیرے اور انسان کے درمیان دشمنی رہے گی۔ حضرت حوا علیہا السلام کو سزا سنائی کہ تجھے دردِ زہ بہت ہوگا اور تو تکلیف سے بچے جنے گی (یعنی ہر عورت ہی) حضرت آدم علیہ السلام (یعنی ہر مرد) کو سزا سنائی کہ زمین تیری وجہ سے لعنتی ہوئی، تو زمین پر محنت و مشقت کرے گا اور یہ تیرے لیے کانٹے اور اونٹ کٹارے اُگائے گی۔ (تفصیلی سزاؤں کے متعلق عبارت دیکھیں)

نتیجہ: (ا) خدا کا پروگرام (معاذاللہ تعالیٰ) سانپ کی انسان دوستی کی وجہ سے پورا نہ ہو سکا اور سانپ کی سچائی پر (معاذاللہ تعالیٰ) خدا کو غصہ آگیا۔ اُس نے ضد کے طور پر سانپ کو اس کی انسان دوستی پر یہ سزا دی کہ اس کے اور انسان کے درمیان دشمنی ڈال دی اس طرح انسان اپنے ہی محسن کا دشمن بن گیا

(ب) حضرت آدم و حوا (علیہما السلام) کی لغزش کی سزا اُن کی پوری نسل کو دے دی اور آج تک یہ سزا بحال ہے، یعنی عورت کو دردِ زہ بھی ہوتا ہے اور مرد کو محنت و مشقت کرنا پڑتی ہے، بلکہ زمانۂ جدیدہ میں تو عورت بھی مرد کے ساتھ اسی سزا (محنت و مشقت) میں شامل ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کا بنایا ہوا قانون اس کے خلاف ہے کہ گناہ کوئی کرے اور

سزا دوسرے کو ملے[1]۔ بائیبل میں قانونِ خدا بایں الفاظ نقل ہے:

"جو جان گناہ کرتی ہے، وہی مرے گی۔ بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ۔ صادق کی صداقت اسی کے لیے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لیے۔" (حزقی ایل ۱۸:۲۰)

حضرت آدم علیہ السلام اور قرآنِ پاک

قرآن پاک میں حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کا ابتدائی واقعہ کئی جگہ مذکور ہے۔ ہم بقدرِ ضرورت اختصاراً بعض جگہوں سے آیاتِ مبارکہ کے تراجم نقل کریں گے۔ اصل عبارتِ قرآنی کے لیے حوالہ میں دی گئی سورتوں اور آیاتِ مبارکہ کی طرف رجوع فرمائیے۔ واقعہ ملاحظہ ہو:

"(اے پیارے محبوب علیک السلام) اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں (فرشتے بولے (کہ اے پروردگار) کیا ایسے (انسان) کو نائب بنائے گا جو اس (زمین) میں فساد پھیلائے اور خونریزیاں کرے اور ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور تیری تقدیس بولتے ہیں (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ مجھے وہ معلوم ہے جو تم نہیں جانتے اور (اللہ تعالیٰ نے) آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔ پھر ان تمام اشیاء کو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا، اگر تم سچے ہو تو ان اشیاء کے نام بتاؤ؟ (فرشتے بولے (تمام) پاکیزگی تیرے ہی لیے ہے (اور ہم اقرار کرتے ہیں کہ) ہمیں کچھ بھی علم نہیں، مگر یہ کہ جتنا تو نے ہمیں سکھایا، اس میں شک نہیں کہ علم و حکمت والا تو ہی ہے پھر (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا، اے آدم! ان کو ان اشیاء کے نام بتا دو۔ تو جب آدم علیہ السلام

---

[1] عیسائی عقیدہ کے مطابق اسی غلطی کے کفارہ کے طور پر مسیح علیہ السلام کو سولی دی گئی تاکہ انسان کی یہ غلطی معاف کر دی جائے، باعثِ تعجب ہے کہ مسیحی عقیدہ کے مطابق مسیح انسان کے گناہوں کا بوجھ اٹھاتے سولی پر چڑھ بھی گئے۔ اس شرط کے پورا ہونے پر غلطی کی معافی بھی ہو گئی، مگر سزا ابھی تک بحال ہے، کیا یہ انصاف ہے؟ (معاذ اللہ تعالیٰ)

نے انہیں تمام نام بتا دیجئے، تو (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمان و زمین کی سب پوشیدہ اشیاء کو۔ اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور (یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو، تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، وہ منکر ہوا اور اُس نے غرور کیا اور وہ کافر ہو گیا اور ہم نے فرمایا کہ اے آدم تو اور تیری زوجہ اس جنت میں رہو اور کھاؤ، اس میں سے بلا جھجک، جہاں (سے) تمہارا جی چاہے مگر اس درخت کے قریب نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے" (۲: ۳۰ تا ۳۵)

"پھر شیطان نے ان کے دل میں خطرہ ڈالا تاکہ اُن پر کھول دے شرم کی چیزیں، جو اُن سے چھپی تھیں اور (شیطان) بولا: تمہیں تمہارے رب نے اس درخت سے اسی لیے منع فرمایا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ ہو جاؤ یا ہمیشہ جینے والے (نہ بن جاؤ) اور اُس (لعین نے) ان دونوں (آدم و حوا) کے حضور قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیرخواہ ہوں اور اُن کو فریب دے کر کھانے کی طرف مائل کر ہی لیا تو جونہی انہوں نے اس درخت (کا پھل) چکھا، ان پر ان کی شرم کی چیزیں کھل گئیں (ستر کھل گیا اور جب برہنگی سے شرم محسوس ہوئی، تو وہ دونوں اپنے بدن پر جنت کے درختوں کے) پتے چپکانے لگے اور اُن کو اُن کے رب نے فرمایا کہ کیا میں نے اس درخت سے تمہیں منع نہ کیا تھا اور یہ نہ کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ان دونوں نے عرض کی کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بُرا کیا (اپنی جانوں پر زیادتی کی)، اور اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا، تو بے شک ہم نقصان اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے" (۷: ۲۰ تا ۲۳)

"..... پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے کچھ کلمے سیکھ لیے (اُن کے ذریعے توبہ کی)، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔ ہم نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: تم سب جنت سے اُتر جاؤ۔ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا اُسے نہ تو کوئی اندیشہ ہوگا اور نہ ہی کوئی غم اور جو کفر کریں گے اور میری آیتیں جھٹلائیں گے تو وہ دوزخ (میں

رہنے) والے ہیں۔ اِن (نافرمانوں) کو اس (دوزخ) میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔[1] (۳۸، ۳۹)

اس واقعہ میں قرآن و بائیبل کا تقابلی جائزہ

محترم قارئین! اب آپ قرآن پاک میں بیان کردہ واقعہ اور بائیبل کے بیان کردہ واقعہ کا تقابلی جائزہ لیں، تو چند ایک باتیں بالکل عیاں نظر آئیں گی[2]

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل فرشتوں کا بارگاہ ربّ العزت میں گزارش کرنا، جواباً خدائے لم یزل کا فرمانا کہ اِنِّیٓ اَعۡلَمُ مَالَا تَعۡلَمُوۡنَ (میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) اور پھر آدم علیہ السلام کو دولتِ علم سے سرفراز فرما کر عملی طور پر فرشتوں پر برتری ثابت کرنا وغیرہم واقعات کا بائیبل نے قطعاً تذکرہ نہ کیا، جبکہ قرآن پاک نے واضح ترین الفاظ میں یہ سب کچھ بیان فرمایا اور اس بیان سے ایک عظیم سبق حاصل ہوا، وہ یہ کہ،

علم ایک عظیم اور لازوال دولت ہے۔ فرشتوں پر انسان کی برتری علم ہی کی وجہ سے ہوئی اور حصولِ علم انسان کا پیدائشی حق اور فرض ہے۔

(۲) انسان سے شیطان کی دشمنی کا اصل سبب، شیطان کا حسد اور تکبر کرتے ہوئے حکم خدا کا انکار، شیطان لعین کا جھوٹی قسم اٹھا کر حضرت آدم علیہ السلام کو دھوکا دینا، ان تمام واقعات کا بھی بائیبل نے کوئی ذکر نہ کیا، جبکہ قرآن پاک نے وضاحت سے ان واقعات پر روشنی ڈالی، کیونکہ ان واقعات کے بیان کا بھی ایک مقصد ہے، مثلاً یہ کہ:

(ل) انسان کا اصل دشمن شیطان ہے، اس لیے اس سے ہر ممکن طور پر بچنا چاہیے۔

---

[1] یہ ترجمہ ہم نے تیسیر البیان فی ترجمۃ القرآن اور کنز الایمان کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ ۱۲

[2] یہ بات ہم زورِ بیان یا لفاظی سے ثابت نہیں کر رہے، بلکہ ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ آپ خود جائزہ لیں۔ بفضلہ تعالیٰ آپ اختلاف نہیں کر سکیں گے۔ ۱۲

(ب) دُنیا میں سب سے پہلا گناہ حسد اور غرور کی وجہ سے صادر ہوا، اس لیے ان سے بچو۔

(ج) خدا یا حکمِ خدا کا انکار آخرت کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہے اور نبی کی توہین بدترین کفر ہے۔

(د) جھوٹی قسمیں اُٹھانا یا انسان کو دھوکا دینا شیطانی کام ہیں۔ یہ انسان کو زیب نہیں دیتے اور نہ ہی یہ افعال انسان کے شایانِ شان ہیں۔

(۳) بائیبل نے ثابت کیا کہ شجرِ ممنوعہ کا پھل کھانے سے قبل انسان نیک و بد کو پہچانتا نہ تھا، حتیٰ کہ اسے اتنا بھی علم نہ تھا کہ وہ ننگا ہے۔ پھر سانپ نے ان کو ترغیب دی کہ اس درخت کا پھل کھاؤ، تو تم بھی خدا کی طرح نیک و بد کے جاننے والے بن جاؤ گے۔ بائبل کے الفاظ ہیں:

"عورت نے جو دیکھا کہ وہ درخت کھانے کے لیے اچھا اور آنکھوں کو خوشنما معلوم ہوتا ہے اور عقل بخشنے کے لیے خوب ہے، تو اُس کے پھل میں سے لیا، اور کھایا اور اپنے شوہر کو بھی دیا اور اُس نے کھایا۔ تب دونوں کی آنکھیں کھُل گئیں اور اُن کو معلوم ہوا کہ وہ ننگے ہیں۔" (پیدائش ۳: ۶، ۷)

یہ بات باعثِ تعجب ہے کہ اگر انسان اس قدر بے علم اور عقل کا اندھا تھا کہ اتنا بھی نہ جانتا تھا کہ میں ننگا ہوں یا نہیں اور میرا نیک و بد کیا ہے مجھے اپنا ستر بھی چھپانا چاہیے یا نہیں، تو اسے درخت کیونکر خوشنما نظر آ گیا اور اُس نے یہ کیونکر جان لیا کہ یہ کھانے کے لیے اچھا اور عقل بخشنے والا ہے؟[1] اگر انسان اتنی سی سوجھ بوجھ رکھتا تھا۔ اگرچہ سانپ کے برانگیختہ کرنے سے ہی سہی، تو اسے آج تک اپنے جسم کا ننگا پن کیوں نظر نہ آیا؟ مختصر

---

[1] بائیبل کے مطابق وہ درخت فی الواقع بھی ایسا ہی تھا، کیونکہ اُسے کھاتے ہی آدم و حوا کی (عقل کی) آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے جان لیا کہ وہ ننگے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں مرادِ عقل کی آنکھ ہی ہو سکتا ہے، ورنہ وہ نابینے تو پہلے بھی نہ تھے۔ پھر آنکھیں کھلنے کا کیا مطلب ہے؟ یعنی انسان درخت کھانے سے قبل جاہلِ مطلق تھا (معاذ اللہ)

یہ کہ بائیبل نے ثابت کیا کہ انسان سانپ سے بھی جاہل اور کم عقل اندھا تھا۔ اگر شجرِ ممنوعہ نہ کھاتا، تو اُسے ہرگز ہرگز عقل نہ آتی اور خدا بھی اسے عقل مند نہ بنانا چاہتا تھا۔[لہ]

یہ باتیں خدا اور انسان کی زبردست توہین کا باعث ہیں، جبکہ،

قرآن نے انسان کو سربلندیٔ کمال اور بے مثال عزّو شرف سے ہمکنار کیا اور بتایا کہ خدائے لم یزل نے اپنے تخلیق فرمودہ انسان کو عقل، فہم و شعور اور مرتبۂ علم میں اس قدر معزّز فرمایا کہ فرشتوں کی پیشانی بھی اس کے حضور جھک گئی، اسے مسجود الملائکہ بنا دیا گیا۔ (دیکھئے سورۃ البقرۃ آیات ۳۱ تا ۳۴)

اب آپ خود انصاف فرمائیے کہ عظمتِ انسانی کا علمبردار اور محافظ حضور امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا پیش فرمودہ قرآن پاک ہے یا کہ بائیبل؟

لہ ہمارے اس دعویٰ کی دلیل ایک تو بائیبل کا یہ بیان ہے کہ آدم و حوّا کو شجرِ عقل و شعور کھانے سے روک دیا گیا تھا اور دوسرے یہ کہ بائیبل میں ہے "اور خداوند خدا نے کہا، دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔ اب کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنا ہاتھ بڑھائے اور حیات کے درخت سے بھی کچھ لے کر نہ کھائے اور ہمیشہ جیتا رہے سو اس لیے خداوند خدا نے اسے باغِ عدن سے باہر کر دیا" (پیدائش ۳: ۲۲، ۲۳) بائیبل نے ثابت کیا کہ خدا کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ اب انسان چونکہ عقلمند ہو گیا ہے، اب کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ درختِ زندگی سے کچھ کھالے، ورنہ یہ مرے گا بھی نہیں۔ اسی فکر کی وجہ سے خدا نے انسان کو جنت سے نکال دیا کہ پہلے تو میرے نہ چاہنے کے باوجود یہ عقلمند بن گیا اور اب میرے نہ چاہنے کے باوجود کہیں ہمیشہ کی زندگی نہ پالے۔ یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی باغِ عدن میں ایسے درخت پائے جاتے ہیں یا تھے کہ جن کو کھانے سے جاہلِ مطلق عالم و فاضل بن جاتے یا مرنے والا کھائے تو ہمیشہ کی زندگی پالے؟ پھر اگر تھے تو کیا انسان کو ترغیب دینے والے سانپ نے بھی ان درختوں کو چکھا؟ یا کسی اور جاندار (یا جن یا فرشتے وغیرہ) نے ان درختوں سے کچھ کھایا؟ کیا ماسوائے خدائے لم یزل کے کائنات میں کوئی دوسرا ہے جسے دوام حاصل ہو؟ جسے نہ تو کبھی موت آئی اور نہ کبھی آسکتی ہو؟ اگر آپ غور فرمائیں گے، تو پتہ چلے گا کہ بائیبل کا یہ دعویٰ ایک گھڑا ہوا افسانہ ہے۔ ۱۲

(۴) بائیبل نے ثابت کیا کہ شجرِ ممنوعہ چکھنے کی پاداش میں آدم وحوا (علیہما السلام) کو جو سزا دی (اصل عبارت گزشتہ صفحات میں ملاحظہ ہو) وہ سزا اُن کی اولاد کو بھی دی گئی حالانکہ جرم صرف آدم وحوا (علیہما السلام) کا تھا نہ کہ ان کی پوری اولاد کا اور یہ سزا آج تک موجود ہے جس سے نہ کوئی مسیحی بچا ہوا ہے اور نہ غیر مسیحی، جبکہ،

قرآن پاک نے فرمایا کہ آدم وحوا علیہما السلام کو شیطان کے دھوکہ دینے کی وجہ سے جو لغزش واقع ہوگئی تھی، وہ معاف کردی گئی ہے، کیونکہ ان دونوں بزرگوں نے اپنے قصور کا اقرار کرکے عاجزی اور انکساری کے ساتھ پروردگارِ عالم جل شانہٗ کے حضور توبہ کی تھی اور اب اولادِ آدم کو اس سابقہ لغزش کی بنا پر کوئی سزا قطعاً نہیں دی جارہی ہے، بلکہ وعدۂ الٰہی ہے کہ "جو کوئی (میری طرف سے آمدہ) ہدایت کی پیروی کرے گا، اُسے نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی کوئی غم (یعنی اُسے جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمایا جائے گا) اور جو لوگ کفر کریں گے اور میری آیتیں جھٹلائیں گے، وہی دوزخی ہیں، ان کو آگ میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔" (البقرہ آیات ۳۸و۳۹)

مقصدِ واقعہ گزشتہ صفحات میں مذکورہ فوائد ومقاصد کے سوا اس واقعہ کے بیان کا ایک اور عظیم مقصد ہے اور اس مقصد کی طرف سے بائیبل نے اشارہ تک نہ کیا، جبکہ قرآن مجید نے بڑے واضح انداز میں اس کا بیان فرمایا۔ قرآن پاک میں ہے،

ترجمہ، (جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو عزت وشرف سے نوازا اور شیطان لعین کو آدم علیہ السلام کے حضور سجدہ نہ کرنے کے جرم میں مردود قرار دے دیا، تو شیطان نے کہا،) پروردگار دیکھ جس ہستی (یعنی آدم علیہ السلام) کو تو نے مجھ پر فوقیت (اور عزت) دی ہے۔ اگر تو مجھے قیامت تک مہلت دے، تو میں اس (آدم) کی اولاد کو سوائے چند لوگوں کے (سب کو) اپنے قابو میں کرکے رہوں گا (یعنی گمراہ کردوں گا) (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا، دور ہو (یعنی جا) ان میں سے جو بھی تیری پیروی کرے گا، تو یقیناً سب کا بدلہ جہنم ہے اور زبردست سزا ہے اور (جا) ان میں سے جس پر تیرا

بس چلے اُسے ڈگمگا دے اپنی آواز کے ساتھ اور اُن پر (لشکر لے کر) اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ چڑھائی کر دے اور تو اُن کے مال اور ان کی اولاد میں ان کا شریک ہو جا اور انہیں (اپنی فرمانبرداری کے) وعدے دے اور (اے انسان!) شیطان کے وعدے تو صرف مکر اور فریب ہی ہیں (پھر فرمایا کہ اے شیطان! ان تمام تر حملوں کے باوجود) جو میرے (خاص) بندے ہیں، اُن پر تیرا کوئی بس نہ چلے گا اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے کو۔" (سورۃ بنی اسرائیل آیات ۶۲ تا ۶۵)

قرآن پاک میں ایک اور جگہ یہ واقعہ یوں بیان ہوا:

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: اے ابلیس! تجھے کس چیز نے روکا کہ تو اُس (آدم) کو سجدہ نہ کرے کہ جسے میں نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا۔ کیا تجھے غرور آ گیا یا (اپنے خیال میں) تو تھا ہی مغروروں سے۔ ابلیس نے کہا: میں اس سے (یعنی انسان سے) بہتر ہوں، کیونکہ مجھے تو نے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جنت سے نکل جا کہ بیشک تو مردود ہو گیا ہے اور یقیناً قیامت تک تجھ پر میری لعنت ہے۔ ابلیس نے کہا اگر ایسا ہے تو اے رب! مجھے اُس دن تک مہلت دے جس دن مردے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (جا) تجھے مہلت دی جاتی ہے، اس جانے ہوئے معین وقت تک۔ ابلیس بولا: (مجھے) تیری عزت کی قسم ہے، میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا، سوائے ان کے کہ جو تیرے خالص بندے ہیں (یعنی اُن پہ میرا داؤ نہ چل سکے گا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا حق بات تو یہ ہے اور میں حق بات ہی فرمایا کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اور ان لوگوں سے کہ جو تیری پیروی کریں گے، سب سے ضرور بالضرور جہنم کو بھر دوں گا۔" (سورۃ ص، آیات ۷۵ تا ۸۵)

قرآن پاک نے ان واقعات کو بیان فرما کر بطورِ تنبیہ اظہارِ مقصد فرمایا:

" اے اولادِ آدم! خبردار (یعنی ہوشیار ہو جاؤ) شیطان تم کو فتنہ میں نہ ڈالے (یعنی تم اس کے بہکاوے میں نہ آنا) جیسا کہ (اُس نے) تمہارے ماں باپ (آدم و حوا) کو جنت سے

اُن کے کپڑے اتروا کر نکلوا دیا تاکہ ان کے ستر اُن کو دکھا دے۔ بے شک وہ اور اُس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔ بے شک ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔" (الاعراف آیت ۲۷)

نتیجہ: شیطانِ لعین نے نسلِ انسانی کو گمراہ کرنے کی قسم اٹھا رکھی ہے؛ اُس نے ہمارے جدِ امجد آدم علیہ السلام کے سامنے جھوٹی قسم بھی کھائی تھی، اس لیے اس بدبخت سے اپنے آپ کو بچانا بہت ضروری ہے، لیکن بائیبل کے بیان سے نتیجہ نکالو، تو یہ نکلے گا:

(ا) خدا انسان کو جاہل رکھنا چاہتا تھا، اس لیے انسان کا حقیقی دشمن وہ ہے (معاذ اللہ) (مگر انسان اب اُس کی عبادت کرتا ہے)

(ب) انسان کا اصلی اور جاں نثار دوست سانپ ہے جو خود تو ملعون ہوا، مگر انسان کو عقلمند بنا گیا، اس لیے اس کی قربانی کی قدر کرنی چاہیے (مگر اب انسان اُسے اور وہ انسان کو قتل کرتا ہے) یا للعجب!

(ج) شیطان بے چارے کا کوئی قصور نہیں ہے۔ ان دنوں وہ خواہ مخواہ بدنام ہے۔ (کیونکہ اس واقعہ میں اُس کا کوئی بھی کردار درج نہیں)

حضرت اسرائیل اور بنی اسرائیل کا واقعہ

اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔ آپ کا اور آپ کی اولاد یعنی بنی اسرائیل کا ذکر قرآن پاک میں بہت سی جگہ پر ہوا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد تشریف لانے والے پیغمبر باسوائے امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آپ کی اولاد یعنی بنی اسرائیل ہی سے ہوئے، اس لیے قرآن پاک میں جہاں کہیں بھی ان انبیاء کرام

ل حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاندان بنو اسماعیل سے تشریف لائے اور اسی حسد کی وجہ سے کہ یہ ہمارے خاندان میں سے کیوں پیدا ہوئے، یہود و نصاریٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار کر دیا۔ ۱۲

علیہم السلام کا ذکر ہے کہ جو اولادِ یعقوب علیہ السلام سے ہیں، وہاں بنی اسرائیل ہی کا ذکر ہے، لیکن اس جگہ ہم صرف سورۃ یوسف شریفہ میں بیان ہونے والے واقعہ کے بعض حصّوں کا اختصار کے ساتھ قرآن اور بائیبل کی روشنی میں جائزہ لیں گے اور موازنہ پیش کریں گے۔ یہ موازنہ پیش کرنا اس لیے بھی ضروری ہے۔ یورپین مستشرقین کے اُس الزام کی قلعی بھی کھُل جائے کہ جو وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات وحیِ الٰہی نہیں، بلکہ علماء بائیبل سے سُن کر تحریر کیے گئے ہیں۔

محترم قارئین! آپ نے پچھلے صفحات میں ابوالبشر آدم علیہ السلام کا واقعہ ملاحظہ فرمایا اور موازنہ کیا۔ یہاں واقعۂ یوسف علیہ السلام کے بعض حصّوں[1] کا موازنہ ملاحظہ فرمائیے۔

(وباللہ التوفیق)

واقعۂ یوسف علیہ السلام میں بنیادی کردار وہ خواب ہے جو آپ علیہ السلام نے اپنے بچپنے میں دیکھا۔ موجودہ بائیبل میں اُس خواب کا تذکرہ کچھ یوں درج ہے:

بائیبل "پھر اُس نے دوسرا خواب دیکھا اور اپنے بھائیوں کو بتایا۔ اُس نے کہا: دیکھو مجھے ایک اور خواب دکھائی دیا ہے کہ سورج اور چاند اور گیارہ ستاروں نے مجھے سجدہ کیا ۝ اور اس نے اُسے اپنے باپ اور بھائیوں دونوں کو بتایا۔ تب اُس کے باپ نے اُسے ڈانٹا اور کہا کہ یہ خواب کیا ہے جو تو نے دیکھا ہے؟ کیا میں اور تیری ماں اور تیرے بھائی سچ مچ تیرے آگے زمین پر جھک کر تجھے سجدہ کریں گے؟ ۝" (پیدائش ۳۷: ۹ — ۱۰)

بائیبل کے بیان سے یہ تاثر ملتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے خواب کو اپنی اور اپنی زوجہ اور اپنے بیٹوں کی توہین پر محمول کیا، اسی لیے انکار کے انداز میں ڈانٹ کر کہا کہ یہ کیا خواب ہے جو تو نے دیکھا ہے؟ کیا واقعی ہم سب تیرے آگے زمین پر

---

[1] حضرت یوسف علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ سورۃ یوسف یا اس سورۃ کی کسی بھی معتبر تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں ۱۲

جھک کر تجھے سجدہ کریں گے؟ یعنی یہ ناممکن ہے اور لغو ہے، حالانکہ خود بائیبل گواہ ہے کہ فی الواقع ایسے ہی ہوا۔ ملاحظہ ہو (پیدائش ۲۴۲، ۶)

اسی خواب کا تذکرہ قرآن مجید نے بھی فرمایا، مگر اس انداز سے،

قرآن مجید ترجمہ: (اُس وقت کو یاد کیجئے کہ) جب یوسف (علیہ السلام) نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے ابا جان! میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں کو دیکھا اور سورج اور چاند کو دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں (تو ان کے باپ نے) فرمایا کہ اے میرے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے ہرگز بیان نہ کرنا ورنہ وہ (حسد کی وجہ سے) تیرے لیے کوئی سازش تیار کریں گے (اس لیے کہ) بے شک شیطان انسان کا صریح دشمن ہے اور اسی طرح (یعنی یہ خواب دلالت کرتا ہے کہ) تیرا پروردگار تجھے برگزیدہ فرمائے گا اور تجھے باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا اور تجھ پر اور یعقوب (علیہ السلام) کے (دوسرے) گھر والوں پر اپنی نعمتیں پوری فرمائے گا جس طرح کہ اُس نے اس سے قبل تیرے دادا ابراہیم و اسحٰق (علیہما السلام) پر (اپنی نعمتیں) پوری فرمائیں۔" (سورۂ یوسف، آیات ۴ تا ۶)

اللہ اکبر! قرآن پاک کا اسلوبِ بیان کس قدر نرالا اور بے مثل ہے۔ یہ تو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ اگر آپ عربی دان ہیں، تو متنِ قرآنی میں اصل الفاظ ملاحظہ فرمائیے، آپ کو ان الفاظ میں فصاحت و بلاغت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آئے گا۔

بائیبل کے برعکس قرآن پاک نے ثابت کیا کہ خواب سُن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نہ تو ناراض ہوئے اور نہ اپنے لختِ جگر کو ڈانٹا، بلکہ بڑے ملائم انداز میں سمجھایا کہ اس خواب کو بھائیوں سے پوشیدہ رکھنا کہ کہیں شیطان اُن کے دل میں حسد کی آگ نہ بھڑکا دے اور ساتھ ساتھ خوش خبری بھی سنائی کہ میرے بیٹے! تیرا یہ خواب تیرے بلندیٔ مرتبہ و مقام کی دلیل ہے۔ سو وہی کچھ ہوا کہ جس کی حضرت یعقوب علیہ السلام پیشین گوئی فرما چکے تھے۔

بائیبل اس خواب کے بعد بائیبل نے جو واقعہ بیان کیا ہے، وہ مختصر ترین الفاظ میں یُوں درج ہے: ایک دن برادرانِ یوسف بکریاں چراتے ہوئے دور نکل گئے۔ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی خواہش اور حکم پر حضرت یوسف (علیہ السلام) اپنے بھائیوں کی تلاش میں نکلے، بھائیوں سے ملے، تو انہوں نے ان کو پکڑ کر ایک گھڑے میں ڈال دیا۔ اتنے میں ایک قافلے کا ادھر سے گزر ہوا۔ بعض بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو گھڑے سے نکالا اور اہل قافلہ کے ہاتھ بیس روپے میں فروخت کر دیا۔ پھر سب بھائیوں نے متفقہ طور پر بکرا ذبح کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبا کو ایک بکرے کے خون سے آلودہ کر لیا اور گھر آکر حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ دیکھو یہ کس کی قبا ہے؟ آگے بائیبل کے الفاظ ہیں:

"اور اُس نے اسے پہچان لیا اور کہا یہ تو میرے بیٹے کی قبا ہے، کوئی بُرا درندہ اُسے کھا گیا۔ یوسف بے شک پھاڑا گیا ہے۔ تب یعقوب نے اپنا پیراہن چاک کیا اور ٹاٹ اپنی کمر سے لپیٹا اور بہت دنوں تک اپنے بیٹے کے لیے ماتم کرتا رہا ہے اور اُس کے سب بیٹے بیٹیاں اُسے تسلی دینے جاتے تھے، پر اُسے تسلی نہ ہوتی تھی۔ وہ یہی کہتا رہا کہ میں تو ماتم کرتا ہوا قبر میں اپنے بیٹے سے جا ملوں گا۔ سو اُس کا باپ اُس کے لیے روتا رہا ہے" (پیدائش ۳۷: ۳۴ تا ۳۵)

بائیبل کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ

(۱) یوسف علیہ السلام کو خود یعقوب علیہ السلام نے حکماً بھائیوں کے پیچھے روانہ کیا تھا، حالانکہ بھائی اپنے ساتھ نہ لے گئے تھے۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بھائی خود ساتھ لے کر نہیں گئے تھے اور یعقوب علیہ السلام کو بھی علم نہیں تھا کہ یوسف علیہ السلام بھائیوں تک پہنچا بھی ہے کہ نہیں، تو خواہ مخواہ برادرانِ یوسف نے آپ کی قمیص کو بکرے کے خون سے آلودہ کر کے اپنے باپ کے سامنے کیوں پیش کیا؟ باپ کے سوال کرنے پر کیوں نہ کہہ دیا کہ ابا جان وہ کونسا ہمارے ساتھ گیا تھا جو اُس کا ہمیں علم ہو، وہ تو آپ کے پاس تھا۔ انہیں اتنا لمبا چوڑا پلان بنانے کی کیا ضرورت تھی؟

(۲) برادرانِ یوسف جب یوسف علیہ السلام کی قبا خون آلود کر کے باپ کے سامنے لے گئے تو باپ نے کہا کہ "اسے کوئی بُرا درندہ کھا گیا ہے۔ بے شک یوسف پھاڑا گیا ہے۔" حالانکہ یہ جھوٹ تھا، بے سوچے سمجھے اللہ تعالیٰ کا نبی کوئی بات کیسے کہہ سکتا ہے، جبکہ توراۃ سے قطعاً یہ ثابت نہیں کہ یوسف علیہ السلام کی قبا کہیں سے بھی پھٹی ہوئی تھی۔ خون آلود سالم قبا کو دیکھ کر کوئی بھی شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ محض اور محض فراڈ ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ بھیڑیا انسان کو تو کھا جائے، مگر اُس کے پہنے ہوئے کپڑوں پر خراش تک نہ آئے۔

(۳) "یعقوب علیہ السلام نے اپنا پیرہن چاک کیا اور اپنی کمر سے ٹاٹ لپیٹ کر کئی روز تک ماتم کرتے رہے۔" حالانکہ یہ بات انبیاء کرام علیہم السلام کے قطعاً شایانِ شان نہیں۔ اُن کی طرف صبر کے سانحہ ہونے کی نسبت تو کی جاتی ہے اور یہ حقیقت واقعی بھی ہے لیکن بے صبری کا ماتم ایسی برگزیدہ ہستیوں سے ناممکن ہے۔

قرآن مجید اب آپ قرآن پاک کے بیان کردہ واقعہ کو پڑھیں اور کسی بھی رُخ سے دیکھیں بفضلہٖ تعالیٰ اسے حق و صداقت کا چمکتا ہوا آفتاب پائیں گے۔

قرآن پاک نے بتایا کہ یوسف علیہ السلام کو خود اُن کے بھائی شدید اصرار کر کے اور ذمہ داری اٹھا کر ساتھ لے گئے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بھائیوں کے ساتھ بھیجنے پر قطعاً راضی نہ تھے، بلکہ آپ نے اپنے دل کی بات دکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اسے کوئی بھیڑیا وغیرہ نہ کھا جائے یعنی کوئی نقصان نہ پہنچے) اپنے بیٹوں کے سامنے بیان کر دی تھی (تفصیل کے لیئے دیکھیں سورۃ یوسف، آیات ۱۰ تا ۱۴) چنانچہ برادرانِ یوسف آپ کو اپنے ساتھ لے گئے اور ایک اندھے یعنی اندھیرے اور گہرے کنوئیں میں ڈال دیا۔ اب آگے آیاتِ قرآنی کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

"اور وہ (سب بھائی) رات کو گریہ وزاری کرتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے

اور کہنے لگے کہ اے ہمارے باپ: ہم تو آپس میں دوڑ لگاتے ہوئے آگے نکل گئے اور یوسف کو اپنے مال و متاع کے پاس چھوڑ گئے اور (ہماری عدم موجودگی میں) اُس کو بھیڑیئے نے کھالیا اور آپ ہمارے کہنے کا ہرگز یقین نہ کریں گے، اگرچہ ہم بالکل سچے ہی ہوں اور وہ (برادران یوسف) آپ کے کرتہ پر جھوٹا خون لگا لائے (یعقوب علیہ السلام نے کرتا دیکھ کر فرمایا، بلکہ تم نے (جھوٹ بولا اور) اپنے دل سے ایک بات بنائی ہے۔ اب تو صبر ہی کروں گا اور تمہاری ان باتوں پر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا ہوں۔" (سورۃ یوسف، آیات ۱۶ تا ۱۸)

اب خود اندازہ فرمائیے کہ حق یہ ہے جو قرآن نے بیان فرمایا ہے یا وہ ہے جو آپ تورات کے حوالے سے پڑھ چکے ہیں۔ اس کے بعد اُس الزام کی طرف آئیے کہ جو عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام پر لگایا تھا۔

اختصاراً یہ واقعہ یوں ہے کہ عزیزِ مصر کی بیوی حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف ہر ممکن مائل کرتی اور دعوتِ گناہ دیتی رہی، مگر حضرت یوسف علیہ السلام اس کی بات نہ مانتے تھے۔ ایک دن جبکہ گھر میں کوئی نہ تھا، تو عزیزِ مصر کی بیوی نے جو کیا وہ تورات میں یُوں ہے:

بائیبل

"تب اُس عورت نے اُس کا پیراہن پکڑ کر کہا کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو۔ وہ اپنا پیراہن چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا۔ جب اُس نے دیکھا کہ وہ اپنا پیراہن اُس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ گیا ہے تو اُس نے اپنے گھر کے آدمیوں کو بُلا کر اُن سے کہا کہ دیکھو، وہ ایک عبری کو ہم سے مذاق کرنے کے لیے ہمارے پاس لے آیا ہے۔ یہ مجھ سے ہم بستر ہونے کو اندر گھس آیا اور میں بُلند آواز سے چلانے لگی ہے جب اُس نے دیکھا کہ میں زور زور سے چلا رہی ہوں، تو اپنا پیراہن میرے پاس چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا ہے اور وہ اُس کا پیراہن اُس کے آقا کے گھر لوٹنے تک اپنے پاس رکھے رہی ہے تب اُس نے یہ باتیں اُس سے کہیں کہ یہ عبری غلام جو تو لایا ہے، میرے پاس اندر گھس آیا کہ مجھ سے مذاق کرے ہے جب میں زور زور سے چلانے لگی، تو وہ اپنا پیراہن میرے ہی پاس چھوڑ کر باہر بھاگ

گیا، جب اُس کے آقا نے اپنی بیوی کی وہ باتیں جو اُس نے اُس سے کہیں سُن لیں کہ تیرے غلام نے مجھ سے ایسا ایسا کیا، تو اُس کا غضب بھڑکا۔ اور یوسف کے آقا نے اُس کو لے کر قید خانہ میں جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے، ڈال دیا، سو وہ وہاں قید خانہ میں رہا۔" (پیدائش ۳۹: ۲ تا ۲۰)

بائیبل کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ عزیزِ مصر اور اُس کے دوسرے اہلِ خانہ (سوائے اُس کی بیوی کے) حضرت یوسف علیہ السلام کو مجرم خیال کرتے تھے اور نہ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اوپر سے الزام دفع کرنے کی کوشش کی اور نہ ہی کسی دوسرے نے کوئی زیادہ تحقیق کی، لیکن یہی واقعہ قرآن پاک یُوں بیان فرماتا ہے:

قرآن مجید

ترجمہ: "اور وہ (یوسف علیہ السلام) جس عورت کے گھر میں تھے، وہ اُن کو برانگیختہ کرنے لگی تاکہ وہ بے قابو ہو کر اس کی بات مان جائیں اور اُس نے (ایک دن) سب دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی، لو آؤ میں تمہیں سے کہتی ہوں (یوسف علیہ السلام نے) فرمایا، اللہ تعالیٰ کی پناہ (یہ کبھی نہیں ہو سکتا) وہ میرا آقا (یعنی تیرا شوہر) میری پرورش کرنے والا ہے۔ اُس نے مجھے عزت کے ساتھ رکھا ہے۔ بیشک ظالموں کا بھلا نہیں ہوتا اور بے شک اُس عورت نے اُس کا ارادہ کیا اگر وہ (یوسف علیہ السلام) اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے، تو وہ بھی ارادہ کرتے۔ ہم نے یوں ہی انہیں ہشیار رکھا، تاکہ بُرائی اور بے حیائی کی باتیں اُن سے دُور رکھیں۔ بے شک وہ ہمارے چُنے ہوئے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں اور وہ دونوں دروازہ کی طرف دوڑ پڑے۔ اُس عورت نے (پکڑنے کی کوشش میں) یوسف علیہ السلام کا کرتا پیچھے سے پھاڑ دیا۔ معاً انہوں نے دیکھا کہ عورت کا خاوند دروازے کے پاس (کھڑا) ہے۔ تب اُس عورت نے (فوراً) کہا (میرے سرتاج بتائیے) کیا سزا ہے اُس کی جو تیری بیوی سے بُرائی کا ارادہ کرے؟ سوائے اس کے کہ اُسے قید کر دیا جائے یا دردناک عذاب دیا جائے (جواباً) آپ نے فرمایا یہ غلط ہے، بلکہ اس نے مجھے ورغلانا چاہا تاکہ مجھ سے مطلب براری کرے۔ تو اُس عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی (یعنی فیصلہ کیا) کہ اگر یوسف

(علیہ السلام) کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے، تو عورت سچی ہے اور وہ جھوٹوں میں سے ہے اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو عورت جھوٹی ہے اور وہ سچوں میں سے۔ پس جب عزیزِ مصر نے قمیصِ یوسف کو دیکھا کہ وہ پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو بول اٹھا کہ یہ سب تم عورتوں کا مکر و فریب ہے۔ بے شک تمہارا مکر و فریب بہت ہی بڑا ہے (اور اے) یوسف (پاکدامن) تم درگزر کرو اور اے عورت! تو اپنی غلطی کی معافی مانگ۔ بے شک تو ہی قصورواروں سے ہے۔"

(سورۃ یوسف۔ آیات ۲۳ تا ۲۹)

قرآن پاک نے ثابت فرما دیا کہ عزیزِ مصر اور دیگر اہل خانہ کے سامنے یوسف علیہ السلام کی بے مثل پاک دامنی کا اظہار ہو گیا تھا اور عزیزِ مصر نے جرم کی پاداش میں نہیں، بلکہ خفت مٹانے کے لیے آپ علیہ السلام کو جیل میں بھیجا تھا۔

اور پھر جب فرعونِ مصر نے ایک دہشت ناک خواب دیکھا اور اُس کی تعبیر بتانے سے اُس کے سب کاہن و دانشور عاجز آ گئے، تو لاچار اُس نے یوسف علیہ السلام کو جیل خانہ سے باہر لانے کا حکم دیا، تو اُس وقت آپ نے جس استغناء اور غیرت کا مظاہرہ فرمایا، توراۃ میں اُس کا اشارہ تک نہیں، بلکہ توراۃ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت آپ کی حیثیت معاذاللہ ایک بال بڑھے ہوئے غریب اور بھوکے قیدی کی سی تھی اور وہ اشارہ ملتے ہی جیل سے باہر آ گئے۔ ملاحظہ ہو بائیبل:

بائیبل "تب فرعون نے یوسف کو بلوا بھیجا، سو انہوں نے جلد اسے قید خانہ سے باہر نکالا اور اُس نے حجامت بنوائی اور کپڑے بدل کر فرعون کے سامنے آیا۔" (پیدائش ۴۱: ۱۴)

قرآن مجید (حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ میں ہی فرعونِ مصر کے خواب کی تعبیر اور اُس کا حکیمانہ حل بھی بیان فرما دیا تھا، جیسے سُن کر)

ترجمہ: "بادشاہ نے کہا اُسے (یوسف کو فوراً) میرے پاس لے آؤ۔ پس جب (فرعون کا)

قاصد حضرت یوسف کے پاس (جیل میں) آیا، تو آپ نے فرمایا واپس لوٹ جاؤ، اپنے بادشاہ کے پاس اور اس سے پوچھو کہ اُن عورتوں کا معاملہ کیا تھا کہ جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ بے شک میرا پروردگار ان کی مکاریوں سے خوب واقف ہے (یعنی پہلے مجھ پر لگے الزام کی تحقیق کرو) بادشاہ نے (ان عورتوں کو بُلا کر) پوچھا، تمہیں کیا معاملہ پیش آیا تھا۔ جب تم نے یوسف (علیہ السلام) کو اپنی مطلب براری کے لیے بہلایا تھا۔ وہ (بیک زبان) بولیں، حاشا للہ! (یعنی خدا تعالیٰ کی قسم) ہم نے اس (یوسف علیہ السلام) میں ذرا بھی بُرائی نہیں پائی۔ (یہ سُن کر) عزیز کی بیوی (بے اختیار) بول اٹھی، اب جبکہ اصل بات کھل گئی ہے (صحیح یہ ہے کہ) میں نے ہی ان کا دل لبھانا چاہا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ یوسف بالکل سچے ہیں (تب یوسف علیہ السلام نے فرمایا) یہ سب (میں نے) اس لیے کیا تاکہ اس کا خاوند (عزیزِ مصر) جان لے کہ میں نے اُس کی عدم موجودگی میں (اُس کے معاملہ میں) خیانت نہیں کی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں (دغابازوں) کے مکروفریب کو کامیاب نہیں ہونے دیتا (پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے کمال خشوع وخضوع سے فرمایا) یہ میں کوئی اپنے نفس کی برأت کا دعویٰ نہیں کرتا (یعنی اس عصمت کو اپنی ذاتی کوشش قرار نہیں دیتا کیونکہ) نفس تو برائی کی طرف برانگیختہ کرتا ہی ہے، مگر وہ (تو بچا ہی رہتا ہے) کہ جس پر میرا پروردگار رحم فرما دے۔ بے شک میرا پروردگار بڑا ہی غفور رحیم ہے۔" (سورۃ یوسف۔ آیات ۵۰ تا ۵۳)

سُبحان اللہ تعالیٰ! قرآن پاک میں یہ واقعہ پڑھیے، تو ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مقامِ نبوت و رسالت کی جن رفعتوں اور عظمتوں کا پتہ قرآن حکیم کے بیان سے چلتا ہے۔ ان کا تورات میں نام و نشان تک نہیں۔ بائیبل نے اس کے بعد والا واقعہ جو بیان کیا، وہ بھی منصبِ رسالت کے شایانِ شان نہیں، اس میں کئی جگہ کمی بیشی کی گئی ہے، مثلاً جب برادرانِ یوسف غلہ لینے کے لیے دربارِ یوسفی میں پہنچے تو آپ نے انہیں پہچاننے کے باوجود فرمایا: "تم جاسوس ہو" بھائیوں نے اپنی صفائی پیش کی تب بھی یہی کہا کہ "میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ تم

جاسوس ہو۔" پھر کہا "فرعون کی حیات کی قسم تم یہاں سے جانے نہ پاؤ گے۔ جب تک تمہارا سب سے چھوٹا بھائی یہاں نہ آجائے۔ سو اپنے میں سے کسی ایک کو بھیجو کہ وہ تمہارے بھائی کو لے آئے اور تم قید رہو تاکہ تمہاری باتوں کی تصدیق ہو کہ تم سچے ہو یا نہیں، ورنہ فرعون کی حیات کی قسم تم ضرور ہی جاسوس ہو۔" پھر یوسف علیہ السلام نے اپنی قسموں کی خود ہی مخالفت کی اور سوائے ایک کے سب بھائیوں کو رہا کر دیا۔ (ملاحظہ ہو پیدائش باب ۴۲ آیات ۸ تا ۲۵)

غور فرمائیے کیا یہ باتیں نبی کے شایانِ شان ہیں کہ وہ جھوٹی قسمیں اٹھائے گا؟ اور بے گناہ پر جاسوسی کا بدترین الزام قسم اٹھا کر لگائے گا؟[1] اور پھر خدائے لم یزل کی بجائے بات بات پر فرعون کی زندگی کی قسم کھائے گا؟ پھر آپ بائیبل میں اس پورے واقعہ کو پڑھیے، آپ کو یہ تاثر ملے گا کہ یوسف علیہ السلام نے جو کچھ کیا صرف اور صرف فرعون کی رضا کے لیے کیا۔ آپ علیہ السلام نے اپنے آپ کو، اپنے باپ کو، اپنے بھائیوں کو، سب کو فرعون کا غلام قرار دیا۔ سب لوگوں کو (خدا کے نہیں) فرعون کے نام پر خرید لیا۔ اُن کی زمینیں بھی فرعون کے نام پر خرید لیں، لیکن اُن کی زمینیں نہ خریدیں کہ جو فرعون کے پجاری تھے۔ (ملاحظہ ہو پیدائش باب ۴۷) یقیناً یہ سب باتیں منصبِ نبوت کے منافی ہیں اور ان میں تنقیصِ رسالت عیاں ہے۔ بائیبل کے برعکس

---

[1] یہاں اگر کسی شخص کے ذہن میں یہ اعتراض پیدا ہو کہ قرآن پاک سے بھی ثابت ہے کہ برادرانِ یوسف پر چوری کا الزام لگایا گیا تھا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کی طرف سے نام بنام چوری کا الزام لگانا تو توراۃ سے ثابت ہے نہ کہ قرآن پاک سے۔ قرآن پاک کے الفاظ تو یہ ہیں: ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ○ (پ ۱۳) یعنی "پھر ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ اے اہلِ قافلہ بلاشبہ تم چور ہو۔" فرمائیے اس میں یوسف علیہ السلام کا نام یا ان کی طرف اشارہ کہاں ہے؟ عین ممکن ہے کہ پکارنے والا کوئی ایسا خادم ہو، جسے اس واقعہ کا سرے سے علم ہی نہ ہو۔ اس کے باوجود یہ جھوٹ بھی نہیں ہے، کیونکہ اس سے بڑھ کر اور چوری کیا ہو سکتی ہے کہ باپ سے چوری اُس کے بیٹے کو فروخت کر کے رقم بانٹ لی جائے۔ اس لیے قرآن کریم پر قطعاً اعتراض نہیں ہو سکتا۔

آپ قرآن پاک میں اس واقعہ کا مطالعہ فرمائیے، آپ کو ہر ہر آیت عصمتِ انبیاء کی محافظ نظر آئے گی۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

محترم قارئین! ہم نے یہاں صرف دو واقعات کا سرسری سا جائزہ لے کر موازنہ پیش کیا ہے۔ ان میں پہلا واقعہ تو تمام انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا تھا۔ اور دوسرا واقعہ بنی اسرائیل (یہود و نصاریٰ) کے جدِ امجد حضرت یعقوب علیہ السلام اور اُن کے بیٹوں کا تھا کہ جن کی اولاد یہ تمام بنی اسرائیل ہیں۔ انہیں واقعات سے آپ اس گلستانِ بائیبل کی بہار کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اب ہم اپنے اس دعویٰ کہ "امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی فی الحقیقت محافظ عصمتِ انبیاء ہیں۔" کی مزید تصدیق میں بائیبل کے حوالہ سے انبیاء کرام علیہم السلام پر لگائے جانے والے ان قبیح اور گھناؤنے الزامات نقل کریں گے کہ اگر آپ ان کو **"مغلظاتِ بائیبل"** کا نام بھی دے دیں، تو بالکل درست ہوگا۔ اس سے آپ کو یہ بھی اندازہ ہوگا کہ بعثتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے قبل انبیاء علیہم السلام کو ماننے کا دعویٰ کرنے والے یہود و نصاریٰ نے انبیاء کو کس حیثیت سے دُنیا والوں کے سامنے پیش کیا تھا۔

نوح علیہ السلام اور بائیبل

توراۃ میں ہے "اور نوح کاشتکاری کرنے لگا اور اُس نے ایک انگور کا باغ لگایا۔

اور اُس نے اُس کی مے پی اور اُسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہوگیا ۞ اور کنعان کے باپ حام نے اپنے باپ کو برہنہ دیکھا اور اپنے دونوں بھائیوں کو باہر آکر خبر دی ۞ تب سم اور یافت نے ایک کپڑا لیا اور اُسے اپنے کندھوں پر دھرا اور پیچھے کو اُلٹے چل کر گئے اور اپنے باپ کی برہنگی ڈھانکی۔ سو اُن کے منہ اُلٹی طرف تھے اور انہوں نے اپنے باپ کی برہنگی نہ دیکھی ۞ جب نوح اپنی مے کے نشہ سے ہوش میں آیا تو جو اُس کے چھوٹے بیٹے نے اُس کے ساتھ کیا تھا، اُسے معلوم ہوا ۞ اور اُس نے کہا کہ کنعان ملعون ہو۔ وہ اپنے

بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا۔ پھر کہا خداوند سَم کا خدا مبارک ہو اور کنعان سَم کا غلام ہو۔ خدا یافت کو پھیلائے کہ وہ سَم کے ڈیروں میں بسے اور کنعان اُس کا غلام ہو۔"
(پیدائش ۹: ۲۰ تا ۲۷)

معاذ اللہ ثم معاذ اللہ تعالیٰ کہاں نبوّت کا ارفع و اعلیٰ مقام اور کہاں یہ گری ہوئی حرکت۔ اس بات کی تو کسی عام عقلمند آدمی سے بھی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ شراب خانہ خراب کے نشہ میں دُھت ہو کر تمام کپڑے جسم سے اتار پھینکے اور مادر زاد برہنہ ہو کر دما دم مست قلندر کے نعرے لگاتا پھرے اور وہ بھی اپنے ڈیرے میں، جہاں عین ممکن ہے کہ بہو بیٹیاں بھی موجود ہوں۔ چہ جائیکہ ایک برگزیدہ نبی کی طرف ایسی بات کی نسبت کی جائے اور اس پر طرّہ یہ کہ جس بیچارے نے والد کی اس حالت کو دیکھ کر اپنے بھائیوں کو اطلاع دی کہ کم از کم برہنگی تو ڈھانپ دی جائے، اُسے بددعا سے نواز دیا جائے۔ پھر دیکھیے کہ بددعا بھائیوں کو اطلاع دینے والے حام کو نہیں دی، بلکہ اُس کے بیٹے کنعان کو ملعون قرار دے دیا، بتائیے کنعان کا اس واقعہ میں کیا کردار تھا؟ وہی بات "کرے کوئی اور بھرے کوئی۔"

حضرت نوح علیہ السلام اور قرآن مجید

قرآن پاک میں نوح علیہ السلام کا ذکرِ مبارک بہت سی جگہوں پر موجود ہے۔ سورۃ ۱۱، آیات ۲۵ تا ۴۸ میں آپ کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ قرآن پاک میں آپ کے اسمِ گرامی سے موسوم ایک پوری سورۃ مبارکہ بھی ہے۔ ہم اس جگہ سورۃ ۳۷ سے چند آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ نقل کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

"اور بے شک ہمیں نوح (علیہ السلام) نے پکارا (مدد کے لیے) تو ہم کیا ہی اچھے قبول فرمانے والے ہیں (فریاد رس) ہیں اور ہم نے اُن کو اور اُن کے گھر والوں کو بڑی تکلیف سے نجات دی اور ہم نے اُن کی نسل کو باقی رکھا اور ہم نے آئندہ آنے والوں میں ان کی تعریف کو باقی رکھا۔ نوح (علیہ السلام) پر سلام ہو، تمام جہانوں میں بے شک ہم نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے

ہیں ـــــــ بے شک وہ ہمارے (اعلیٰ درجہ کے) کامل الایمان بندوں میں سے ہیں۔ پھر ہم نے دوسروں (یعنی آپ کے نافرمانوں) کو غرق کردیا۔" (سورۃ الصّٰفّٰت، آیات ۷۵ تا ۸۲)

دیکھیے قرآن پاک اُن کی کس انداز میں تعریف فرما رہا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اور بائیبل

حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ آپ گزشتہ صفحات میں بھی پڑھ چکے ہوں گے، اب آپ کے خاندان کی طرف منسوب متعلقات بھی ملاحظہ کیجیے:

(یعقوب علیہ السلام فدان ارام سے چل کر کنعان کے ایک شہر سکم کے قریب پہنچے تو) اور لیاہ کی بیٹی دینہ جو یعقوب سے اُس کے پیدا ہوئی تھی، اُس ملک کی لڑکیوں کو دیکھنے کے لیے باہر گئی۔ تب اُس ملک کے امیر حوی حمور کے بیٹے سکم نے اُسے دیکھا اور اسے لے جاکر اُس کے ساتھ مباشرت کی اور اُسے ذلیل کیا اور اُس کا دل یعقوب کی بیٹی دینہ سے لگ گیا اور اُس نے اُس لڑکی سے عشق میں میٹھی میٹھی باتیں کیں۔ اور سکم نے اپنے باپ حمور سے کہا کہ اِس لڑکی کو میرے لیے بیاہ لا دے۔ اور یعقوب کو معلوم ہوا کہ اُس نے اس کی بیٹی دینہ کو بے حرمت کیا ہے۔ پر اُس کے بیٹے چوپایوں کے ساتھ جنگل میں تھے۔ سو یعقوب اُن کے آنے تک چپکا رہا۔" (پیدائش ۳۴، ۱ تا ۵)

معاذ اللہ تعالیٰ! اتنا بڑا حادثہ ہو جائے اور باپ چپکا بیٹھا رہے اور زبان پر حرف تک نہ لائے، بلکہ اپنے بیٹوں کے آنے کا منتظر رہے؛ پھر جب بیٹے آگئے تو کیا ہوا؛ آپ کو تورات میں بالکل نہ ملے گا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس معاملہ میں اپنی زبان تک جنبش دی ہو۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ آپ کے بیٹے غصّہ میں آئے، لیکن جب سکم کے باپ نے ان کو اپنے ملک کی لڑکیوں سے شادی اور ان کی بہن دینہ کو ان کی حسب خواہش مہر اور جہیز کا لالچ دیا تو یہ بھی ٹھنڈے ہو گئے اور حمور کو دھوکہ دینے کے لیے یہ شرط پیش کی کہ چونکہ تمہارے ملک میں کسی کا

ختنہ نہیں ہوا اور ہم نامختونوں کو اپنی بہن نہیں دیں گے۔ اگر تم ہماری لڑکی سے شادی کے خواہشمند ہو تو تم بھی اور باقی شہر والے بھی ہماری طرح ختنہ کروالو۔ اس بات کو حمور اور اس کے بیٹے سکم نے بخوشی قبول کرلیا۔ جب اس واقعہ پر دو دن گزر گئے تو آگے توراۃ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے:

"اور تیسرے دن جب وہ درد میں مبتلا تھے، تو یوں ہوا کہ یعقوبؑ کے بیٹوں میں سے دینہ کے دو بھائی شمعون اور لاوی اپنی اپنی تلواریں لے کر ناگہاں شہر پر آپڑے اور سب مردوں کو قتل کیا ۲۵ اور حمور اور اس کے بیٹے سکم کو بھی تلوار سے قتل کرڈالا اور سکم کے گھر سے دینہ کو نکال لے گئے ۲۶ اور یعقوب کے بیٹے مقتولوں پر آئے اور شہر کو لوٹا، اس لیے کہ انہوں نے اُن کی بہن کو بے حرمت کیا تھا ۲۷ انہوں نے ان کی بھیڑ بکریاں اور گائے بیل اور گدھے اور جو کچھ شہر اور کھیت میں تھا لے لیا ۲۸ اور اُن کی سب دولت لوٹی اور ان کے بچوں اور بیویوں کو اسیر کرلیا اور جو کچھ گھر میں تھا، سب لُوٹ کھسوٹ کر لے گئے ۲۹ تب یعقوب نے شمعون اور لاوی سے کہا تم نے مجھے کڑھایا، کیونکہ تم نے مجھے اس ملک کے باشندوں یعنی کنعانیوں اور فرزّیوں میں نفرت انگیز بنادیا، کیونکہ میرے ساتھ تو تھوڑے ہی آدمی ہیں، سو وہ مل کر میرے مقابلہ کو آئیں گے اور مجھے قتل کردیں گے اور میں اپنے گھرانے سمیت برباد ہوجاؤں گا ۳۰ انہوں نے کہا تو کیا اسے مناسب تھا کہ وہ ہماری بہن کے ساتھ کسبی کی طرح برتاؤ کرتا ۳۱ (پیدائش ۳۴، ۲۵ تا ۳۱)

اس واقعہ شنیعہ سے چند ایک باتیں ثابت ہوئیں:

(۱) یعقوب علیہ السلام کی بیٹی دینہ کم از کم تین دن بغیر نکاح کے حمور کے بیٹے سکم کے ہاں رہی، حالانکہ یہ بھی علم تھا کہ وہ دینہ کی عزت لوٹتا ہے اور دینہ نے بھی کسی ردِّ عمل کا اظہار نہیں کیا۔

(۲) یعقوب علیہ السلام نے دینہ کو آزاد کروانے میں قطعاً دلچسپی نہ لی۔

(۳) دینہ کے بھائیوں شمعون اور لاوی نے شہر پر حملہ کر کے بہت سے بے گناہ لوگوں کو قتل کیا اور ان کی بیوی بچوں اور مال و اسباب کو لوٹ لیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام ان کے اس فعلِ شنیع پر قطعاً ناراض نہ ہوئے بلکہ اظہارِ ناراضگی اس بنا پر فرمایا کہ یہاں کے باشندے میرے دشمن بن جائیں گے اور مجھے قتل کر ڈالیں گے لیکن نہ تو اُن لوٹی ہوئی عورتوں یا بچوں کو آزاد کیا اور نہ ہی ان کا مال و دولت اُن کو دیا اور نہ ہی دینہ کو کسی قسم کی سرزنش فرمائی۔

یہ تمام کی تمام باتیں ایک ارفع و اعلیٰ مرتبہ رکھنے والے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی کے ہرگز ہرگز شایانِ شان نہیں۔

ایک اور حملہ بائیبل نے اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ نبی کی عصمت پر ایک اور حملہ کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے روبن کے متعلق توراۃ نے بیان کیا:

"اور اسرائیل آگے بڑھا اور عدر کے برج کی پرلی طرف اپنا ڈیرہ لگالیا۔ اور اسرائیل کے اس ملک میں رہتے ہوئے یوں ہوا کہ روبن نے جا کر اپنے باپ کی حرم بلہاہ سے مباشرت کی اور اسرائیل کو یہ معلوم ہو گیا۔" (پیدائش ۳۵: ۲۱-۲۲)

معاذ اللہ تعالیٰ ثم معاذ اللہ گویا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کے بیٹے نے اپنی ماں سے بدکاری کی اور اللہ کا نبی خاموش تماشائی بنا رہا نہ تو اپنی بیوی کو ڈانٹا اور نہ اپنے بیٹے کو کوئی سزا دی بلکہ پوری زندگی اس واقعہ کا ذکر تک نہ کیا، البتہ مرنے سے قبل صرف یہ کہا:

"اے اسرائیل کے بیٹو! جمع ہو کر سنو اور اپنے باپ اسرائیل کی طرف کان لگاؤ۔ اے روبن! تو میرا پہلوٹھا، میری قوت اور میری شہ زوری کا پہلا پھل ہے تو میرے رعب کی اور میری طاقت کی شان ہے۔ تو پانی کی طرح بے ثبات ہے، اس لیے تجھے فضیلت نہیں ملے گی، کیونکہ تو اپنے باپ کے بستر پر چڑھا۔ ہے تو نے اسے نجس کیا۔ روبن میرے بچھونے پر چڑھ گیا۔" (پیدائش ۴۹: ۲ تا ۴)

دوسرا بیٹا: بائیبل نے یہیں پر بس نہیں کیا، بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دوسرے

بیٹے یہوداہ کے متعلق تحریر کیا، ذکر یہوداہ نے اپنے بیٹے عیر کی شادی تمر نامی ایک عورت سے کر دی۔ عیر شریر تھا، اس لیے خدا نے اسے ہلاک کر دیا۔ یہوداہ نے اپنے دوسرے بیٹے کو ترغیب دی کہ اپنے بھائی کی بیوی سے ہم بستری کر تاکہ تیرے بھائی کی نسل چلے اور یہ حق دیور[1] کا ہے اور یہوداہ کا بیٹا اونان اپنی بھابھی کے پاس جاتا تو تھا، مگر اپنا نطفہ زمین پر گرا دیتا تھا کہ بھائی کے نام سے نسل نہ چلے۔ اس قصور کی وجہ سے خدا نے اسے بھی ہلاک کر دیا۔ تب یہوداہ نے اپنی بہو تمر سے کہا کہ وہ اپنے والد کے گھر چلی جائے، یہاں تک کہ یہوداہ کا بیٹا سیلہ بالغ ہو جائے۔ تمر اپنے والد کے گھر چلی گئی۔ جب سیلہ بالغ ہو گیا اور تمر کی شادی اس سے نہ کی گئی، تو اسی دوران یہوداہ تمنت[2] کو تیار ہوا، تمر کو علم ہوا، تو وہ تمنت کے راستہ میں برقعہ اوڑھ کر جا بیٹھی۔ آگے بائبل کی زبانی سنیے:

"یہوداہ اُسے دیکھ کر سمجھا کہ کوئی کسبی ہے، کیونکہ اُس نے اپنا منہ ڈھانپ رکھا تھا ○ سو وہ راستہ میں اس کی طرف کو پھرا اور اُس سے کہنے لگا کہ ذرا مجھے اپنے ساتھ مباشرت کر لینے دے۔ کیونکہ اُسے معلوم نہیں تھا کہ وہ اُس کی بہو ہے ○ اُس نے کہا کہ تو مجھے کیا دے گا تاکہ میرے ساتھ مباشرت کرے؟ ○ اس نے کہا میں ریوڑ سے بکری کا ایک بچہ تجھے بھیج دوں گا ○ اُس نے کہا کہ اُس کے بھیجنے تک تو میرے پاس کچھ رہن کر دے گا؟ اُس نے کہا کہ تجھے رہن کیا دُوں؟ اُس نے کہا کہ اپنی مُہر اور اپنا بازوبند اور لاٹھی جو تیرے ہاتھ میں ہے اُس نے یہ چیزیں دیں اور اُس کے ساتھ مباشرت کی اور وہ اس سے حاملہ ہو گئی ○ (پیدائش ۳۸: ۱۸ تا ۱۵)

تین ماہ بعد یہوداہ کو پتہ چلا کہ اُس کی بہو حاملہ ہے۔ یہوداہ نے بہو کو جلا دینے کا ارادہ کیا،

---

[1] بائبل نے کوئی وضاحت نہیں کی کہ تمر کی اُس دیور سے شادی کی گئی تھی یا نہیں، بلکہ سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ حقِ دیور یہ تھا کہ وہ اپنے بھائی کے مرنے کے بعد اپنی بھابھی سے ہمبستری کر کے اپنے بھائی کے نام سے نسل پیدا کرے ۱۲ [2] جگہ کا نام ۱۲

تو اُس نے مہر، بازوبند اور لاٹھی پیش کر دی اور کہا کہ یہ ان چیزوں والے کا کام ہے۔ اس پر یہوداہ نے کوئی سزا نہ دی، چنانچہ تمر کے ہاں جڑواں بچے پیدا ہوئے ایک کا نام فارض تھا اور دوسرے کا زارح (ملاحظہ ہو پیدائش ۳۸ ۱۹ تا ۳۰)

قارئین کرام! آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ متی کی انجیل، باب اوّل میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب اسی فارض کی اولاد سے تھے۔ ملاحظہ فرمایئے کہ ادنیٰ سی جنبشِ قلم نے کتنے برگزیدہ انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت کا خون کر دیا۔

حضرت لُوط علیہ السلام اور بائیبل

حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بڑے برگزیدہ پیغمبر گزرے ہیں

آپ علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی اپنی قوم سے بدکاری ختم کرنے میں صرف فرما دی۔ افسوس! پر افسوس کہ بائیبل نے آپ کی رفعتِ شان کو قطعاً نظر انداز کرتے ہوئے آپ علیہ السلام پر ایک ایسا گھناؤنا اور خبیث ترین الزام لگا دیا کہ جس کا ذکر کرتے ہوئے ہاتھ کانپتے ہیں قلم لرزتا ہے اور جسم پر رعشہ طاری ہو جاتا ہے۔ میں اپنے قلم سے ان الزامات کا کبھی ذکر نہ کرتا، لیکن میں دنیا والوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اے دنیا والو سنو! میرے آقا رسولِ عربی سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری سے قبل دنیا کس قدر بے راہ روی میں مبتلا تھی۔ اس وقت کی دُنیا کی بہترین قوم جسے لوگ دینِ سماوی کی محافظ خیال کرتے تھے۔ اُس قوم کی مقدس کتابوں میں کس قدر تحریف ہو چکی تھی۔ خواہشاتِ نفسانیہ کے پجاری بعض علماء یہود نے کیسے گھناؤنے الزام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبیوں پر لگا رکھے تھے۔

یہ میرے آقا رسولِ عربی تاجدارِ مدنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری اور تعلیمات کا صدقہ ہے کہ آج یہود و نصاریٰ بھی ان عبارات پر شرماتے ہیں[1]

---

[1] ۱۹۸۵ء کے اواخر میں علامہ احمد دیدات کا مناظرہ امریکہ کی یونیورسٹی میں عیسائی علماء سے ہوا۔ اس مناظرہ کو امریکہ کے کئی ٹی وی سٹیشنوں نے ریلے کیا۔ دورانِ مناظرہ علامہ احمد دیدات نے عیسائی پادری کو دعوت دی کہ وہ بائیبل کی (ایک مخصوص) عبارت پڑھ کر سنائے تو اُسے انعام دیا جائے گا مگر پادری شرم کی وجہ سے عبارت نہ پڑھ سکا۔

نقلِ کفر، کفر نہ باشد کے مصداق لوط علیہ السلام پر لگائے جانے والے الزام کی عبارت ملاحظہ ہو:
"اور لوط ضغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اُس کی دونوں بیٹیاں اُس کے ساتھ تھیں، کیونکہ اسے ضغر میں بستے ڈر لگا اور وہ، اور اُس کی بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے ○ تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بڈھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں کہ جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے ○ آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اُس سے ہم آغوش ہوں تاکہ اپنے باپ کی نسل باقی رکھیں ○ سو انہوں نے اُسی رات اپنے باپ کو مے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی، پر اُس نے نہ جانا، کہ وہ کب لیٹی اور کب اُٹھ گئی اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی آؤ آج رات بھی اُس کو مے پلائیں اور تو بھی جا کر اُس سے ہم آغوش ہو تاکہ ہم اپنے باپ کی نسل کو باقی رکھیں ○ سو آج رات بھی انہوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اُس سے ہم آغوش ہوئی، پر اُس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اُٹھ گئی، سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں ○ اور بڑی کے ایک بیٹا ہوا اور اُس نے اُس کا نام موآب رکھا۔ وہی موآبیوں کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں ○ اور چھوٹی کے بھی ایک بیٹا ہوا اور اس کا نام بن عمّی رکھا، وہی بنی عمّون کا باپ ہے، جو اب تک موجود ہیں ○" (پیدائش ۱۹: ۳۰ تا ۳۸)

معاذ اللہ تعالیٰ ثم معاذ اللہ تعالیٰ! ذرا سوچیے کہ کیا مذکورہ عبارت اُس توراۃ کی ہو سکتی ہے کہ جس توراۃ کو قرآن پاک فرماتا ہے، اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ (المائدۃ)
ترجمہ: "بے شک ہم نے توراۃ نازل فرمائی، اُس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی"۔ (۵/۴۴)
اور کیا یہ اُسی توراۃ کی عبارت ہے کہ جسے حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ چالیس روز و شب کے طویل انتظار کے بعد کوہِ طور سے لے کر آئے تھے؟ یقیناً یہ اُس تورات کی عبارت نہیں ہو سکتی، اور ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم اُس توراۃ، زبور اور انجیل پر مکمل ایمان لاتے ہیں کہ جو خدائے بزرگ و برتر نے نازل فرمائی، لیکن اُس توراۃ، زبور اور انجیل کو تسلیم نہیں کرتے جو یار لوگوں کی گھڑی ہوئی ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام اور قرآن پاک

قرآنِ پاک میں بہت سی جگہوں پر حضرت سیدنا لوط علیہ السلام کا تذکرہ موجود ہے۔ ہم اس جگہ سورۃ الانبیاء کی دو آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ نقل کرتے ہیں:

ترجمہ: "اور لوط علیہ السلام کو ہم نے حکومت اور نبوت) کا علم عطا فرمایا اور ہم نے انہیں اس بستی سے نجات دی (کہ جس کے باشندے) گندے کام کرتے تھے۔ بے شک وہ بہت ہی بُرے اور فاسق لوگ تھے اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو اپنی رحمت کی پناہ) میں لے لیا۔ بے شک وہ ہمارے قربِ خاص کے مستحق لوگوں میں سے تھے۔" (۲۱/۷۴-۷۵)

قرآن پاک نے ثابت فرمایا کہ لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی رحمت کی حفاظت میں اور قربِ خاص میں تھے، اس لیے آپ علیہ السلام سے کسی بھی فعلِ قبیح کا صدور قطعاً ناممکن ہے

حضرت داؤد علیہ السلام اور بائیبل

حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے برگزیدہ نبی اور صاحبِ کتاب رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر زبور شریف نازل فرمائی، مگر موجودہ بائیبل کی کتاب "سموئیل ثانی" میں ہے،

"اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ پر سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اُس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی۔ تب داؤد نے لوگ بھیج کر اُس عورت کا حال دریافت کیا۔ اور کسی نے کہا کیا وہ اِلِعام کی بیٹی بت سبع نہیں جو حتی اوریاہ کی بیوی ہے؟ ۵ اور داؤد نے لوگ بھیج کر اُسے بلوالیا۔ وہ اُس کے پاس آئی اور اُس نے اُس سے صحبت کی (کیونکہ وہ اپنی ناپاکی کی وجہ سے پاک ہو چکی تھی) پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی ۵ اور وہ عورت حاملہ ہوگئی، سو اُس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں ۵" (۲-سموئیل ۱۱: ۱تا۵)

سموئیل ثانی کے اسی باب ۱۱ میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت کے

خاوند حتی اور آیاہ کو اپنے حضور طلب کیا اور پھر اس بے چارے جاں نثار غلام کو اپنا گناہ چھپانے کی خاطر دھوکے سے قتل کروا دیا اور اس کی بیوی سے خود شادی رچالی[1] (تفصیل ملاحظہ ہو۔ ۲ سموئیل باب ۱۱)

معاذ اللہ تعالیٰ سوچیے! کیا اخلاقِ انبیاء یہی ہے کہ جس کا نقشہ بائبل نے پیش کیا ہے۔ کیا دنیا والوں کے سامنے اُسوۂ حسنہ پیش کرنے والوں کا اپنا کردار ایسا گھناؤنا ہوتا ہے کہ وہ مکان کی چھت پر چڑھ کر اس طرح نظارہ بازی کریں اور پھر غیروں کی عورتوں سے بدکاری کریں اور اپنے گناہ چھپانے کی خاطر اُن کے خاوندوں کو قتل کروا دیں۔ عیاذاً باللہ تعالیٰ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ ایسے قبیح افعال سے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو محفوظ و مامون رکھتا ہے۔ پیغمبر کی شان تو بہت اعلیٰ و ارفع ہوتی ہے۔

توہین پر توہین

سموئیل ثانی میں ہے کہ مذکورہ واقعہ کے بعد ناتن نبی نے ایک تمثیل کے ساتھ داؤد علیہ السّلام کو ان کی غلطی سے مطلع کیا اور ڈانٹتے ہوئے کہا، "سو خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھ میں تیرے شر کو تیرے ہی گھر سے تیرے خلاف اٹھاؤں گا اور میں تیری بیویوں کو لے کر تیری آنکھوں کے سامنے تیرے ہمسایہ کو دوں گا اور وہ دن دہاڑے تیری بیویوں سے صحبت کرے گا۔ کیونکہ تو نے چھپ کر یہ کیا، پر میں سارے اسرائیل کے روبرو دن دہاڑے یہ کروں گا۔" (۲ سموئیل ۱۲: ۱۱، ۱۲)

معاذ اللہ تعالیٰ ثم معاذ اللہ تعالیٰ! کیا خدا تعالیٰ کے نبی اسی سلوک کے قابل ہوتے ہیں؟

سُبحٰنک ھٰذا بُہتان عظیم۔

اسی کتاب سموئیل ثانی کے باب ۱۳ میں ایک واقعہ مذکور ہوا جو اختصاراً یوں ہے:

حضرت داؤد علیہ السّلام کی تمر نامی ایک بیٹی تھی، جو بہت ہی خوبصورت تھی۔ داؤد علیہ السّلام کا بیٹا امنون اپنی بہن تمر پر عاشق ہو گیا، مگر اُس کا کسی بھی طرح اپنی بہن پر بس نہ چلتا تھا، چنانچہ اُس نے اپنے چچازاد یونذب کو اپنا ہمراز بنایا اور یونذب کے مشورہ سے اپنے آپ

---

[1] سلیمان علیہ السّلام اسی عورت سے پیدا ہوئے، ملاحظہ ہو (۲۔ سموئیل ۱۲: ۲۴)

کو جھوٹ موٹ کا بیمار بنا لیا۔ جب داؤد علیہ السلام اپنے بیٹے امنون کی تیمارداری کو آئے تو امنون نے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میری بہن تمر اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر مجھے کھلانے اُسے میرے پاس بھیج دیں۔ چنانچہ اُس کی بہن تمر آئی اور کھانا تیار کیا۔ امنون کو کھلانے لگی، تو امنون نے کہا کمرے میں چل اور اپنے ہاتھ سے مجھے کھانا کھلا۔ یہ بیچاری اندر گئی تو امنون نے اس پر حملہ کر دیا اور چیختی چلاتی اپنی ہمشیرہ کی عزت لوٹ لی اور رسوا کر کے اسے اپنے کمرے سے نکال دیا۔ داؤد علیہ السلام کو صاحبزادے کی حرکت کا علم ہوا تو سرف غصے ہوئے، مگر کوئی سزا نہ دی۔ دو سال بعد تمر کے بھائی یعنی داؤد علیہ السلام کے دوسرے بیٹے ابی سلوم نے اپنے بھائی امنون کو اسی جُرم کی پاداش میں اپنے خادموں سے قتل کروا دیا۔ اس کے بعد ابی سلوم تین سال تک اپنے باپ سے اپنی جان بچانے کے لیے جلاوطن رہا اور بہت عرصہ تک حضرت داؤد علیہ السلام کپڑے پھاڑ کر اپنے بیٹے امنون کی موت پر ماتم کرتے رہے۔ (معاذ اللہ تعالیٰ)

بائیبل مقدس کی ایک اور کتاب "سلاطینِ اوّل" میں ایک افسانہ درج ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُسے بائیبل کے اپنے الفاظ میں ہی نقل کیا جائے۔ ملاحظہ ہو:

"اور داؤد بادشاہ بڈھا اور کہن سال ہوا اور وہ اسے کپڑے اوڑھاتے پر وہ گرم نہ ہوتا، سو اُس کے خادموں نے اُس سے کہا کہ ہمارے مالک بادشاہ کے لیے ایک جوان کنواری لڑکی ڈھونڈی جائے جو بادشاہ کے حضور کھڑی رہے اور اس کی خبرگیری کیا کرے اور تیرے پہلو میں لیٹ رہا کرے تاکہ ہمارے مالک کو گرمی پہنچے، چنانچہ انہوں نے اسرائیل کی ساری مملکت میں ایک خوبصورت لڑکی تلاش کرتے کرتے شونمیت ابی شاگ کو پایا اور اُسے بادشاہ کے پاس لائے۔ وہ اور وہ لڑکی بہت شکیل تھی، سو وہ بادشاہ کی خبرگیری اور اُس کی خدمت کرنے لگی، لیکن بادشاہ اُس سے واقف نہ ہوا۔" (سلاطین ۱: ۱ تا ۴)

اسی سلاطین کے دوسرے باب میں ہے کہ داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد اُن کے

بیٹے اَدونیاہ نے اس لڑکی شونمیّت سے شادی کرنے کی کوشش کی، مگر اَدونیاہ اپنے بھائی سلیمان کے ہاتھوں مارا گیا۔ (۲:۲ تا ۲۵)

سوچیے! ہم نہیں جانتے کہ آخر اس بائیبل مقدس کے مصنفین نے انبیاء کرام علیہم السلام کے مقدس ومطہر گھروں کو رنڈی خانہ کے منظر میں کیوں پیش کیا ہے؟ کیا اُولوالعزم پیغمبروں اور اپنے نبیوں کا اُن کے دلوں میں یہی مقام اور احترام ہے؟ ذرا سوچیے کہ وہ لوگ جو منکرینِ خدا ہیں، جو کسی بھی دینِ سماوی کو تسلیم نہیں کرتے، جب وہ ایسے واقعات پڑھیں گے تو کیا کہیں گے کہ کیا خدا تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو ہدایت دینے کے لیے ایسے ایسے لوگوں کا انتخاب کیا گیا تھا؟ کیا انبیاء کرام کی اخلاقی اقدار اس قدر زوال پذیر تھیں؟ حالانکہ وہ کیا جانیں کہ یہ سب تو تخریب کار شیطانی اذہان کی کارستانی ہے۔ اخلاقِ انبیاء علیہم السلام کا صحیح ترین نقشہ تو وہ ہے جسے نبیِّ صادق، ہادیٔ برحق، ختم الرسل، امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرآنِ کریم کے حوالہ سے پیش فرمایا ہے۔

حضرت داوٗد علیہ السّلام اور قرآنِ عظیم

حضرت سیدنا داوٗد علیہ السّلام کا ذکرِ خیر بھی قرآن پاک میں کئی جگہ پر آیا ہے۔

ہم ذیل میں بعض آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ نقل کرتے ہیں (فرمانِ خدا تعالیٰ ہے)

ترجمہ: "اور بے شک ہم نے داوٗد (علیہ السّلام) اور سلیمان (علیہ السلام) کو بڑا علم عطا فرمایا اور اُن دونوں نے (بطورِ شکرِ نعمت) کہا۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں کہ جس نے ہمیں (علم ونبوت عطا فرما کر) اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت بخشی"۔ (۲۷/۱۵)

سورۃ "سبا" میں ہے:

ترجمہ: "اور بیشک ہم نے داوٗد (علیہ السّلام) کو اپنا بڑا فضل اور بزرگی عطا فرمائی (اور ہم نے حکم دیا کہ) اے پہاڑو! داوٗد (علیہ السّلام) کے ساتھ ہماری طرف رجوع کرو اور اے پرندو! تم بھی۔ اور ہم نے ان (یعنی داوٗد علیہ السلام) کے لیے لوہے کو نرم فرما دیا"۔ (۳۴/۱۰)

سورۃ "صٓ" میں ہے:

ترجمہ: (اے نبی علیک السلام) تم ان (کافروں) کی باتوں پر صبر فرمائیے اور ہمارے انعام یافتہ بندے داؤد (علیہ السلام) کا ذکر فرمائیے، بے شک وہ ہمارے بڑے ہی فرمانبردار بندے تھے بے شک ہم نے پہاڑوں کو مسخر فرما دیا، وہ اُن کے ساتھ صبح و شام تسبیح کرتے تھے اور پرندے جمع شدہ ان کے فرمانبردار تھے اور ہم نے اُن کی سلطنت کو مضبوط فرمایا اور انہیں حکمت اور قولِ فیصل عطا فرمایا۔" (۳۸ / ۱۷ تا ۱۹)

ملاحظہ فرمائیے آیاتِ قرآنی آپ علیہ السلام کے فضل و شرف کی کیسی عظیم شاہکار ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اور بائیبل

حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی ہیں۔ بائیبل نے الزام لگایا کہ آپ علیہ السلام آخر عمر میں (معاذ اللہ تعالیٰ) مرتد ہو گئے تھے اور بتوں کی پوجا شروع کر دی تھی۔ اس کی وجہ بائیبل نے یہ بیان کی کہ خدا تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو منع کیا تھا کہ موآبی، عموّنی، ادومی، صیدانی اور حتّی (قبائل کی) عورتوں سے تعلق قائم نہ کرنا کہ یہ سب ہی بُت پرست ہیں اور تمہیں بُت پرستی کی طرف مائل کر لیں گی، مگر سلیمان (علیہ السلام) ان ہی کے عشق کا دم بھرنے لگے۔ اس طرح آپ کی بیویوں کی تعداد سات سو اور لونڈیوں کی تعداد تین سو ہو گئی۔ ایک ہزار عورتوں کے خاوند حضرت سلیمان علیہ السلام بوڑھے ہو گئے تو بیویوں نے اُن کو بُت پرستی کی طرف مائل کر دیا اور وہ (معاذ اللہ) اس طرف دل سے مائل ہو گئے اور بیویوں کی خاطر بُت کے لیے ایک اونچا مقام (مندر) بھی بنوا دیا۔ حالانکہ خدا نے دو بار ظاہر ہو کر اُسے اس بات سے منع کیا تھا لیکن سلیمان (علیہ السلام) نہ مانا (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سلاطینِ اوّل، باب ۱۱، آیات ۱ تا ۱۰)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق یہ خیال اُن لوگوں کا تھا جو اپنے آپ کو دینِ آسمانی کا خیال کرتے تھے اور کہتے تھے کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (یعنی ہم خدا کے بیٹے

اور اُس کے پیارے ہیں) اور وہ لوگ جو عام مشرکین تھے، اُن کے نزدیک سلیمان (علیہ السلام) ایک ایسے بادشاہ کا نام تھا جو بہت بڑا جادوگر تھا اور اُس نے اپنے جادو کے زور سے اپنی سلطنت کو قائم کر رکھا تھا۔

حضرت سُلیمان علیہ السّلام اور قرآن کریم

حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب کائنات ہستی میں تشریف لائے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ پیغمبر سلیمان علیہ السّلام پہ لگے ہوئے الزامات کی پُرزور تردید فرمائی اور قرآن پاک کے حوالہ سے فرمایا:

ترجمہ: "اور (جہلا) نے پیروی کی اُس (جادو) کی جو سلیمان (علیہ السّلام) کے زمانۂ حکومت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے (اور یہ کفر ہے) جبکہ سلیمان (علیہ السّلام) نے کفر نہیں کیا (کیونکہ وہ تو نبی تھے) لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔" ($\frac{۲}{۱۰۲}$)

مزید برآں قرآن کریم کی سورۃ النمل پارہ ۱۹ میں حضرت سلیمان علیہ السّلام کا ایک طویل قصّہ بیان ہوا جو آپ کے تبلیغِ رسالت فرمانے اور توحیدِ الٰہیہ کا منہ بولتا ثبوت ہے اور وہ واقعہ آپ علیہ السلام کے پیغمبرانہ منصب اور بلندیٔ کردار کی ناقابلِ تردید شہادت پیش کرتا ہے۔

حضرت ہارون علیہ السّلام اور بائیبل

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد دنیا سے کفر و شرک کو مٹانا، لوگوں کو صراطِ مستقیم کی دعوت دینا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بلانا ہوتا ہے انبیاء کرام علیہم السّلام توحید خداوندی کے سب سے بڑے داعی ہوتے ہیں۔ وہ بُت پرستی، شرک و بدعت کے قلع قمع کرنے کے لیے جان تک کی بازی لگانے سے گریز نہیں کرتے، ان جلیل القدر پیغمبروں میں سے ایک حضرت ہارون علیہ السّلام بھی ہیں۔ افسوس کہ بائیبل نے توحیدِ الٰہیہ کے علمبردار اس نامور پیغمبر پر بُت گری، بُت پرستی اور لوگوں کو شرک کی دعوت

دینے کا بدترین الزام لگادیا۔

توراۃ میں ہے (موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر گئے تو) "اور لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگادی، تو وہ ہارون (علیہ السلام) کے پاس جمع ہو کر اُس سے کہنے لگے، اُٹھ ہمارے لیے دیوتا بنا دے، جو ہمارے آگے آگے چلے، کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مردِ موسیٰ کو جو ہم کو ملکِ مصر سے نکال کر لایا کیا ہو گیا ○ ہارون نے اُن سے کہا تمہاری بیویوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں، اُن کو اُتار کر میرے پاس لے آؤ ○ چنانچہ سب لوگ اُن کے کانوں سے سونے کی بالیاں اُتار اُتار کر اُن کو ہارون کے پاس لے آئے ○ اور اُس نے اُن کو اُن کے ہاتھوں سے لے کر ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی۔ تب وہ کہنے لگے اے اسرائیل! یہی وہ تیرا دیوتا ہے جو تجھ کو ملکِ مصر سے نکال کر لایا ○ یہ دیکھ کر ہارون نے اُس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور اُس نے اعلان کر دیا کہ کل خداوند کے لیے عید ہو گی ○ اور دوسرے دن صبح سویرے اُٹھ کر انہوں نے قربانیاں چڑھائیں اور سلامتی کی قربانیاں گزرانیں پھر ان لوگوں نے کھایا پیا اور اُٹھ کر کھیل کود میں لگ گئے ○" (خروج ۳۲ ا تا ۶)

توراۃ کے بیان سے ثابت ہوا کہ بچھڑا بنانے والے اور اُس کی پوجا کا حکم دینے والے خود ہارون علیہ السلام تھے۔ نیز آپ کی ترغیب سے لوگوں نے بچھڑے کی بھینٹ جانور بھی چڑھائے اور اُس بھینٹ کو کھایا بھی۔

حضرت ہارون علیہ السلام اور قرآن پاک

بچھڑے کے پوجنے اور بنائے جانے کا واقعہ قرآنِ مجید میں بھی مذکور ہوا۔ ہم اس سلسلے میں سورۃ طٰہٰ کی چند آیاتِ مقدسہ کا ترجمہ نقل کرتے ہیں:

(حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو کوہِ طور پر ہی اللہ تعالیٰ کے بتانے سے جب اپنی قوم کی گمراہی اور گئو پرستی کا پتہ چلا)

ترجمہ: "تو موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف غصے میں بھرے ہوئے افسوس کرتے ہوئے آئے

(اور اپنی قوم سے) فرمایا: کیا تمہارے پروردگار نے تم سے (کتاب دینے کا) اچھا وعدہ نہ فرمایا تھا۔ کیا تم پر کوئی بہت لمبی مدت گزر گئی تھی یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے غضب اترے۔ پس تم نے میرے وعدے کے خلاف کیا۔ قوم نے عرض کیا کہ ہم نے اپنے اختیار سے آپ سے وعدہ خلافی نہیں کی (دراصل) ہم سے قوم (فرعون) کے زیورات کا بوجھ اٹھوایا گیا تھا۔ ہم نے اُسے پھینک دیا۔ پھر اسی طرح سامری نے بھی زیور (آگ میں) ڈال دیا۔ پھر اُس نے (اس زیور سے) اُن کے لیے بے جان بچھڑے کا ایک جسم بنایا۔ اُس کی آواز گائے کی طرح تھی پھر (سامری اور اُس کے ساتھی) کہنے لگے کہ یہی تمہارا معبود ہے اور موسیٰ (علیہ السلام) کا معبود بھی یہی ہے تو وہ اُسے بھول گئے۔ کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ بچھڑا نہ تو اُن کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ہی اُن کے لیے نفع یا نقصان کا مالک ہے اور اس میں شک نہیں کہ ہارون علیہ السلام نے ان لوگوں سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم! تم اس (بچھڑے) کی وجہ سے فتنہ میں پڑ گئے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پروردگار تو رحمان ہی ہے۔ پس تم میری پیروی کرو اور میرا کہنا مانو۔ وہ (بنی اسرائیلی) کہنے لگے ہم اس (بچھڑے کی عبادت) پر اُس وقت تک جمے بیٹھیں گے کہ موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے پاس لوٹ کر آجائیں۔" (سورۃ طٰہٰ ۲۰ آیات ۸۶ تا ۹۱)

قرآن پاک نے واضح ترین الفاظ میں ثابت فرمایا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا دامنِ عصمت، بُت گری یا بُت پرستی یا ترغیبِ بُت پرستی کے غلیظ دھبہ سے بالکل پاک و منزہ ہے۔ بچھڑا بنانے والا بدبخت سامری ہے، جبکہ حضرت ہارون علیہ السلام تو لوگوں کو قطعاً بُت پرستی سے منع کرنے والے اور اس کے انجامِ بد کی خبر دینے والے ہیں۔

خلاصۂ کلام مذکورہ بالا بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ بائیبل کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام کا معصوم ہونا کوئی شرط نہیں، شیطان کا اُن پر بھی ویسا ہی تسلط ہے جیسا کہ ایک عامی شخص پر اسی لیے اُن کا ہر حکم یا فعل قابلِ عمل یا لائقِ تحسین نہیں اور وہ دُنیا کے لیے کامل ترین نمونہ نہیں بن سکتے۔ اُن کے اندر بھی خامیاں پائی جاتی ہیں اور

غلیظ ترین غلطیاں بھی۔

یہ تمام تر خیالات خدائے بزرگ و برتر جل شانہ کے مجتبیٰ بندوں انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں بدترین توہین کا درجہ رکھتے ہیں اور ہمارے اس دعویٰ کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ حضور پُرنور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل الّا ماشاء اللہ عام انسان کی نگاہ میں بھی انبیاء علیہم السلام معصوم نہ تھے۔ اُس زمانے میں بہت کم ایسے لوگ تھے کہ جو ان خرافات کی تردید کرتے تھے اور ان کو باطل و واہیہ خیال کرتے تھے۔

لیکن بعثتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پورے عالم میں ڈنکا بجا دیا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور ان کی عصمت کی براہِ راست خدا حفاظت فرماتا ہے۔ اس ثبوت کے لیے حضور امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عملی طور پر اپنی ذاتِ مقدسہ کو پیش فرمایا اور اپنی نبوت کے اعلان فرمانے سے قبل اہلِ دنیا کے سامنے اپنی ذات بابرکات ستودہ صفات اور اپنے بے مثل اور عدیم النظیر کردار کو پیش فرمایا اور یہ چیلنج دیا۔ گویا کہ فرمایا اے اہلِ مکہ! میری زندگی کے چالیس سال تمہاری نگاہوں کے سامنے گزرے ہیں۔ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ میری زندگی کے ان چالیس سالہ دور سے کوئی ایک لمحہ بھی ایسا دکھا دو کہ جس میں مجھ سے کوئی ایک رذیل فعل سرزد ہوا ہو۔ مجھے کوئی ایسا چھوٹے سے چھوٹا واقعہ ہی بتاؤ کہ جو میری امانت داری اور سچائی کا شاہکار نہ ہو کہ جس میں میری طرف جھوٹ یا بددیانتی کا اشارہ تک بھی ملتا ہو، مگر آسمان شاہد ہے اور زمین گواہ ہے کہ اس مجمع میں سے کوئی بھی شخص یہ نہ کہہ سکا کہ تمہارے اندر فلاں نقص ہے یا کبھی تھا، حالانکہ بدترین دشمن بھی موجود تھے اور بہترین دوست بھی۔ دامنِ کوہ میں موجود اہلِ مکہ کے اُس تاریخی اجتماع نے جب بیک زبان یہ اقرار کر لیا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آج تک کوئی ادنیٰ سی قسم کی بھی کوتاہی سرزد نہیں ہوئی، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جان لو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں[۱]۔ گویا

---

[۱] آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ یہ ہیں، فَاِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ
(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

کہ حضور سرورِ کونین خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے عملی طور پر یہ ثابت فرما دیا کہ جو اللہ تعالیٰ کا نبی ہوتا ہے، اُس کا آئینۂ کردار نہایت صاف و شفاف اور افعالِ قبیحہ و رذیلہ کے زنگار سے بالکل محفوظ و مامون ہوتا ہے اور جس کے اندر افعالِ مذمومہ و خبیثہ پائے جائیں، وہ اللہ تعالیٰ کا نبی ہوا ہی نہیں کرتا۔

اعلانِ خداوندی خدائے بزرگ و برتر جلّ شانہٗ نے جب ابلیس لعین کو مردود بارگاہ قرار دے کر اُسے مقامِ عزت سے نکال دیا تو اُس نے اپنے لیے طویل زندگی مانگ کر بارگاہ ربّ العزت میں قسم اٹھا کر کہا کہ میں نسلِ انسانی کو گمراہ کر دوں گا۔ خدائے لم یزل جلّ شانہ نے فرمایا: (جس کا مفہوم ہے) کہ جا اپنی ممکنہ کوشش کر، جسے چاہے گمراہ کر، مگر یاد رکھ! جو میرے مجتبیٰ (چُنے ہوئے) بندے ہیں، اُن پر تیرا ہرگز ہرگز تسلط نہ ہو سکے گا۔ سورۃ الحجر میں ہے:

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ۝ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ۝ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ۝

(۱۵ / ۳۹ تا ۴۲)

(ابلیس) بولا اے میرے رب مجھے قسم ہے اس کی جو تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، میں ضرور زمین میں ان (انسانوں) کو (گناہ) خوبصورت بنا کر دکھاؤں گا اور ان سب کو گمراہ کر دوں گا مگر جو تیرے خالص (چُنے ہوئے) بندے ہیں (وہ بچے رہیں گے)، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ راہ (ہدایت) سیدھا میری طرف آتا ہے۔ بے شک میرے (مجتبیٰ) بندوں پر تیرا کچھ بھی بس نہیں چلے گا (تیری نہیں مانیں گے)، سوائے ان کے جو گمراہ ہیں۔"

سُورۃ بنی اسرائیل میں شیطان لعین کی رسی کو دراز کرنے کا ذکر فرما کر پھر تنبیہ فرمائی کہ

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَکَفٰی بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ○ ١٧/٦٥	(اے ابلیس) بے شک میرے خالص بندوں پر تیرا کوئی قابو نہیں چلے گا اور (اے محبوب علیک السلام) آپ کا رب کارسازی کے لیے کافی ہے

سورۃ "ص" میں شیطان لعین کا اعلان اور اقرار بایں الفاظ مذکور ہے۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○ ٣٨/٨٢-٨٣	(ابلیس نے) کہا کہ (اے اللہ تعالیٰ) مجھے تیری عزت کی قسم ہے کہ میں ان تمام (انسانوں) کو گمراہ کردوں گا۔ مگر ان میں جو تیرے خالص (چنے ہوئے) بندے ہیں، وہ (میرے شر سے محفوظ رہیں گے)

قرآن عظیم کے بار بار کے اس اعلان سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے انبیاء علیہم السلام سے افعالِ شیطانی کا صدور ناممکن ہے۔ شیطان لعین اُن پر تسلط نہیں جما سکتا اور اس چیز کا اقرار شیطانِ لعین نے خود بھی کیا ہے۔

اس کے برعکس موجودہ بائیبل نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق جو ریمارکس دیئے، وہ آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔

بابِ ششم

حُلیہ مُبارک امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضور سیّد عالم نبیِّ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو مصوّرِ حقیقی، خلاقِ عالم جل شانہٗ نے ہر لحاظ سے کامل واکمل ترین انسان پیدا فرمایا۔ حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ؎

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِيْ
وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَآءُ

"یعنی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم دائمًا ابدًا) آپ سے زیادہ حسین وجمیل میری آنکھ نے ہرگز نہیں دیکھا (بلکہ) اور (حق یہ ہے کہ آپ سے زیادہ حسین کسی عورت نے جنا ہی نہیں (یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) آپ کو ہر عیب سے محفوظ ومامون پیدا کیا گیا ہے، گویا کہ آپ کو آپ کی مرضی کے عین مطابق پیدا کیا گیا ہے۔"

حضور نبیِّ رحمت، جانِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور حضرت سیّدنا حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ نذرانۂ عقیدت کوئی محض شاعرانہ تخیّل نہیں ہے، بلکہ حقیقتِ واقعی ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مکمل تعریف کرنا امکانِ انسانی وملکوتی سے ماوراء ہے، کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف تو خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کس قدر صحیح بات فرمائی ہے حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ ؎

مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ
لٰکِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٍ

یعنی میں اپنے (اشعار) مقالات سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف نہیں کرتا، لیکن (بلکہ) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسمِ گرامی (کے صدقہ) سے اپنے اشعار (یا) مقالہ کی تعریف کرتا ہوں (یوں کہ اُن کا نام آنے سے میرا مقالہ قابلِ تعریف بن جاتا ہے)

حُلیہ مُبارک[1]

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی ذات و صفات کے لحاظ سے شاندار تھے اور دوسروں کی نظر میں بھی بلند مرتبہ والے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا رُوئے انور چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن و تاباں تھا۔ حضرت ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ربیع بنت معوذ بن عفرا رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفت بیان کریں، تو وہ فرمانے لگیں، "بیٹے! اگر تم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم (کے رُوئے تاباں) کو دیکھتے تو یوں محسوس کرتے کہ گویا سورج نکل آیا ہے۔" حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جس وقت خوش ہوتے تو رُخِ زیبا چمکنے دمکنے لگتا۔ یوں معلوم کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا رُوئے انور چاند کا ٹکڑا ہے۔"

---

[1] حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے حلیہ شریفہ کے متعلق اس بندۂ ناچیز مؤلف کتاب ہذا نے اپنی پہلی تالیف "رہبرِ زندگی مع طبِ نبوی" میں قدرے تفصیلاً ذکر کیا ہے، شائقین وہاں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ یہاں اسی کتاب کے حوالے سے نقل کیا جا رہا ہے اور یہ اس لیے کہ اس ناچیز کے خیال میں کسی بھی ہستی کی سیرت کی کتاب میں صاحبِ سیرت کے حلیہ کا درج ہونا بھی ضروری ہے۔ خیال رہے کہ "رہبرِ زندگی" میں یہ مضمون ان کتب کے حوالہ سے درج ہے: قرآن پاک، بخاری، مسلم، ابن ماجہ، ترمذی، دارمی، مشکوٰۃ، ابن سعد، بیہقی، ابی نعیم، ابن عساکر، طبرانی، بحوالہ خصائص کبریٰ جزاول و ثانی، مواہب لدنیہ، مدارج النبوۃ۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا قدِ مبارک درمیانے قد والے سے کسی قدر لمبا اور زیادہ طویل القامت سے قدرے چھوٹا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا سرِ انور اعتدال کے ساتھ بڑا اور بال ہلکے سے گھنگریالے تھے۔ اگر سرِ مبارک کے بالوں میں خود بخود آسانی سے مانگ نکل آتی، تو رہنے دیتے، ورنہ خود بتکلف نہ نکالتے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بال نرم، سیاہ اور ملائم تھے[1]۔ اگر بال کٹوانے میں دیر ہو جاتی تو کانوں کی لو سے تجاوز کر جاتے ورنہ نہیں۔

---

[1] میرے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک موئے مبارک سرینگر (کشمیر) میں "حضرت بل شریف" میں موجود ہے۔ بل کشمیری زبان میں بال کو کہتے ہیں۔ اسی نسبت سے اُس جگہ کو درگاہ حضرت بل شریف کہتے ہیں۔ یہ موئے اقدس شیشے کی ایک نلی میں رکھا گیا ہے۔ وہ نلی چاندی کی ایک چھوٹی سی صندوقچی میں بند ہے اور یہ صندوقچی چاندی کی ایک بڑی صندوقچی میں بند ہے اور اسے مسجد کے حجرے میں رکھا گیا ہے۔ اس حجرہ کے دروازے پر ہر وقت پہرا لگا رہتا ہے، کیونکہ ۲۷ دسمبر ۱۹۶۳ء کو موئے مبارک چوری ہو گیا، تو کشمیر میں گویا قیامت آگئی تھی اور پورے بھارت میں احتجاجی مظاہروں نے حکومت کو ہلا کر رکھ دیا تھا، چنانچہ حکومت نے ایک ہفتہ کے اندر اندر موئے مبارک کو برآمد کر لیا تھا۔ محمد حسام الدین صاحب جوہر نے اپنی کتاب "دوسرا مدینہ" میں اس موئے مبارک کے بارے میں لکھا کہ مدینہ منورہ میں ایک بزرگ سید عبداللہ تھے۔ نسل بعد نسل ان کے پاس تین نہایت قیمتی تبرکات چلے آتے تھے۔ ان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک موئے مبارک بھی تھا۔ ۱۶۳۴ء میں خلیفۂ وقت کی ناراضگی کی بنا پر سید عبداللہ کو مدینہ منورہ چھوڑنا پڑا۔ آپ تبرکات کے ہمراہ ہندوستان تشریف لے آئے۔ یہ شاہجہاں کا دورِ حکومت تھا۔ بادشاہ نے آپ کو بیجاپور میں جاگیر دے دی۔ سید عبداللہ کی وفات پر یہ تبرکات اُن کے صاحبزادے سید حامد کی تحویل میں آ گئے۔ سید حامد غربت کا شکار ہو گئے تو سترھویں صدی کے اواخر میں سید حامد نے اپنی مشکلات ایک کشمیری تاجر خواجہ نور الدین سے بیان کیں۔ خواجہ صاحب نے دل کھول کر سید صاحب کی مدد کی اور تبرکاتِ مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ہر وقت موئے مبارک کو حاصل کرنے کے لیے بے چین رہنے لگے۔ خواجہ صاحب نے سید حامد سے اپنی اس تمنا کا اظہار بھی کیا، مگر سید صاحب نے موئے مبارک دینے سے صاف انکار کر دیا (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ مبارک نہایت صاف اور چمکدار تھا جبین مبارک انتہائی خوبصورت اور کشادہ تھی جبکہ ابرو مبارک خمدار، باریک اور گنجان تھے۔ دونوں ابرو جُدا جُدا تھے، ایک دوسرے سے پیوستہ نہیں تھے۔ ان دونوں کے درمیان ایک رگ (نمایاں) تھی جو غصہ کے وقت اُبھر آتی تھی۔ بینی شریفہ (یعنی ناک مبارک) بلندی مائل تھی اُس پر ایک چمک اور نور تھا (جیسا کہ چاند کے گرد اگرد ہوتا ہے) پہلی نظر دیکھنے والا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بلند ناک والا خیال کرتا لیکن بغور دیکھنے پر پتہ چلتا کہ یہ نور اور حُسن و رعنائی کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے، ورنہ حقیقتاً زیادہ بلند نہیں بلکہ معتدل ہے۔

(باقی حاشیہ گزشتہ صفحہ سے) اس دوران سید حامد نے حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اس تاجر کو مایوس نہ کر۔ یہ مقدس تبرک اسے دے دو" اس طرح یہ موئے مبارک خواجہ نورالدین کو مل گیا۔ خواجہ صاحب اسے لے کر اپنے وطن کشمیر کے لیے روانہ ہوئے تو راستے میں چند روز لاہور میں قیام کیا شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر ان دنوں لاہور میں تھے۔ انہوں نے خواجہ صاحب کو دربار میں طلب کیا اور تحقیق کے لیے موئے مبارک کو آگ پر رکھا، مگر اس پر آگ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ دھوپ میں رکھا گیا تو غیب سے بادل کے ٹکڑے نے نمودار ہو کر اس پر سایہ کر دیا۔ درود شریف کے ورد پر موئے مبارک میں جنبش پیدا ہو گئی۔ غرض جب شہنشاہ کو موئے مبارک کے اصلی ہونے پر اطمینان ہو گیا تو کہا کہ اس مقدس بال کے سامنے میری تمام سلطنت، تاج و تخت اور جان و مال سب کچھ ہیچ ہے اور حکم دیا کہ اجمیر شریف لے جا کر یہ موئے مبارک حضرت خواجہ اجمیری علیہ الرحمہ کے روضہ میں رکھا جائے۔ اس موئے مبارک کو لے کر اجمیر شریف پہنچے ابھی نواں دن تھا کہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کو خواب میں حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم نے خواجہ کا دل توڑ دیا جو میری محبت سے معمور تھا۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ خواجہ کی وصیت پوری کرو" اس اثناء میں خواجہ وفات پا چکے تھے، شہنشاہ نے صبح ہوتے ہی اجمیر شریف سے موئے مبارک منگوایا اور اسے صندل کے صندوق میں بند کیا اور خواجہ نورالدین عشائی کی میت کے ساتھ کشمیر روانہ کر دیا۔ یہ موئے مبارک باغ صادق خان [illegible] کی مسجد میں رکھا گیا اور [illegible] کو اسی کے پاس ہی دفن کر دیا گیا اور جلد ہی اس مسجد کا نام حضرت بل پڑ گیا [illegible]

حضور خواجۂ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ریشِ انور (یعنی داڑھی مبارک) بھرپور اور گنجان بالوں والی تھی۔ "وظائف النبی" میں ہے کہ ریشِ اقدس کی لمبائی طبعًا چار انگل تھی۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (فداہ امی وابی) کی مبارک آنکھیں، انتہائی خوبصورت، حسین، قدرتِ الٰہی سے سُرمگیں اور پلکیں دراز تھیں۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں رُوئے تاباں کی طرف دیکھتا، تو خیال کرتا کہ شاید آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آنکھوں میں سرمہ ڈالا ہوا ہے، حالانکہ سرمہ نہیں ڈالا ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھوں کی پُتلیاں نہایت سیاہ اور آنکھوں کی سفیدی میں سُرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے۔ رخسارِ انور نرم اور ہموار تھے۔ دہنِ مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ اور دندان مبارک نہایت خوبصورت، باریک اور آبدار موتیوں کی طرح چمکتے تھے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے والے دانتوں میں ذرا سا فصل تھا، یعنی بالکل گنجان نہ تھے، بلکہ کچھ کشادہ تھے۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گفتگو فرماتے تو ایک نور سا (اچھل اچھل کر) دانتوں کے درمیان سے نکلتا ہوا نظر آتا تھا۔

حضور رُوحِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گردنِ شریفہ بہت ہی خوبصورت، صاف اور رنگ میں چاندی جیسی اُجلی تھی۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اعضاء نہایت متناسب اور پُرگوشت، جسم گٹھا ہوا، پیٹ اور سینۂ انور ہموار تھے، البتہ سینۂ انور فراخ اور چوڑا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان قدرے زیادہ فاصلہ تھا۔ جوڑوں کی ہڈیاں مضبوط اور اعظم تھیں، کپڑوں کے باہر کا حصہ بھی روشن اور چمکدار تھا، سینہ اور ناف کے درمیان لکیر کی طرح بالوں کی ایک باریک دھاری تھی۔ اس کے علاوہ دونوں چھاتیاں اور پیٹ مبارک بالوں سے خالی تھا، البتہ دونوں بازوؤں، کندھوں اور سینہ مبارکہ کے بالائی حصہ پر کچھ بال تھے۔

حضرت محمد ش کعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مقامِ جعرانہ میں رات کے وقت عمرے کا احرام باندھا۔ میں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشتِ انور کی طرف دیکھا، وہ (چاند کی روشنی میں) چاندی کی ڈلی کی طرح چمک رہی تھی۔

حضرت امِ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے شکمِ انور کو دیکھتی تو لطافت و خوبصورتی کی وجہ سے) یوں معلوم ہوتا جیسے اوپر تلے سفید کاغذ لپیٹے ہوئے ہوں۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کلائیاں دراز، پر گوشت اور ایسے ہی پائے اقدس بھی پر گوشت اور گداز تھے۔ ہاتھ پاؤں کی انگلیاں تناسب کے ساتھ لانبی، تلوے قدرے گہرے اور قدم ہموار تھے۔ قدموں کے ملائم اور ستھرا ہونے کی وجہ سے پانی اُن پر نہ ٹھہرتا تھا، بلکہ فوراً ڈھل جاتا تھا۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چلتے تو قوت سے قدم اُٹھاتے (اور پھولوں لدی شاخ کی طرح) تھوڑا سا آگے کو جھک کر چلتے تھے۔ قدم مبارک آہستہ زمین پر رکھتے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تیز رفتار تھے۔ قدم کشادہ رکھتے تھے اور چھوٹے چھوٹے قدموں سے نہ چلتے تھے۔ جب چلتے تو یوں معلوم ہوتا کہ گویا بلندی سے نیچے اُتر رہے ہوں۔ جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے، تو پورے بدن سے متوجہ ہوتے۔ نظر نیچی رکھتے اور نظر آسمان کی نسبت زمین کی طرف زیادہ رہتی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ گوشۂ چشم سے ملاحظہ فرمانے کی تھی، چلنے میں صحابہ کو آگے کر دیتے اور خود (کمالِ شفقت سے) پیچھے چلتے جس سے ملتے سلام کرنے میں ابتدا فرماتے۔

حضرت جابر بن سمرہ، حضرت عمر بن اخطب، حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان بائیں شانے کی نرم ہڈی کے پاس بند مٹھی یا بیضۂ کبوتر کی مثل مُہرِ نبوت تھی۔ اس کے

گرداگرد مستوں کی طرح تل تھے۔" صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ قدر حسن جمالہٖ۔

ذاتِ لاثانی

پسینہ مبارک حضور خواجۂ کونین سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمِ انور سے ہر وقت (مشک و عنبر سے بھی ارفع و اعلیٰ) بھینی بھینی خوشبو آتی رہتی تھی۔ حضرت ابی یعلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس بھی کوچہ یا بازار سے حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم گزر جاتے، تو بعد میں گزرنے والے اُس کوچہ کو (مخصوص) خوشبو سے مہکتا ہوا پاکر سمجھ جاتے کہ ابھی ابھی اس راہ گذر سے ہمارے آقا و مولیٰ (فداہ رُوحی وجسدی) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا گزر ہوا ہے (خصائصِ کبریٰ) ابو یعلیٰ، طبرانی، ابن عساکر، حضرت ابی ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) میں نے اپنی لڑکی کی شادی کرنی ہے (میرے پاس از قسم خوشبو کچھ نہیں) آپ میری مدد فرمائیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس چوڑے مُنہ والی شیشی اور لکڑی لاؤ، چنانچہ وہ شخص دونوں چیزیں لے کر حاضر ہوا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں بازوؤں سے پسینہ نچوڑ کر اُس شیشی میں ڈالنا شروع کر دیا۔ پھر فرمایا اسے لے جاؤ اور اپنی بیٹی سے کہہ دو کہ وہ اس لکڑی کو اس شیشی میں بھگوئے اور خوشبو لگائے۔ مروی ہے کہ جب بھی یہ خوشبو استعمال کی گئی، تو اس محلّہ سے گزرنے والے) تمام اہلِ مدینہ اس خوشبو کی مہک کو محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ اس گھر کا نام (کہ جہاں وہ لڑکی رہتی تھی) اہلِ مدینہ نے "بیت المطیبین" (یعنی خوشبو والوں کا گھر) رکھ دیا۔ (خصائصِ کبریٰ جزو اوّل)

لُعابِ دہن حضور پُر نور (فداہ امّی و ابّی) وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم دائماً ابداً کا مقدّس و مطہّر لعابِ دہن انتہائی خوشبودار اور مجسّم معجزہ تھا۔[1]

---

[1] لعابِ دہن شریفہ سے متعلق کچھ معجزات باب دوم میں گزر چکے ہیں، وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

اُمِّ عاصم زوجہ عُتبہ بن فرقد سلمیٰ بیان کرتی ہیں کہ ہم چار عورتیں عُتبہ کی زوجیت میں تھیں۔ ہم میں سے ہر ایک کی یہی کوشش ہوتی کہ زیادہ سے زیادہ اچھی خوشبو لگا کر عُتبہ کے پاس جائے، اس لیے ہم اعلیٰ سے اعلیٰ خوشبوئیں استعمال کرتیں، مگر ہماری کوئی بھی خوشبو عُتبہ کی خوشبو سے اچھی اور اعلیٰ نہ ہوتی، حالانکہ عُتبہ کوئی بھی خوشبو استعمال نہ کرتے تھے۔ سوائے اس کے کہ تھوڑا سا (سادہ) تیل ہاتھ پہ ڈالتے اور داڑھی کو مل لیتے اور جب عُتبہ باہر جاتے، تو لوگ کہتے کہ "خوشبو تو ہم بھی استعمال کرتے ہیں، مگر کوئی بھی خوشبو عُتبہ کی خوشبو سے اعلیٰ نہیں"۔ اُمِّ عاصم کہتی ہیں کہ ایک دن میں نے عُتبہ سے پوچھا "تم کونسی خوشبو استعمال کرتے ہو کہ جس پہ کوئی خوشبو غالب نہیں آتی۔" تو عُتبہ نے کہا، ایک دفعہ مجھے گرمی دانے نکل آئے۔ میں نے بارگاہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہو کر اس مرض کی شکایت کی تاکہ علاج فرمادیں۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، کپڑے (یعنی قمیص) اتار کر میرے سامنے بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ میں نے قمیص اتاری اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ حضور سرورِ کائنات، رُوحِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا (تھوڑا سا) لعابِ دہن اپنے دستِ مقدس پر ڈالا اور میرے پیٹ اور پشت پر مل دیا (تو نہ صرف مجھے گرمی دانوں سے نجات مل گئی، بلکہ) اُسی دن سے میرے جسم میں یہ خوشبو پیدا ہوگئی (جیسے تم اب تک محسوس کر رہی ہو۔ (مدارج النبوۃ، طبرانی)

بَول وبُراز

حضور سرورِ عالم رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بول وبراز شریف کے متعلق مذکور ہے کہ قضائے حاجت کے وقت زمین شق ہو جاتی اور فضلات کو اپنے اندر سمولیتی اور اس جگہ ایک خوشبو سی پھیل جاتی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا براز (پاخانہ) کسی نے نہ دیکھا۔ امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جب استنجا فرماکر بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے، تو میں وہاں از قسم براز کوئی چیز نہ پاتی (ایک بار عرض کرنے پر)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اے عائشہ! تم نہیں جانتیں کہ انبیاء علیہم السلام کے بطنِ اطہر سے جو نکلتا ہے، اُسے زمین نگل جاتی ہے اور اسے دیکھا نہیں جاتا۔"

(مدارج النبوۃ جلد اوّل)

ایک اور صحابی سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک سفر میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ اثنائے سفر میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لیے ایک جگہ تشریف لے گئے۔ آپ کے واپس تشریف لانے کے بعد میں اس جگہ گیا، تو میں نے وہاں از قسم براز کوئی شے نہ پائی، البتہ مٹی کے چند ڈھیلے وہاں پڑے تھے اور لطیف قسم کی خوشبو محسوس ہو رہی تھی (مذکورہ)

البتہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیشاب مبارکہ کا مشاہدہ کرنا کئی صحابہ کرام سے منقول ہے۔

اندازِ تکلم وصوتِ مبارک

ہمارے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صوت و آوازِ مبارک غایت درجہ پیاری تھی، اس کی شیرینی تمام آوازوں سے زیادہ حسین اور دلکش تھی اور کوئی شخص حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر خوش آواز نہیں گزرا جیسا کہ مدارج النبوۃ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو خوش آواز بنا کر بھیجا، جبکہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب پر فوقیت رکھتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو تم لوگوں کی طرح پے در پے اور جلدی نہ ہوتی تھی، بلکہ صاف صاف اور ہر کلمہ دوسرے سے ممتاز ہوتا اور پاس بیٹھنے والے اچھی طرح ذہن نشین کر لیتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور پُر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گفتگو فرماتے تو ایک نور سا دانتوں کے درمیان سے (اُچھل اُچھل کر) نکلتا ہوا نظر آتا۔

باب ہفتم

سیرتِ امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام اور غیر مسلم مدبرین کے تاثرات

میرے آقا رسولِ عربی (فداہ روحی وجسدی) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات اس قدر بے عیب اور نقائص سے منزہ ہے کہ اپنے تو اپنے بیگانے بھی ثنائے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں رطب اللسان ہیں۔ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوت سے قبل اپنی گزشتہ چالیس سالہ معصوم و بے مثال زندگی کو بطورِ دلیل پیش فرمایا تھا۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ بدترین معاندین بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سیرت و کردار میں ایک معمولی سا نقص بھی نہ نکال سکے۔ مشرکینِ مکہ کا سرغنہ ابوجہل بارہا یہ کہہ چکا تھا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میں تجھے صادق اور امین تسلیم تو کرتا ہوں، مگر تیری تعلیمات کا انکار کرتا ہوں۔ ولید بن مغیرہ اور عتبہ وغیرہ کے واقعات آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ یہ اور دوسرے بہت سے کافر بشمول یہود و نصاریٰ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سچا تو جانتے تھے، مگر محض اور محض حسد و عناد کی وجہ سے منکر تھے۔ ہم اس جگہ چند ایک غیر مسلم محققین اور دانشوروں کے خیالات سپردِ قلم کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا شاندار معجزہ ہے کہ دشمنانِ اسلام بھی ثناخوانِ محمد ہیں۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وسلم)

لہ اس باب کے اکثر حوالے کتاب "محمد رسول اللہ" سے نقل کیے گئے ہیں تاہم جس کسی دوسری کتاب سے حوالہ نقل کیا جائے گا، وہاں اُس کا نام درج کر دیا جائے گا۔

آکسفورڈ کے ایک معتبر دانشور اور معروف دمگر، متعصب عیسائی سیرت نگار پروفیسر مارگولیتھ MARGALIOUTH اپنی تالیف MUHAMMAD کے دیباچہ میں اعتراف کرتا ہے :

"محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے سوانح نگاروں کا ایک وسیع سلسلہ ہے، جس کا ختم ہونا غیر ممکن ہے، لیکن اس میں جگہ پانا قابلِ فخر چیز ہے۔"

یہ الفاظ اُس شخص کے ہیں کہ جو تنقیصِ شانِ رسالت میں، کذب بیانی اور افترپردازی میں یدِطولیٰ رکھتا ہے۔ بہرحال ع

مُدّعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری !

سر ولیم میور کے تاثرات

مشہور مستشرق سر ولیم میور SIR WILLIOM MEUOR اپنی کتاب "دی لائف آف محمد" (THE LIFE OF MUHAMMAD) میں رقمطراز ہے :

"ہمیں بلا تکلف اس حقیقت کا اعتراف کرلینا چاہیے کہ تعلیمِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ) نے ان تاریک توہمات کو ہمیشہ کے لیے جزیرہ نمائے عرب سے باہر نکال دیا جو صدیوں سے اس ملک پر چھا رہے تھے۔ بُت پرستی جلاوطن ہو گئی۔ توحیدِ خداوندی اور رحمتِ الٰہیہ کا موجودہ تصور (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے متبعین کے دلوں کی گہرائیوں اور زندگی کی پہنائیوں میں جاگزیں ہو گیا۔ دیگر معاشرتی اصلاحات کی بھی کوئی کمی نہ رہی۔ ایمان کے دائرہ میں برادرانہ محبت، یتیموں کی پرورش، غلاموں سے احسان، حرمتِ خمر وغیرہ سب کے سب جوہر نمودار ہو گئے۔ ترکِ مے کشی کرلنے جیسا کامیاب مذہب اسلام ہوا ہے، ویسی کامیابی کسی دوسرے مذہب کو نصیب نہیں ہوئی۔"

سر ولیم میور اسی کتاب میں دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں :

"محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے ایامِ جوانی میں رہی، آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے

اخلاق کی پاکیزگی و راستی اور عادتِ کریمہ کی طہارت پر سب مصنفین متفق ہیں، حالانکہ یہ دولت اہلِ مکہ میں نہایت کمیاب تھی۔ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی شرم و حیا اعجازی طور پر محفوظ بیان کی جاتی ہے۔"

قرآنِ پاک کے متعلق سر ولیم میور (THE LIFE OF MUHAMMAD) میں رقمطراز ہے،

"(قرآن پاک کا) کوئی جزو، کوئی فقرہ، کوئی لفظ ایسا نہیں کہ جسے جمع کرنے والوں نے چھوڑ دیا ہو اور کوئی ایسا اضافی لفظ نہیں سُنا گیا جو کہ اس مُسلّم مجموعہ میں داخل کر دیا گیا ہو۔ جہاں تک ہماری معلومات ہیں، دنیا بھر میں کوئی بھی کتاب ایسی نہیں جو قرآن (مجید) کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک ہو۔" ......

... "قرآن نے فطری اور کائناتی دلائل کے بل بوتے پر خدا کو سب سے اعلیٰ ہستی ثابت کر دکھایا اور انسانوں کو خدا کے حضور اطاعت و شکر گزاری پر جھکا دیا۔" [2]

باسورتھ اسمتھ BOSIOORTIH SMITH

باسورتھ اسمتھ اپنی تالیف "محمڈ اینڈ محمڈن ازم" میں حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہے،

"رسولِ کریم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی خصوصی عنایات کا مرکز غلاموں کے ساتھ ساتھ یتیم بھی رہے ہیں۔ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) خود بھی یتیم رہ چکے تھے اس لیے یہ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی دلی خواہش تھی کہ جس طرح خدا تعالیٰ (جل شانہ) نے ان کے ساتھ بہترین برتاؤ کیا ہے، وہی سلوک وہ دوسروں کے ساتھ کریں۔"

برطانوی دانشور مسٹر باسورتھ اسمتھ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے

---

[1] اور اب پندرھویں صدی جا رہی ہے [2] دی لائف آف محمد (THE LIFE OF MUHAMMAD) اس کتاب کو سر ولیم میور (برطانوی) نے ۱۸۶۱ء میں تالیف کیا تھا۔ ۱۲

اخلاق کریمہ کے ضمن میں تحریر کرتا ہے:

"آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے عمر بھر کسی کو بھی اپنے دستِ مقدس سے نہ مارا۔ اگر کوئی مصافحہ کرتا، تو آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نہ تو اپنا ہاتھ الگ کرنے میں پہل فرماتے اور نہ ہی از خود اس سے الگ ہوتے۔ گفتگو غایت درجہ نرم اور شیریں فرماتے۔"[1]

فرانسیسی دانشور پروفیسر موسیو سڈیو MOSIO SEDDIO

خلاصہ تاریخ عرب کے مولف پروفیسر موسیو سڈیو تحریر کرتے ہیں:

"آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) خوش اخلاق، ملنسار، خاموش الطبع، خدا تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے، لغویات اور بیہودہ گوئی سے سخت نفرت کرنے والے، افضل ترین رائے اور بہترین عقل والے تھے۔

آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) انصاف کے معاملے میں اپنے بیگانے سب سے ایک جیسا سلوک فرماتے۔ غرباء اور مساکین سے محبت فرماتے، اور ان میں رہ کر خوش ہوتے، کسی بھی نادار کو اُس کی تنگ دستی کی وجہ سے حقیر نہ جانتے اور نہ ہی کسی بادشاہ کو اس کی بادشاہی کی وجہ سے ترجیح دیتے۔ کسی ملاقات کرنے والے سے از خود جُدا نہ ہوتے، یہاں تک کہ وہ خود ہی نہ چلا جائے۔ صحابہ کرام سے کمال درجہ شفقت و محبت فرماتے۔ اپنے نعلین مبارک (جوتے) خود گانٹھ لیتے۔ اپنے کپڑے خود سی لیتے۔ دشمن ہو یا دوست، سب سے کشادہ پیشانی سے ملا کرتے تھے۔"

پروفیسر سڈیو چند صفحات آگے جا کر تحریر کرتے ہیں:

"اسلام بے شمار خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ جو لوگ اسلام کو ایک وحشیانہ مذہب خیال

---

[1] "محمد اینڈ محمڈن ازم" یہ کتاب برطانوی مصنف مسٹر باسورتھ اسمتھ BOSIOORTIH SMITH نے ۱۸۷۵ء میں تالیف کی۔

کرتے ہیں، وہ غلطی پر ہیں۔ ہم بدلائل دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن (مجید) میں آدابِ اُصولِ حکمت و فلسفہ موجود ہیں۔" [۱]

الکس لوازون

مسیحی دانشور "الکس لوازون" اپنی کتاب "دی لائف آف محمدؐ" (THE LIFE OF MUHAMMAD) میں رقمطراز ہے:

"محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے جو واضح اور شاندار شریعت کا دستور العمل دنیا کے سامنے پیش کیا، وہ یہ مقدس کتاب قرآن (پاک) ہے جو اس وقت تمام دنیا کے ۵/۱ حصہ [۲] میں معتبر اور مسلّم مانی جاتی ہے۔ جدید علمی انکشافات کہ جن کو ہم نے بزورِ علم حاصل کیا یا ہنوز وہ زیرِ تحقیق ہیں، وہ تمام علوم بتمام وکمال قرآن و اسلام میں پہلے ہی سے موجود ہیں۔" [۳]

کانٹ ہنری دی کاسٹری (OUNT HENRIDE CASTRI)

فرانسیسی عالم مسٹر کانٹ ہنری دی کاسٹری" تحریر کرتا ہے:

"عقل بالکل حیرت زدہ ہے کہ اس قسم کا کلام (یعنی قرآن پاک) اس ہستی کی زبان سے کیونکر رواں ہوا جو کہ بالکل اُمّی تھے۔ تمام اہلِ مشرق متفق اور اقراری ہیں کہ یہ وہ کلام ہے کہ نوعِ انسانی لفظاً و معناً ہر لحاظ سے اس کی مثل پیش کرنے سے عاجز ہے۔ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) قرآن پاک کو اپنی رسالت کی دلیل کے طور پر لائے، جو تا حال ایک ایسا معجزہ عالیشان

---

[۱] "خلاصہ تاریخ عرب" یہ کتاب فرانسیسی دانشور موسیو سڈیو نے ۱۸۷۷ء میں تصنیف کی

[۲] خیال رہے کہ یہ اُس وقت کی بات ہے جب "الکس لوازون" نے یہ کتاب تحریر کی تھی، جبکہ اس وقت دنیا کی آبادی پانچ ارب ہے، جس میں ایک ارب بیس کروڑ سے زائد مسلمان ہیں۔ ۱۲

[۳] "دی لائف آف محمد"

راز چلا آرہا ہے کہ اس طلسم کو توڑنا انسانی طاقت سے ماورای ہے۔" ۱؎

پروفیسر اڈوائر مونتے PROFESSOR ADVIOR MONTAE

"اشاعت مذہب عیسوی اور اس کے مخالف مسلمان" نامی کتاب میں پروفیسر مونتے نے تحریر کیا:

"محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کا تمام مذہب ایسے اصولوں کا مجموعہ ہے، جو معقولیت کے امورِ مسلّمہ پر مبنی ہے اور یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں مسئلہ توحید ایسی پاکیزگی اور جلال و جبروت اور ایسے کامل یقین کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کے سوا اور کسی مذہب میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔" ۲؎

رابرٹ - ایل - گلک ROBERT L.GLICK

مسٹر رابرٹ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"مغربی مصنف یہ کہتے ہیں کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ہے اور وہ عرب کی تصویر بناتے ہوئے اس کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار دکھاتے ہیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ ان کے فہم کا قصور ہے، کیونکہ اس معاملے میں مجرم مسلمان نہیں، بلکہ عیسائی ہیں، کیونکہ انہوں نے چین میں بیس لاکھ مسلمانوں کو موت کی دھمکی دے کر عیسائی بنایا تھا۔ اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے ایک اور مصنف کی تحریر پیش کرتا ہوں۔ یہ کہنا کہ مسلمانوں کی دیگر غیر مسلموں کے خلاف جنگیں مذہبی تھیں اور دوسرے مذاہب کو دبانے کے لیے تھیں، خارج از بحث ہے، کیونکہ یہ بات مادی اور سیاسی دلائل سے ثابت نہیں کی جا سکتی۔"

۱؎ "اسلام پر خیالات" یہ کتاب فرانسیسی مصنف کانٹ ہنری دی کاسٹری نے ۱۸۹۶ء میں تصنیف کی۔

۲؎ پروفیسر اڈوائر مونتے کی یہ کتاب ۱۸۹۰ء میں پیرس میں شائع ہوئی۔ (محمد رسول اللہ)

منٹگمری واٹ

مسٹر منٹگمری واٹ تحریر کرتا ہے:

"آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو تین عدیم المثال صفات سے نوازا گیا تھا۔ اول: آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے عرب دُنیا کے لیے ایک نظریاتی ڈھانچہ تشکیل دیا اور معاشرے کو مستحکم بنیادوں پر استوار کر دیا۔ دوم، یہ کہ ایک سیاست دان تھے، قرآن میں صرف بنیادی اصول بیان ہوئے ہیں۔ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اپنی ذہانت اور دُور اندیشی سے کام لے کر ان اصولوں کی بناء پر ایک عظیم الشان عمارت کھڑی کر دی اور مدینہ کی ایک چھوٹی سی ریاست کو ایک عالمگیر سلطنت میں تبدیل کر دیا۔ سوم، یہ کہ بطورِ منتظم آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی مہارت اور اپنے عمال اور نمائندوں کے انتخاب میں آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی ذہانت، کیونکہ عمدہ پالیسی بھی عدم مہارت کی صورت میں ناکام ہو جاتی ہے۔" (مذکورہ)

میجر آرتھر کلائن لیونارڈ

میجر لیونارڈ اپنی کتاب "اسلام کا روحانی اور اخلاقی پایہ" میں رقمطراز ہے:

"اگر کسی شخص نے خدا کو پایا ہے اور اگر اس نے ایک اچھے، نیک اور عظیم مقصد کے لیے خدا تعالیٰ کی اطاعت میں اپنی زندگی کو نثار کیا ہے، تو یقین جانئے کہ وہ شخص صرف حضرت محمد (علیہ السلام) ہی ہو سکتے ہیں۔"

میجر لیونارڈ مزید تحریر کرتے ہیں:

"بہرحال تحقیق کرنے والا یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گا کہ اسلام ایک ایسا عظیم اور سچا مذہب ہے کہ جو اپنے ماننے والوں کو انسانی اندھیروں اور گمراہیوں سے نکال کر روشنی اور سچائی کی بلندیوں تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔" [1]

---

[1] "اسلام کا روحانی اور اخلاقی پایہ" میجر لیونارڈ (برطانوی) نے یہ کتاب ۱۹۰۹ء میں تحریر کی

ڈاکٹر رابرٹس

ڈاکٹر رابرٹس سیرتِ نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی یوں شہادت دیتے ہیں:

"قرآن (پاک) کے مطابق سے ایک خوشگوار ترین چیز یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو بچوں کا کس قدر خیال تھا خصوصاً ان بچوں کا کہ جو والدین کی سرپرستی سے محروم ہو چکے ہوں (قرآن پاک میں) بچوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی بار بار تاکید ملتی ہے . . .
. . . محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے یتیموں کے بارے میں اپنی خاص توجہ مبذول رکھی۔ یتیموں کے حقوق کا بکثرت تذکرہ اور ان سے بدسلوکی کرنے والوں یا ان کے حقوق کو غصب کرنے والوں کے خلاف سخت ترین وعیدیں سیرتِ محمدی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے اس پہلو کو اجاگر کرتی ہیں کہ جس پر مسلمان مصنفین کو بجا طور پر ناز ہے۔" [1]

جان جاک ویلیک

JHAN JOC WALIK

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور ایک مشہور جرمن فلاسفر مسٹر "جان جاک ویلیک" یوں ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہیں:

"تھوڑی عربی جاننے والے قرآن (پاک) کا سحر اڑاتے ہیں۔ اگر وہ لوگ خوش نصیبی سے کبھی "آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی سحر نما قوتِ بیان سے (قرآن کریم کی) تشریح سنتے تو یقیناً یہ لوگ بے ساختہ سجدے میں گر پڑتے اور سب سے پہلی آواز ان کے منہ سے یہ نکلتی کہ پیارے نبی! پیارے رسول! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) خدارا ہمارا ہاتھ پکڑ لیجئے اور ہمیں اپنے پیروؤں میں شامل فرما کر عزت اور شرف عطا فرمانے میں دریغ نہ فرمائیے۔" [2]

---

[1] سوشل لاز آف دی قرآن (SOCIAL LAWS OF THE QURAN) از ڈاکٹر رابرٹس

[2] "محمد رسول اللہ" صفحہ ۱۱

سادھو ٹی۔ ایل وسوانی

جناب سادھو ٹی۔ ایل وسوانی بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں عرض کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"میں حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کو کورنش بجا لاتا ہوں، وہ دنیا کی ایک عظیم الشان ہستی ہیں۔ وہ ایک قوت تھے جو انسانوں کی بہتری کے لیے صرف ہوئی۔ ایامِ سلف کی داستانوں کا مطالعہ کرو تاکہ تمہیں اس کی شوکت و سطوت کا پتہ چلے۔ بادشاہ اور حکمران ہوتے ہوئے وہ اپنی گلیم کو خود پیوند لگاتے۔ وہ عائشہ کی آواز پہ لبیک کہتے "اے کملی والے اٹھ اور تبلیغ فرما"۔ لوگوں نے انہیں ایذا دی اور ان کی زندگی خطرے میں پڑ گئی لیکن انہوں نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہ کی۔ وہ امن و آشتی کی تلقین کرتے رہے۔ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) پیغمبر اور امیر تھے۔ میں ان کے آخری الفاظ پر اکثر غور کرتا رہتا ہوں کہ "مالک[1] مجھے بخش دے اور اپنے نیک بندوں میں شامل کر۔" ہم میں سے کون ہے جو اس امر سے انکار کرے کہ وہ اعلیٰ زندگی اور اعلیٰ موت رکھتے ہیں۔ اسلام نے دنیا میں رہبانیت کا خاتمہ کر دیا۔ اسلام نے دختر کشی کی رسم کو بند کر دیا۔ اسلام نے اپنے شیدائیوں پر ام الخبائث شراب کو حرام کر دیا۔ اسلام نے ہمت و شجاعت اور بردباری کی تعلیم دی۔ اس زمانہ میں جبکہ یورپ علم و حکمت سے بے بہرہ تھا۔ اسپین کے مسلمان علم و ادب کی مشعل کو ہاتھ میں لے کر گمراہ لوگوں کو راہِ راست دکھلا رہے تھے۔ وہ ادویات، ریاضیات، کیمیا، تاریخ اور فلسفہ میں اپنا ہمعصر نہ رکھتے تھے۔ ہندوستان کی گردن اسلام کے احسانوں سے دبی ہوئی ہے۔ ہندوستانی فلسفہ، شعر و سخن اور فنِ تعمیر کو اسلام نے چار چاند لگا دیئے۔ تاج محل عالمِ تعمیر کا شہنشاہ ہے۔"

---

[1] المراد بہ اللہ تعالیٰ جل شانہ

اسلام حریت و اخوت کا داعی ہے۔ غلامی کے خلاف سب سے پہلے (حضرت) عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے جہاد کیا، جبکہ انہوں نے فتح یروشلم پر تمام غلام رہا کر دیئے"۔[1]

جارج برناڈ شا

بین الاقوامی شہرت یافتہ نامور مؤلف اور دانشور جناب جارج برناڈ شا، یوں اظہارِ حقیقت کرتے ہیں:

" ازمنہ وسطیٰ میں عیسائی راہبوں نے جہالت اور تعصب کی وجہ سے مذہب اسلام کی بڑی بھیانک تصویر پیش کی ہے۔ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ انہوں نے تو حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے مذہب کے خلاف باضابطہ تحریک چلائی۔ انہوں نے حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو اچھے لفظوں میں یاد نہیں کیا۔ میں نے ان باتوں کا بغور مطالعہ اور مشاہدہ کیا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ایک عظیم ہستی اور صحیح معنوں میں انسانیت کے نجات دہندہ ہیں۔"[2]

پروفیسر ٹامس کارائل (T.CARLYLE)

مسٹر ٹامس کارائل مشہور برطانوی دانشور ہیں۔ یہ اپنی کتاب "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" (HEROES AND HEROWORSHIP) میں تحریر کرتے ہیں:

"ہم میں سے ان لوگوں کے لیے کہ جن کے نزدیک انسان ہی سب کچھ ہے، ماحول کچھ نہیں۔ (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اس حقیقت کی عظیم الشان مثال ہیں کہ ایک انسان کیا کچھ کر سکتا ہے، لیکن وہ لوگ بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تاریخ کے انقلابات کسی ایک فرد کی کوشش سے کہیں زیادہ ماحول کی خصوصیات اور قلبِ انسانی کی استعداد قبولیت

---

[1] "محمد رسول اللہ" ص ۷۱ [2] ایضاً، ص ۶۴

کے مرہونِ منت ہیں۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر تاریخِ (انسانی) میں انقلاب آنا ہی تھا (جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے آیا ہے) تو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے بغیر یہ انقلاب ایک غیر متعین عرصہ تک معرضِ التوا میں رہتا۔

یہ انقلاب کیا تھا؟ اہل عرب کے لیے یہ انقلاب ایک نئی زندگی تھی جو انہیں تاریکی سے نور کی طرف لے آئی تھی۔ عرب اس کے ذریعے سے پہلی دفعہ زندہ ہوا۔ ایک ایسی قوم جو ابتدائے آفرینش سے گمنامی کے عالم میں ریوڑ چراتی پھرتی تھی۔ ان کی طرف ایک رسول آیا جو اپنے ساتھ ایک ایسا پیغام لایا جس پر وہ قوم ایمان لے آئی، وہ دیکھو! وہی گمنام چرواہے دنیا کی ممتاز ترین قوم بن گئے۔ وہ حقیر قوم ایک عظیم الشان ملت میں تبدیل ہو گئی۔ ایک صدی کے اندر اندر عرب
ایک طرف غرناطہ اور دوسری طرف دہلی تک چھا گئے۔ اس کے بعد سینکڑوں برس ہو چکے ہیں۔ ۱
یہ اسی شان و شوکت اور درخشندگی و تابندگی سے کرۂ ارض کے ایک عظیم حصے پر مسلط ہیں۔

ایمان بہت بڑی چیز ہے۔ ایمان ہی سے زندگی ملتی ہے۔ جُوں ہی کسی قوم میں ایمان پیدا ہوا۔ اس قوم کی تاریخ اعمال میں نتائج اور رُوح کی بالیدگی پیدا کرنے والی بن گئی۔

وہ عرب، یہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اور ایک سو سال کا عرصہ! کیا یہ انقلاب ایسا نہیں جیسے ریت کے کسی گمنام ٹیلے پر آسمان سے بجلی کی لہر آ گرے اور ریت کا تودہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک آتش گیر مادہ میں تبدیل ہو کر اس طرح سے بھک سے اڑ جائے کہ دہلی سے غرناطہ تک اس کے شعلوں کی لپیٹ میں آ جائے۔ نوعِ انسانی خشک نیستان کی طرح ایک شرارہ کے انتظار میں تھی۔ وہ شرارہ اس بطلِ جلیل کی صورت میں آسمان سے آیا اور تمام نوعِ انسانی کو شعلہ صفت بنا دیا۔"

مسٹر کارلائل مزید رقم طراز ہیں،

"بانیٔ اسلام کے ناقابلِ انکار فضائل کا انکار انصاف کا خون کرنا اور حق پسندی کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ لگانا ہے۔ ہمارے خیال میں حضور سرورِ کائنات (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

کا وجود، جن کا مرتبہ انسانی عظمت کی بلندیوں سے کہیں ارفع ہے۔ دنیا کی باعظمت ہستیوں میں فضائل و صفات کے لحاظ سے بے مثال ہے۔ آپ (علیہ السلام) کی ذات (بابرکات) خلوص، صداقت اور سچے اعتقادات کا خزانہ ہے۔ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا ہر فعل تصنع اور تکلف سے مبرا اور حقیقت پر مبنی ہے۔ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا کلام وحیٔ آسمانی تھا۔ ایسی مقدس ہستی کا وجود خالقِ کائنات کے وجود کی زبردست اور روشن دلیل ہے۔ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا دماغ علم و معرفت کا خزانہ اور حکمت و فضیلت کا منبع ہے۔ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ارشاداتِ گرامی سے فائدہ اٹھانا انسانیت کا فرضِ مبین ہے۔ خدائے لم یزل کے بھیجے ہوئے پیغمبروں میں آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی ذاتِ (اقدس) سب سے زیادہ جدید قسم کی ہے، جس پر رسالت ختم ہوتی ہے۔ صحرائے عرب کی پرسکون فضا میں آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے مشاہدہ نے اصلاحِ انسانیت کا دستور العمل مرتب فرمادیا۔ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی سیرتِ مقدسہ کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) بچپن ہی سے راست باز اور امین تھے۔ آغازِ شباب سے آخر جوانی تک پاکبازی، زہد و عفت کا ایسا نمونہ پیش فرمایا کہ تاریخِ انسانی ایسی مثال پیش کرنے سے عاجز و قاصر ہے۔ حضور اکرم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی ذاتِ مبارکہ سرچشمۂ اصول تھی۔ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے اصولوں نے دنیا کو تاریکی سے نکال دیا اور یونان کی حکمتوں، یہودیوں کے عقیدوں اور ایامِ جاہلیت کے عرب قبائل کی بت پرستی کو ختم کر دیا۔ یہ بات ناقابلِ تردید ہے کہ جو حقیقت (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) نے حاصل کی تھی۔ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے بھی اسی حقیقت کی طرف انسانیت کو متوجہ کیا۔"[1]

ڈاکٹر گبن DOCTOR GOBBIN

---

[1] ملاحظہ فرمائیے "ہیروز اینڈ ہیروز شپ" یہ کتاب مسٹر تھامس کارائل (برطانوی) نے ۱۸۴۶ء میں تحریر کی۔

ڈاکٹر گبن اپنی تالیف "انحطاط و زوال سلطنت روما" میں رقمطراز ہیں،

"قرآن کی نسبت بحر اٹلانٹک سے لے کر دریائے گنگا تک نے تسلیم کر لیا ہے کہ وہ واضح راستہ ہے اور ایسے دانشمندانہ اصول اور عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب شدہ ہے کہ اس کی نظیر پوری کائنات میں کہیں نہیں مل سکتی۔"

ڈاکٹر گبن مزید تحریر کرتے ہیں،

قرآن وحدانیت کا سب سے بڑا گواہ ہے۔ ایک توحید پرست فلسفی اگر کوئی مذہب قبول کر سکتا ہے تو وہ مذہب اسلام ہی ہے۔ غرض پوری کائنات میں قرآن پاک کی نظیر نہیں مل سکتی۔" [1]

مسٹر مارماڈیوک پکتھال MR. MARMA DUKE PICKTHAL

مسٹر مارماڈیوک پکتھال (برطانیہ) نے "اسلام اینڈ ماڈرن ازم" پر بحث کرتے ہوئے ثابت کیا:

"وہ قوانین جو قرآن (مجید) میں درج ہیں اور پیغمبر اسلام (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) نے سکھائے، وہی اخلاقی قوانین کا کام دے سکتے ہیں اور اس کتاب کی سی کوئی کتاب صفحۂ عالم پر موجود نہیں۔"

مسٹر والٹر MR. WALTER

مشہور فرانسیسی مورخ مسٹر والٹر تہذیب اسلام پر بحث کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں،

"(اے) پادریو! اے راہبو! اور اے مجاورو! اگر تم کو ماہِ جولائی میں (جبکہ ماہِ رمضان اس مہینہ میں آئے) وقتِ مقررہ تک کم پر کھانے پینے کی ممانعت کا قانون عائد کر دیا جائے۔

---

[1] انحطاط و زوال سلطنتِ روما" از ڈاکٹر گبن ۱۲

شراب حرام کر دی جائے۔ تپتے ہوئے صحراؤں سے گزر کر حج کو جانے کے لیے کہا جائے۔ اپنی آمدنی کا اڑھائی فیصد غریبوں میں تقسیم کرنے کا حکم دے دیا جائے۔ اگر تم اٹھارہ عورتوں کی رفاقت کا لطف اٹھاتے ہوں، ان میں سے چودہ یک لخت کم کر دی جائیں، تو کیا آپ ایمانداری سے یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ ایسا مذہبِ اسلام عیش پرست ہے؟ . . . میں پھر کہتا ہوں کہ وہ لوگ جاہل اور بے عقل ہیں جو مذہبِ اسلام پر تہمت تراشی اور الزام عائد کرتے ہیں۔" [۱]

ریو سبٹنیس کے تاثرات

"سب سے پہلے اس حقیقت کا اعتراف بلا تکلف کر لینا چاہیے کہ اپنی قوم کے لیے حضرت، محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات بڑے احسانات کا موجب تھی۔ وہ اس ملک میں پیدا ہوئے، جہاں سیاسی تنظیم، معقول عقائد اور پاکیزہ اخلاق سے کوئی شناسا نہ تھا۔ انہوں (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے یہ تین چیزیں پیدا کر دیں۔ انہوں نے اپنی ذہانت سے بیک وقت سیاسی حالت، مغربی عقائد اور ضابطۂ اخلاق کی اصلاح کر دی آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے مختلف قبیلوں کی جگہ انہیں ایک قوم بنا دیا۔ مختلف دیوتاؤں اور آقاؤں کی جگہ ایک خدا پر ایمان لانے کی تعلیم دی اور بڑی بڑی معیوب اور قبیح رسومات کو بیخ و بُن سے اکھیڑ دیا۔ جوں جوں اسلام اپنے قدم عرب کی سرزمین سے باہر رکھتا گیا کئی وحشی قومیں جنہیں اس نے اپنی آغوش میں لیا۔ نعمائے اسلام کی وارث بنتی چلی گئیں۔ اسلام (نوعِ انسانی کے لیے) برکات کا موجب، تاریکی سے نور اور شیطان سے خدا تعالیٰ کی طرف لوٹانے کا باعث ہے۔" [۲]

---

[۱] بحوالہ "محمد رسول اللہ" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

[۲] ایضاً، ص ۲۸۴

جارج ریواری کے تاثرات

"اسلام میں اس دنیا کے لیے پیغامِ نجات و سعادت تھا، جو ذہنی اور جسمانی مصائب میں مبتلا تھی اور دوسروں کی غلامی نے جسے چکنا چور کر دیا تھا۔ اس (اسلام) نے عدل و انصاف کے عصرِ جدید کا اعلان کیا، جس عالمگیر حکومت کی بنیاد اسلام نے رکھی، اس میں نسلی امتیاز کا کوئی دخل نہ تھا۔ اس کا ایک ہی قانون تھا۔ سب کے لیے یکساں عدل اور محبت اسی عظیم حقیقت کو جتنی مرتبہ بھی دُہرایئے کم ہے کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نہ صرف ایک عظیم القدر مذہب کے پیغامبر تھے کہ جس نے اس دُنیا کی روحانی تسکین کا سامان فراہم کیا، بلکہ وہ ایک ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی انقلاب کے معلّم تھے کہ جس کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔" [1]

مسٹر جارج سیل کے تاثرات

مسٹر جارج سیل نے قرآن پاک کا انگریزی میں ترجمہ کرتے ہوئے حاشیہ میں لکھا:

"محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کامل طور پر فطری قابلیتوں سے آراستہ تھے، شکل میں نہایت ہی خوبصورت، فہیم اور دُور رس عقل والے، پسندیدہ وخوش اطوار، غربا پرور، ہر ایک سے متواضع، دشمنوں کے مقابلہ میں صاحبِ شجاعت و استقلال۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا (تعالیٰ جل شانہٗ) کا اسمِ گرامی نہایت ادب و احترام سے لینے والے تھے۔ جھوٹی قسمیں کھانے والوں، زناکاروں، سفاکوں (ظالم خونخواروں) جھوٹی تہمت لگانے والوں، فضول خرچی کرنے والوں، لالچیوں اور جھوٹی گواہی دینے والوں کے خلاف نہایت سخت تھے۔ (آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام) بُردباری، صبرو استقامت، صدقہ و خیرات، رحم و کرم، شکرگزاری، والدین اور بزرگوں کی

---

[1] محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

تعظیم کی نہایت تاکید فرمانے والے اور خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء میں نہایت کثرت سے مشغول رہنے والے تھے۔" [1]

مسٹر ایس ۔ پی اسکاٹ MR.S.P.ASCOT

مشہور مستشرق مسٹر ایس ۔ پی اسکاٹ اپنی تالیف "ہسٹری آف دی مورش ایمپائر ان یورپ" میں لکھتے ہیں:

"ہمیں چاہیے کہ اس عظیم مذہب (اسلام) کی سُرعت، ترقی اور اس کے نہ مٹنے والے اثرات کی قدر کریں کہ جو ہر جگہ امن و امان، دولت و حشمت، فرح و سرور اپنے ساتھ ساتھ لے گیا۔" [2]

پروفیسر ہٹن سمتھ PROF.HATTIN SMITH

مسٹر روڈویل کے ترجمۂ قرآن میں پروفیسر ہٹن سمتھ نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے تحریر کیا:

"جیسا کہ حقیقت ہے یسوع مسیح کا کام نامکمل حالت میں چھوڑا گیا تھا۔ انجیل کا نزول کسی اور استاد کے لیے ہوا جو اس کے اخلاقی قوانین کو ترتیب دے۔ قرآن شریف روحانی مشقوں اور اعمال کی کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاقی و قانونی ضابطہ کا ایک عظیم ترین مجموعہ ہے۔" [3]

اور خود مسٹر روڈویل تحریر کرتے ہیں:

"اس (قرآن پاک) میں بہت سے (بلکہ سب کے سب) مضامین قابلِ احترام اور گہری اخلاقی سنجیدگی کے حامل پائے جاتے ہیں، جن میں کثیر المعانی اور پُر مغز الہامی دانائی پائی جاتی ہے۔ اس

---

[1] انگریزی ترجمۂ قرآن از جارج سیل [2] ہسٹری آف دی مورش ایمپائر ان یورپ HISTORY OF THE MORISH EMPIRE IN EUROPE

[3] ترجمہ قرآن از مسٹر ریونیو جے ایم روڈیل J.M.RODWIL

(قرآن) نے ثابت کر دکھایا ہے کہ اس میں ایسے ایسے مواد اور قوانین پائے جاتے ہیں کہ جن کے بل بوتے پر مضبوط اور فاتح حکومتیں بنائی جا سکتی ہیں۔ ؎۱

مسٹر اینی بینٹ

مسٹر اینی بینٹ اپنی تالیف "دی لائف اینڈ ٹیچنگ آف محمد" میں رقمطراز ہیں،

"یاد رکھیے! اسلام کا قانون موجودہ زمانہ تک جبکہ اس کے بعض حصوں پر انگلینڈ میں بھی عملدر آمد شروع ہو گیا ہے۔ خصوصاً عورتوں کے حق میں دُنیا بھر میں اسے سب سے زیادہ منصفانہ قانون تسلیم کیا جا چکا ہے۔ اس قانون میں جہاں تک جائیداد کا تعلق ہے یا طلاق کے معاملات کا حل کرنا ہے۔ یہ قانونِ اسلام، مغربی قانون سے بہت سبقت لے چکا ہے، اس میں عورت کے تمام حقوق کا خیال رکھا گیا ہے۔" ؎۲

تنبیہ: اس جگہ مغرب زدہ مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ ایک غیر مسلم (انگریز) تو قانونِ اسلام کو مغربی قوانین سے اعلیٰ خیال کرتا ہے، مگر صد حیف ہے اس مغربی تہذیب کے پرستار مسلمان پر کہ جو اسلامی قوانین پر مغربی قوانین کو ترجیح دیتا ہے۔ یا للعجب؟

ڈاکٹر موریس

ڈاکٹر موریس فرانس کے معروف دانشور گزرے ہیں، وہ لکھتے ہیں،

"قرآن کی سب سے بڑی تعریف اس کی فصاحت و بلاغت ہے۔ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے۔ اس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے ساری دنیا کے بڑے بڑے انشاء پرداز و شاعر سر جھکا دیتے ہیں۔ رُوم کے عیسائیوں کو جو کہ ضلالت کے گڑھے میں گرے پڑے

؎۱ ترجمہ قرآن از مسٹر ریونیچے ایم سڈیل ؎۲ "دی لائف اینڈ ٹیچنگ آف محمد"

تھے، کوئی چیز نہیں نکال سکتی تھی۔ سوائے اس آواز کے کہ جو غارِ حرا سے نکلی۔"

پروفیسر پی۔ کے ہیٹی

پروفیسر پی۔ کے ہیٹی اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"قرآن پاک محض مذہب کا دل اور خدائی حکومت کا راستہ دکھانے والی کتاب ہی نہیں، بلکہ یہ سائنس اور سیاسی دستاویزات کا شاندار مجموعہ ہے جس میں زمین پر خدائی حکومت (کی تشکیل) کے لیے قوانین درج ہیں۔[1]

باباگورونانک

باباگورونانک کا نام محتاجِ تعارف نہیں۔ ضلع لاہور کے تلونڈی نامی گاؤں میں کالو کھتری کے ہاں پیدا ہوئے۔ باباگورونانک سکھوں کے مذہبی راہنما ہیں۔ انہوں نے اسلام اور ارکینِ اسلام کی تعریف و توصیف میں بہت لکھا ہے۔ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

عدد گنو جس انچھر کے کر دو چوگنا تا ۔۔۔ دو ملا تیو پنج گُن کیجو کاٹو بیس بنا

نانک بچے تو نو گنے دو اس میں اور ملا ۔۔۔ اس بدھر کے نام سے محمد نام بنا

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)

یعنی کوئی بھی مکمل عدد لے لیجئے (اس میں کوئی کسر نہ ہو) اُسے چار سے ضرب دے کر اُس میں ۲ جمع کر کے پانچ سے ضرب دیجئے، پھر حاصل ضرب کو بیس پر تقسیم کیجئے۔ جو عدد باقی بچ جائے اُسے ۹ سے ضرب دے کر ۲ جمع کر دیجئے۔ اس طرح جواب "۹۲" آجائے گا اور "۹۲" حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ابجد ہیں۔[2]

---

[1] "عربوں کی مختصر تاریخ" مصنف پی۔ کے۔ ہٹی [2] نیز ملاحظہ فرمایئے اسی کتاب کا صفحہ نمبر ۲۵۲

سوامی لکشمن جی مہاراج

یہ ایک معروف صاحبِ قلم ہیں۔ حضور باعثِ تخلیقِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق انہوں نے ایک کتاب بنام "عرب کا چاند" تصنیف کی، اس میں حضور سیدِ عالم رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی روز افزوں ترقی کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں :

" نیک اور بلند خیالات کبھی فنا نہیں ہو سکتے۔ ان کی اہمیت سے اگر دنیا آج غافل ہے تو کل غافل نہیں رہے گی۔ جلد یا بدیر وہ اپنا اثر ضرور دکھائیں گے۔ یہی بات تبلیغِ اسلام کے معاملہ میں بھی ہوئی۔ جن لوگوں نے ابتداء میں اسلام کا مضحکہ اڑایا تھا، وہ بھی آخر کار اس کے جھنڈے تلے آگئے اور جُوں جُوں دن، مہینے اور سال گزرتے گئے اسلامی تعلیمات اپنی بلند پروازی، اہمیت اور ہمہ گیری کی بدولت عام ہوتی گئیں اور اب بھی ان کے ماننے والوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ مردم شماری کے اعداد و شمار اس کے دعویٰ کی صداقت پر شاہد عادل ہیں۔[1]

ڈاکٹر کیتھ ایل مور

ڈاکٹر مور کی تحقیق اور بیان تفصیلاً کتاب ہذا کے ص۱۲۱ پر گزر چکا ہے تاہم یہ انٹرویو بھی اس باب سے بطورِ خاص متعلق ہے : "ڈاکٹر مور نے کہا کہ جنین کی پہلے ۲۸ دنوں کی ترقی کی قرآنی تفاصیل میں اس قدر صحیح تصویر کشی کی گئی ہے کہ وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ڈاکٹر مور نے کہا کہ انہیں یقین ہے کہ قرآنی آیات اور احادیثِ نبوی سائنس اور مذہب میں حائل خلیج کو دور کرنے میں مدد دیں گی۔ ڈاکٹر مور نے کہا کہ انہوں نے بائیبل کا نیا اور پرانا عہد نامہ پڑھا ہے لیکن انہیں کوئی حصہ قرآنی آیات کے ہم پلہ نہیں ملا۔"[2]
نیز ڈاکٹر مور نے یہ بھی کہا: "مغربی ماہرین کو انسانی ارتقاء کے بارہ میں جو کچھ صرف پندرہ سال قبل معلوم ہوا ہے، وہ کچھ ساتویں صدی میں قرآن پاک میں سائنس کے اصولوں کے عین مطابق صحیح صحیح دیکھ کر حیران رہ گیا ہوں۔"[3]

---

[1] "عرب کا چاند" از سوامی لکشمن جی مہاراج [2] روزنامہ جنگ، لاہور ۵ جنوری ۱۹۸۵ء [3] ایضاً، ۲۳ دسمبر ۱۹۸۴ء

باب ہشتم

بارگاہِ خیر الانام امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام میں غیر مسلم شعراء کا ہدیۂ عقیدت[1]

○

نعلینِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

جناب کالکا پرشاد

چاند سورج کو کوئی ہاتھوں پہ مرے لا دے
کونین کی دولت میرے دامن میں چھپا دے
پھر کالکا پرشاد سے پوچھے کہ تو کیا لے؟
تو نعلینِ محمد کو وہ آنکھوں سے لگا لے
(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

---

[1] ارمغانِ نعت، نذرانۂ عقیدت، محمد رسول اللہ، ہفت روزہ الاعتصام، ماہنامہ ضیائے حرم، روزنامہ مشرق، لاہور، روزنامہ امروز لاہور، ہفت روزہ ترجمان، ماہنامہ شام و سحر کا نعت نمبر، ہفت روزہ خدام الدین لاہور سے متفرق کلام جمع کیا گیا ہے۔

نامِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(کبیرداس بنارسی)

کبیرداس نے ایک عجیب و غریب قطعہ کہا تھا، جس میں ایک ایسا قاعدہ بیان کیا ہے، جس کی رُو سے دُنیا کے تمام الفاظ اور جملوں سے "محمد" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کا عدد (۹۲) برآمد ہوگا۔ یہ قطعہ اس تاثر کا غماز ہے کہ دُنیا جہان کی کوئی چیز نامِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) سے خالی نہیں۔ قطعہ یہ ہے ؎

عدد نکالو ہر چیز سے چوگن کرلو وائے
دو ملا کے پچگن کرلو بیس کا بھاگ جگائے
باقی بچے کے نوگن کرلو دو اس میں اور ملائے
کہت کبیر سنو بھی سادھو نام محمد آئے

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

وضاحت: کبیرداس بنارسی اور باباگورونانک دونوں نے ہی اس ۹۲ عدد والے فارمولے کا اپنے اپنے اشعار میں ذکر کیا ہے۔ باباگورونانک کے اشعار آپ اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۳۵۰ پر پڑھ چکے ہیں، جبکہ یہ اشعار کبیرداس بنارسی کے ہیں۔ دونوں میں ایک ہی فارمولے کا ذکر کیا گیا ہے۔

کملی والے مجھے کملی میں چھپالے آجا

سرور جہان آبادی، منشی درگا سہائے

دلِ بے تاب کو سینے سے لگالے آجا — کہ سنبھلتا نہیں کم بخت سنبھالے آجا
پاؤں ہیں طولِ شبِ غم نے نکالے آجا — خواب میں زلف کو مکھڑے سے لگالے آجا
بے نقاب آج گیسوؤں والے آجا

نہیں خورشید کو ملتا ترے سائے کا پتا — کہ بنا نورِ ازل سے ہے سراپا تیرا
اللہ اللہ ترے چاند سے مکھڑے کی ضیا — کون ہے ماہِ عرب، کون ہے محبوبِ خدا
اے دو عالم کے حسینوں سے نرالے آجا

دل ہی دل میں ارمان گھلے جاتے ہیں — خاک پر گر کے دُرِ اشک رُلے جاتے ہیں
تیری رسوائی پہ کم بخت تکے جاتے ہیں — ہوں سیہ کار مرے عیب کھلے جاتے ہیں
کملی والے مجھے کملی میں چھپالے آجا

رہائے واماندگیٔ وسعتِ دامانِ صراط — المدد المدد اے خضرِ بیابانِ صراط
ہر قدم پر نگہِ یاس ہے یارانِ صراط — دیکھتے ہیں تجھے مڑ مڑ کے ضعیفانِ صراط
ڈگمگاتے ہیں قدم، کون سنبھالے آجا

کان میں کچھ جو ادھر عذرِ نزاکت نے کہا — مرحبا بڑھ کے ادھر شاہدِ وحدت نے کہا
آ بلائیں تری لوں جوشِ محبت نے کہا — پہنچا محبوب تو مشاطۂ قدرت نے کہا
خلوتِ راز میں اے ناز کے پالے آجا

عظیم الشان ہے شانِ محمد

(دلو رام کوثری[1])

عظیم الشان ہے شانِ محمد ۔۔۔ خدا ہے مرتبہ دانِ محمد
کُتب خانے کئے منسوخ سارے ۔۔۔ کتابِ حق ہے قرآنِ محمد
نبی کے واسطے سب کچھ بنا ہے ۔۔۔ بڑی ہے قیمتی جانِ محمد
شریعت اور طریقت اور حقیقت ۔۔۔ یہ تینوں ہیں کنیزانِ محمد
فرشتے بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم ہیں ۔۔۔ غُلامانِ غُلامانِ محمد
نبیؐ کا نطق ہے نطقِ الٰہی ۔۔۔ کلامِ حق ہے فرمانِ محمد
خدا کا نور ہے نورِ پیمبر ۔۔۔ خدا کی شان ہے شانِ محمد
ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ ۔۔۔ یہی ہیں چار یارانِ محمد
علیؓ ان میں وصیِ مصطفےٰ ہے ۔۔۔ علیؓ ہے رنگِ بُستانِ محمد
علیؓ و فاطمہؓ شبیرؓ و شبرؓ ۔۔۔ بسا ان سے گلستانِ محمد

بتاؤں کوثری کیا شغل اپنا
میں ہوں ہر دم ثنا خوانِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

---

[1] کوثری پر ساقیٔ کوثر کی نظرِ کرم، دلو رام کوثری نہایت محبت سے نعت کہتے تھے۔ بعض تنگ نظر اور متعصب ہندو کوثری کی نعت گوئی کے شدید مخالف ہو گئے، مگر کوثری کو اس ملامت اور طعنہ زنی کی کچھ پروا نہیں تھی، وہ برابر نعت میں مدح سرا رہے اور آخر انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور کوثر علی کوثری ہو گئے۔ ان کا مزار غالباً لاہور کے مشہور قبرستان میانی صاحب میں ہے۔ (ماہنامہ شام و سحر لاہور نعت نمبر)

ہو شوق نہ کیوں نعتِ رسولِ دوسرا کا

کیفی دھلوی، پنڈت برجموھن دتاتریہ

ہو شوق نہ کیوں نعتِ رسولِ دوسرا کا
مضمون ہو عیاں دل میں جو لولاک لما کا

تھی بعثتِ محمود خداوند کو منظور
تھا پھل وہ بشارت کا نتیجہ نہ دُعا کا

پہنچایا ہے کس اوجِ سعادت پہ جہاں کو
پھر رُتبہ ہو کم عرش سے کیوں غارِ حرا کا

معراج ہو مومن کو نہ کیوں اس کی زیارت
ہے خلدِ بریں روضۂ پُرنور کا خاکا

دے علم و یقیں کو مرے رفعتِ شہِ عالم
نام اُونچا ہے جس طرح حِرا اور صفا کا

یوں روشنی ایماں کی دے دل میں کہ جیسے
بطحا سے ہوا جلوہ فگن نورِ خدا کا

ہے حامیٔ و ممدوح مرا شافعِ عالم
کیفیؔ مجھے اب خوف ہے کیا روزِ جزا کا

کہہ دل کا حال شاہِ رسالتمآب سے

(عرشؔ ملسیانی، پنڈت بالمکند بی۔اے)

کہہ دل کا حال شاہِ رسالت مآب سے
ہو بے نیاز ذکرِ عذاب و ثواب سے

دل کو اگر ہے چاند بننے کی آرزو
کر اکتسابِ نور اسی آفتاب سے

ذکرِ نبیؐ کروں گا تو کہہ دوں گا حشر میں
لایا ہوں ارمغاں یہ جہانِ خراب سے

سجدہ گزار ہو کے درِ مصطفےٰ پہ تو!
ہو ملتجی کرم کا خدا کی جناب سے

کہتی ہے خلق مجھ کو خدا یا تی نبیؐ
اچھا کوئی خطاب نہیں اس خطاب سے

کیفِ خیالِ شاہِ رسالت سے مست ہو
بڑھ کر کوئی شراب نہیں اس شراب سے

ہونا ہے عرشؔ دولتِ دیں سے جو بہرہ ور
تو بھی رجوع کر شہِ دیں کی جناب سے

تکمیلِ معرفت ہے محبتِ رسولؐ کی

سحر، کنور مہندر سنگھ بیدی

تکمیلِ معرفت ہے محبت رسولؐ کی
ہے بندگی خدا کی اطاعت رسولؐ کی

ہے مرتبہ حضورؐ کا بالائے فہم و عقل
معلوم ہے خدا ہی کو عزت رسولؐ کی

تسکینِ دل ہے سرورِ کون و مکاں کی یاد
سرمایۂ حیات ہے اُلفت رسولؐ کی

انسانیت، محبتِ باہم، تمیز، عقل
جو چیز بھی ہے سب ہے عنایت رسولؐ کی

فرمانِ رب پاک ہے، فرمانِ مصطفےٰ
احکامِ ایزدی ہیں ہدایت رسولؐ کی

اتنی سی آرزو ہے بس اے ربِ دو جہاں
دل میں رہے سحرؔ کے محبت رسولؐ کی

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)

نبیِ مکرم، شہنشاہِ عالی

بھگوان، دانا بھگوان داس بی اے

نبیِ مکرم، شہنشاہِ عالی
بہ اوصافِ ذاتی و شانِ کمالی

جمالِ دو عالم تیری ذاتِ عالی
دو عالم کی رونق تری خوش جمالی

خدا کا جو نائب ہوا ہے یہ انساں
یہ سب کچھ ہے تیری ستودہ خصالی

تو فیاضِ عالم ہے داتائے اعظم
مبارک ترے در کا ہر اک سوالی

نگاہِ کرم ہو، نواسوں کا صدقہ
ترے در پہ آیا ہوں بن کر سوالی

میں جلوے کا طالب ہوں اے جانِ عالم
دکھا دے دکھا دے وہ شانِ جمالی

ترے آستانہ پہ میں جان دوں گا
نہ جاؤں نہ جاؤں نہ جاؤں گا خالی

تجھے واسطہ حضرتِ فاطمہؓ کا
میری لاج رکھ لے دو عالم کے والی

نہ مایوس ہونا یہ کہتا ہے بھگوان
کہ جودِ محمد ہے سب سے نرالی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

دربارِ محمّد

دِتو دام کوثری

شہنشاہِ اعظم محمّد محمّد	رسولِ دو عالم محمّد محمّد
زباں کا یہی ہے اشارہ لبوں پر	کہیں مِل کے باہم محمّد محمّد
الٰہی میرے منہ میں جب تک زباں ہو	زباں پر ہو ہر دم محمّد محمّد

اللہ غنی رد نقِ بازارِ محمّد	معبودِ جہاں بھی ہے خریدارِ محمّد
سُنتا ہوں کہ کہتے ہیں یہی دیکھنے والے	اللہ کا دربار ہے دربارِ محمّد
کچھ عشقِ محمّد میں نہیں شرطِ مسلماں	ہے کوثری ہندو بھی طلبگارِ محمّد

مجھے لوگ کہتے ہیں دیوانہ تیرا	کہوں اور کیا ماجرا یا محمّد
خدا تیرا عاشق، تو عاشق خدا کا	میں تم دونوں پر ہوں فدا یا محمّد
تیرا کوثری رہتا ہے ہندوؤں میں
ہے ظلمت میں آبِ بقا یا محمّد

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

ثانی کوئی نہیں پسِ داور رسُول کا

(دِتّو رام کوثری)

اوّل ہے سب رسولوں میں نمبر رسول کا
ثانی کوئی نہیں پس، داور رسولؐ کا
اب تک نشاں قمر میں ہے انگشتِ شاہ کا
یہ معجزہ جہاں میں ہے اظہر رسولؐ کا
مِصر و عرب میں، رُوم میں، ایران و ہند میں
پھیلا جہاں میں علم سراسر رسولؐ کا
کیوں کوثری مجھے ہو طلب عزّ و جاہ کی
کیا کم ہے یہ شرف ہوں ثنا گر رسولؐ کا

مَرحبا مُصطفےٰ مَرحبا مُصطفےٰ

(دانا بھگوان داس بھگوان)

عرشِ حق کی طرف جب چلے مجتبےٰ
جلوہ آرا تھا ہر سمت نورِ خدا
کہکشاں سے بنا اک نیا راستہ
فرشِ خاکی سے تا سِدرۃ المنتہیٰ
عرشِ اعظم سے آنے لگی یہ صدا
مَرحبا مصطفےٰ، مَرحبا مصطفےٰ
شانِ معراج سے بس یہ عقدہ کھُلا
مرکزِ عشق ہیں خاتم الانبیا
لا نبی بعدی ہے قولِ محبوبِ حق
وِرد اس کا ہے بھگوان صبح و مسا

صلیّ اللہ علیہ وآلہ وسلم

تُوئی جانِ دو عالم نُورِ یزداں یارسول اللہ

(رانا بھگوان داس بھگوان بی اے ادیب فاضل منشی فاضل)

تُوئی جانِ دو عالم نورِ یزداں یارسول اللہ
تُوئی سترِ وجودِ بزمِ امکاں یارسول اللہ

تُوئی خاتم، تُوئی سیّد، تُوئی سرور، تُوئی آقا
تُوئی سُلطانِ عالم، شاہِ شاہاں یارسول اللہ

جمیلِ عالمِ اِمکاں، جمالِ حضرتِ دوراں
تُوئی حُسنِ دو عالم، جانِ جاناں یارسول اللہ

تُوئی نازِ جہانی، نازشِ آیاتِ قرآنی
متاعِ فخرِ آدم، نازِ دوراں یارسول اللہ

تُوئی رہبر، تُوئی مرشد، تُوئی ہادی، تُوئی مُرسل
امیرِ انتقیاء، شاہِ رسولاں، حبیبی یارسول اللہ

امامِ عاشقاں و سجدہ گاہِ قدسیاں باشی
تُوئی شانِ وجودِ ربِّ سُبحاں یارسول اللہ

تُرا دیدم، تُرا دیدم، جمالِ کبریاء دیدم
عیاں شد حق زعکسِ رُوئے تاباں یارسول اللہ

تُوئی مطلوبِ بھگواں اے حبیبِ ربِّ سُبحانی
نگاہِ لُطف بر حالِ غریباں یارسول اللہ

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

توئی سید، توئی آقا، توئی خواجہ توئی مولا

بھگوان داس بھگوان بی۔اے

شہنشاہِ دوعالم سیدِ کُل انبیاء ہستی
بہ ایں دنیائے امکاں مظہرِ نورِ خدا ہستی
توئی سید، توئی آقا، توئی خواجہ توئی مولا

بحقِ مرشد، بدلِ ہادی امامِ اتقیاء ہستی
توئی شمس الضحیٰ، بدرُالدجیٰ و چشمِ حق بیناں
ہمہ قرآں، ہمہ یٰسین، ہمہ قرآں نما ہستی
توئی در خلوتِ یزداں، توئی درصورتِ آدم
رئیسِ اولیاء ہستی، امیرِ اصفیاء ہستی
توئی درعشقِ ابراہیم واسماعیل تاباں شد
بجاہ وسطوتِ موسیٰ، جلالِ انبیاء ہستی
توئی درعفتِ یوسف، توئی درعصمتِ عیسیٰ
بہ شانِ صبرِ ایوبی، جمالِ اصفیاء ہستی

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

وہ بُقعہ نور، وہ مدینہ

(رام چند قیس جالندھری)

وہ ابرِ فیض نعیم بھی ہے
نعیم رحمت شمیم بھی ہے
شفیق بھی ہے، خلیق بھی ہے
رحیم بھی ہے کریم بھی ہے

وہ علم و عرفاں کا ہے مدینہ
خزینۂ راز اس کا سینہ
وہ پیکرِ نورِ سرمدی ہے
وہ حسنِ خلقِ عظیم بھی ہے

کوئی یہ اُس کا وقار دیکھے
پھر اُس پہ یہ انکسار دیکھے
سرِ مبارک پہ تاجِ اطہر
اور دوش پر اک گلیم بھی ہے

وہ بقعۂ نور، وہ مدینہ
حضور خلوت نشیں ہیں جس میں
نعیمِ خلدِ بریں بھی اُس میں
وہ رشکِ خلدِ نعیم بھی ہے

ہوا جو طیبہ سے آ رہی ہے
ہر اک کلی کو کھلا رہی ہے
یہی ہوا ہے نسیمِ رحمت
یہی لطافت شمیم بھی ہے

جنابِ موسیٰ کلیم بھی تھے
میں بھی مانتا ہوں کلیم اُن کو!
مرے پیمبرؐ کا ہے یہ رتبہ
خلیل بھی ہے، کلیم بھی ہے

یہ آپ کے قیس کا ہے ایماں
حضورؐ ہیں رہنمائے انساں
حضورؐ کا جو نہیں ہے قائل
شقی بھی ہے وہ لئیم بھی ہے

پھولے پھلے گا نخلِ گلستانِ مصطفیٰ

(امر چند قیس جالندھری)

یہ شان، یہ وقار ہے شایانِ مصطفیٰ
قرآن میں خدا ہے ثنا خوانِ مصطفیٰ

ہر بلبلِ چمن ہے ثنا خوانِ مصطفیٰ
ہر گل ہزار دل سے ہے قربانِ مصطفیٰ

مجھ کو طلب نہیں ہے کسی خضرِ راہ کی
جب تک ہے میرے ہاتھ میں دامانِ مصطفیٰ

سائل ہیں اُس کے در کے سلاطین باوقار
حاصل ہے جس کو رتبۂ دربانِ مصطفیٰ

بادِ خزاں کہ بادِ مخالف چلے ہزار
پھولے پھلے گا نخلِ گلستانِ مصطفیٰ

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)

نعتِ احمد ہے زبانِ خامہ تحریر پر
ناز کرتا ہے مصوّر آپ کی تصویر پر

قبلۂ رُوحانیاں ہے آپ کی آرام گاہ
ناز ہے طیبہ کو اپنی خوبیٔ تقدیر پر

بزمِ عالم ہے ضیاء بار آپ کی تنویر سے
صد چراغِ طور قربان آپ کی تنویر پر

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

(پنڈت ہری چند اختر ایم اے)

کس نے ذرّوں کو اُٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو مِلایا اور دریا کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُرِّ یتیم
اور غلاموں کو زمانہ بھر کا مولا کر دیا
زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ! موت کو کِس نے مسیحا کر دیا
سات پردوں میں چھُپایا، حُسنِ کائنات کو
اب کِسی نے اس کو عالم آشکارا کر دیا
شوکتِ مغرور کا کس شخص نے توڑا طلسم
منہدم کِس نے الٰہی، قصرِ کسرٰی کر دیا
کہہ دیا لَا تَقْنَطُوْا اختر کِسی نے کان میں
اور دل کو سر بسر محوِ تمنا کر دیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیّا کر دیا
"اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا"

اِک نام خدا کا ہے، اِک نام محمدؐ کا

(راجندر بہادر موج بی۔ اے، ایل ایل بی)

خالق نے سنوارا ہے ہر کام محمّد کا
گر تُوں کا سہارا ہے اک نام محمّد کا

حضرت کی صداقت کی عالم نے گواہی دی
پیغامِ الٰہی ہے پیغام محمّد کا

خُم خانۂ وحدت ہے قرآن جسے چاہیے
لبریزِ مئے عرفاں ہر جام محمّد کا

ہر مذہب و ملّت پر یکساں ہے کرم جاری
ہے سب کے لیے رحمت اسلام محمّد کا

اوہام کی ظلمت میں اک شمعِ ہدایت ہے
بھٹکی ہوئی دنیا کو پیغام محمّد کا

تصویرِ حقیقت ہے، اک درسِ محبّت کا
ہر بات محمّد کی، ہر کام محمّد کا

اے موج سہارے کو طوفانِ حوادث میں
اک نام خدا کا ہے، اک نام محمّد کا

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

ایک انسان ہوا سدرہ نشین آج کی رات

راجندر بہادر موج بی۔اے، ایل۔ ایل۔بی

نور ہی نور ہے تا عرشِ بریں آج کی رات
راستہ تکتے ہیں جبریلِ امیں آج کی رات

ہیں وہی پھول، وہی روز کے ماہ و انجم
جانے کیوں لگتی ہے ہر چیز حسین آج کی رات

بن کے گہوارۂ مطلوب دو عالم یہ زمیں
بڑھ گئی چاند ستاروں سے کہیں آج کی رات

دیکھ کر عرش پہ محبوبِ خدا کی آمد
رک گئی گردشِ افلاک و زمیں آج کی رات

ایک لمحے میں سفر اور زمین سے تا عرش
ایک انسان ہوا سدرہ نشین آج کی رات

جلوہ افروز ہے وہ نورِ مبیں نورِ عالم
عرش اور فرش میں کچھ فرق نہیں آج کی رات

مذہب و قوم سے محدود نہیں فیضِ رسول
جھک گئی سارے زمیں کی جبیں آج کی رات

تھی جہاں بارشِ انوار، زمیں سے تا عرش
کاش ہوتا دلِ ناداں بھی وہیں آج کی رات

عید میلاد النبیؐ کی بزم ہے آراستہ

چاند بہاری لال صبا جے پوری

عید میلاد النبیؐ کی بزم ہے آراستہ
آج ہونا چاہیے اظہارِ شانِ مصطفےٰؐ

اب مرا دامن نہیں ہے دامن رحمت سے کم
آ پڑی ہے اس پہ خاکِ آستانِ مصطفےٰؐ

ہم دکھا دیں گے تمہیں کعبہ ادھر آتا ہوا
جس طرف سجدہ کریں گے عاشقانِ مصطفےٰؐ

آخر انساں ہے صبا تو یہ ملائک کہتے ہیں
ہو نہیں سکتا بیانِ عزو شانِ مصطفےٰؐ

کسی بیکس نے جب تم کو پکارا یا رسول اللہ

چاند بہاری لال صبا، جے پوری

تصور باندھ کر دل میں تمہارا یا رسول اللہ
خدا کا کر لیا ہم نے نظارا یا رسول اللہ

خدا کا وہ نہیں ہوتا، خدا اس کا نہیں ہوتا
جسے آتا نہیں ہونا تمہارا یا رسول اللہ

زمیں پر آ لگے خورشیدِ محشر میں تو ان کو کیا
ہے جن پر سایۂ دامن تمہارا یا رسول اللہ

خدا کا بحرِ رحمت اس قدر کیوں جوش میں آیا
کسی بیکس نے جب تم کو پکارا یا رسول اللہ

خدا کا نام لے لے کر جو بس آیا، وہ لکھ لایا
مجھے کب نعت لکھنا ہے یارا یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)

دُنیا کو تم نے آکر پُر نور کر دیا ہے

شام سندر داس کاشمیری

دُنیا کو تم نے آکر پُر نور کر دیا ہے — اور ظلمتوں کو یکسر کافور کر دیا ہے
غارِ حرا سے نکلیں یہ نُور کی شعاعیں — تاریک وادیوں کو پُر نور کر دیا ہے
اک بار تو دیارِ طیبہ کو دیکھ لیتا — پابندیِ جہاں نے مجبور کر دیا ہے
پیغامِ حق سُنا کر مسرور کر دیا ہے — وحدت کی مے پلا کر مخمور کر دیا ہے
فاراں کی چوٹیوں پر وہ آفتاب چمکا — چشمِ فلک کو جس نے مسحور کر دیا ہے

ناصر سے کیا رقم ہو وہ شان ہے تمہاری
جس نے گداگروں کو فغفور کر دیا ہے

دُنیا کو روشن کر گئی

شام سندر داس کاشمیری

یونہی تھیں طاری شورشیں — یونہی تھیں برپا وحشتیں
نکلی صحرا کے غار سے — یا دامنِ کہسار سے
اک روشنی، اک زندگی — مشعل ہدایت کی بنی

اور نور برساتی ہوئی
دُنیا کو روشن کر گئی

جو ہمارے پاس ہے وہ آپ کا ہے یا نبی

لالہ بیلی رام، رؔام کشمیری

جو ہمارے پاس ہے، وہ آپ کا ہے یا نبی
جانِ شیریں آپ کی، دل آپ کا سر آپ کا
آپ ہی محبوبِ مولا، شافعِ محشر ہیں آپ
آپ ہی تسنیم کے مالک ہیں، کوثر آپ کا
رات ہو دن ہو سحر ہو شام ہو یا دوپہر
منتظر رہتا ہے سائل کے لیے دَر آپ کا
نیّرِ اعظم بنا ہر ذرّۂ ریگِ عرب
اے محمّد دیکھ کر رُدئے منوّر آپ کا
رؔام کو چاہے زمانہ چھوڑ دے پرواہ نہیں
رؔام سے لیکن نہ چھوٹے گا نبی دَر آپ کا

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

میرے آقا کے علاوہ میرے حضرت کے سوا

(پربھو دیال عاشق لکھنوی)

بادشاہِ دوسرا ہے کون ؟ کوئی بھی نہیں — شافعِ روزِ جزا ہے کون؟ کوئی بھی نہیں
صدرِ بزمِ انبیاء ہے کون؟ کوئی بھی نہیں — اور محبوبِ خدا ہے کون ؟ کوئی بھی نہیں
میرے آقا کے علاوہ ، میرے حضرت کے سوا

داورِ محشر ہے وہ، یہ ہیں شفیع المذنبیں — وہ شہِ ارض وسما، یہ شاہِ خوبانِ زمیں
وہ الٰہ العالمیں ، یہ رحمۃً للعالمیں — عشقِ محبوبِ خدا، عشقِ خدا سے کم نہیں
اس کو کیا جانے کوئی اہلِ محبت کے سوا

سر میں لیے پھرتا ہوں مَیں سودائے محمّد

(پربھو دیال عاشق لکھنوی)

دل میں رُخِ محبوبِ الٰہی کی ضیا ہے — آنکھوں میں جمالِ گلِ عارض کی فضا ہے
آزارِ محبت مجھے قسمت میں مِلا ہے — بازارِ شفاعت میں خریدارِ خُدا ہے
سر میں لیے پھرتا ہوں مَیں سودائے محمّد

سچ کہہ کہ ان آنکھوں سے کوئی اور بھی دیکھا — پایا ہے کسی نبی نے بھی یہ رتبہ؟
بتا تو سرِ عرشِ بریں کون ہے پہنچا — اللہ رے زینت تری اے عرشِ معلّیٰ
جھومر ہے ترا نقشِ کفِ پائے محمّد

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

سارا ظہور آپ ہی کے دم قدم سے ہے

مہاراجہ سرکشن پرشاد شاؔد سابق وزیرِ اعظم دَولتِ آصفیہ، حیدر آباد

رونق جو دو جہاں میں ہے شاہ امم سے ہے
سارا ظہور آپ ہی کے دم قدم سے ہے
کہلاتے تیرے ہیں، ترے در کے فقیر ہیں
جنّت سے واسطہ نہ غرض کچھ اِرم سے ہے
لَاتَقْنَطُوْا ہے وجہِ تسلّی میرے لیے!
امید مجھ کو تیرے ہی فضل و کرم سے ہے
اے شاؔد خوب نعت میں تم نے کھلائے گُل
پھولی پھلی یہ شاخ تمہارے قلم سے ہے

رسُول اللہ کی سرکار کو دیکھو

مہاراجہ سرکشن پرشاد شاؔد

مدینے کو چلو، دربار دیکھو　　رسُول اللہ کی سرکار دیکھو
نظر آتی ہے واں شانِ خدائی　　دَر و دیوار کے انوار دیکھو
مسخّر آپ کا عالم ہے سارا
فِدا ہیں کافر و دیندار دیکھو۔　　(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)

جو محبوبِ خدا کا رُتبہ پائے کس کی ہستی ہے

مہاراجہ سر کشن پرشاد شاؔد

مدینے میں خُداوندا! عجب پُر نور ہستی ہے
جہاں ہر وقت اور ہر دم تری رحمت برستی ہے
ترے رتبے میں کس کو دخل ہے کیا کوئی دم مارے
جو محبوبِ خدا کا رُتبہ پائے کس کی ہستی ہے
جمالِ پاک پھر اپنا دکھا دے خواب میں مجھ کو
طبیعت پھر زیارت کے لیے میری ترستی ہے

محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہ دِل اپنا شیدا ہُوا ہے

مہاراجہ سر کشن پرشاد شاؔد

محمد پہ دل اپنا شیدا ہوا ہے
ستارہ نصیبے کا چمکا ہوا ہے
زہے آپ کا کوئی ہمسر نہ ہوگا
یہ دیکھا ہوا ہے یہ سمجھا ہوا ہے
خداوندِ عالم ہے جس طرح واحد
حبیبِ خدا بھی تو یکتا ہوا ہے
مجھے کوئی کافر کہے یا مسلماں
کہے جس کے جو جی میں آیا ہوا ہے
فقط نعت گوئی سے اے شاؔد مجھ کو
یہ عزت ملی ہے، یہ رُتبہ ہوا ہے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)

احمد، محمد، مصطفےٰ، محبوبِ ربّ العالمیں

(مہاراجہ سرکشن پرشاد، شاد)

سرِ دفتر کون و مکاں، شاہنشاہِ دُنیا و دیں
احمد، محمد، مصطفےٰ، محبوبِ ربّ العالمیں

ہیں سالکِ راہ صفا، ہیں مالکِ مُلکِ خدا
اُن کے لیے سب کچھ ہوا، خورشید مہ چرخِ مبیں

شمس الضحیٰ، بدر الدجیٰ، خیر الوریٰ، نور الہدیٰ
شانِ خدا، فضلِ الہٰ، شاہنشہ کرسی نشیں

ختم الرُّسل، ہادیٔ کل، ہیں باعثِ سر جزو کل
سُلطانِ دیں، شمس الیقیں، ہیں رحمۃٌ للعالمیں

مخلوق میں یکتا ہیں یہ، کثرت میں بے ہمتا ہیں یہ
کیا جانے کوئی کیا ہیں یہ، ان کا کوئی ہمسر نہیں

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)

سُلطان بنا سُلطانوں کا مُختار بنا مختاروں کا

مہاراجہ سرکشن پرشاد، شاد

کانِ عرب سے لعل نکل کر سرتاج بنا سرداروں کا
نام محمدؐ اپنا رکھا سُلطان بنا سرداروں کا

باندھ کے سر پر سبز عمامہ، کاندھے رکھ کر کالی کملی
ساری خدائی اپنی کر لی، مختار بنا مختاروں کا

رُوپ ہے تیرا رتی رتی، نوُر ہے تیرا پتی پتی
مہر و مہ کو تجھ سے رونق، نور بنا سیاروں کا

تیرے عرق میں گُل کی بُو، قامت تیرا سروِ جُو
بس گئیں گلیاں طیبہ کی، سہاگ کھلا گلزاروں کا

اُمّی گو سب کہتے تھے، علمِ لدنی کا تھا علم
راز بھرا تھا سینے میں قرآن کے تیسوں پاروں کا

بُوبکر و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ، تھے چار عناصر ملت کے
کثرتِ وحدت میں ہے جیسے حال وہ تھا ان چاروں کا

کسب تجلی کرتے تھے چاروں ایک ہی مہرِ نبوت سے
بختِ سا تھا بُرجِ شرف میں تیرے چاروں یاروں کا

بادۂ عرفاں دیتا ہے ساقی، وحدت کے میخانہ سے
شادؔ مقدر فضلِ خدا سے جاگا اب میخواروں کا

شمیمِ جاں فزا لاتی ہے مکّے اور مدینے سے

منشی تلوک چند محروم

مُبارک پیشوا جس کی ہے شفقت دوست دُشمن پر
مُبارک پیشرو جس کا ہے سینہ پاک، کینے سے
انہی اوصاف کی خوشبو ابھی اطرافِ عالم میں
شمیمِ جاں فزا لاتی ہے مکّے اور مدینے سے

سلام اُس پر کہ جس کے نُور سے پُر نور ہے دُنیا

(جگن ناتھ آزاد ایم۔ اے)

سلام اُس ذاتِ اقدس پر، سلام اس فخرِ دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دُنیائے امکاں پر
سلام اُس پر جو حامی بن کے آیا غم نصیبوں کا
رہا جو بے کسوں کا آسرا، مشفق غریبوں کا
مددگار و معاون بے بسوں کا، زیردستوں کا
ضعیفوں کا سہارا اور محسن حق پرستوں کا

سلام اُس پر کہ جس کے نُور سے پُر نور ہے دُنیا
سلام اُس پر کہ جس کے نُطق سے مسحور ہے دُنیا
سلام اُس پر جلائی شمعِ عرفاں جس نے سینوں میں
کیا حق کے لئے بیتاب سجدوں کو جبینوں میں
سلام اُس پر بنایا جس نے دیوانوں کو فرزانہ
مئے حکمت کا چھلکایا جہاں میں جس نے پیمانہ
بڑے چھوٹوں میں جس نے اک اخوت کی بنا ڈالی
زمانے سے تمیزِ بندۂ و آقا مٹا ڈالی
سلام اُس پر فقیری میں نہاں تھی جس کی سلطانی
رہی زیرِ قدم جس کے شکوہِ شانِ خاقانی
سلام اُس پر جو آسودہ ہے زیرِ گنبدِ خضرا
زمانہ آج بھی ہے جس کے در پہ ناصیہ فرسا
سلام اُس پر جو آیا رحمۃً للعالمیں بن کر
پیامِ دوست لے کر صادق الوعد و امیں بن کر
سلام اُس ذاتِ اقدس پر، حیاتِ جاودانی کا
سلامِ آزادؔ کا آزاد کی رنگیں بیانی کا

لے جگن ناتھ آزاد ایم اے، پنڈت تلوک چند محروم کے فرزند تھے اور اگرچہ دونوں (باپ بیٹا) کو نعتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذوق و شوق تھا، مگر آزادؔ صاحب نعت گوئی میں اپنے باپ پر سبقت لے گئے۔ الغرض دونوں کا مختصر کلام ساتھ ساتھ درج کیا گیا ہے۔

خلیق آئے کریم آئے رؤف آئے رحیم آئے

(جگن ناتھ آزاد۔ ایم اے)

خلیق آئے کریم آئے، رؤف آئے، رحیم آئے
کہا قرآں نے جن کو صاحبِ خلقِ عظیم آئے
بشر بن کر جمالِ اوّلین و آخرین آئے
متاعِ صدق لے کر صادق الوعد الامین آئے
وہ آئے جن کو کہیے فخرِ آدم، ہادیٔ اکرم
وہ آئے جن کو کہیے زندگی کا محسنِ اعظم
تجلی عام فرماتے ہوئے شمس الضحیٰ آئے
امام الانبیاء آئے، محمد مصطفٰے آئے
مبارک ہو زمانے کو کہ ختم المرسلیں آئے
سحابِ رحم بن کر رحمۃ للعالمیں آئے

محمد رہنمائے انس و جاں ہے

(گوبند پرشاد فضا)

محمد رہنمائے انس و جاں ہے
رسولِ کبریائے دو جہاں ہے
وہ ہے مہرِ سپہرِ رہنمائی!
حبیبِ بارگاہِ کبریائی!
وہ محبوبِ جنابِ کبریا ہے
شفیع المذنبیں، روزِ جزا ہے
لقب ہے سیدِ کونین ذیشاں
خدا قرآں میں ہے اس کا ثنا خواں
کیے جاری قوانینِ شریعت
عیاں جس سے ہوا رازِ حقیقت
جہاں میں زینتِ آدم ہے اس سے
بنائے دینِ حق محکم ہے اس سے:
نبی ایسا کوئی دنیا میں پیدا
نہ تھا آگے نہ اب ہے اور نہ ہوگا
(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)

رُخِ مصطفےٰ کا جمال اللہ اللہ

پنڈت بال مکند عرش ملسیانی بی اے

رُخِ مصطفےٰ کا جمال اللہ اللہ
زباں کا وہ حُسنِ مقال اللہ اللہ
نگاہوں کا سکہ دلوں پر مسلّط
جمال اللہ اللہ، جلال اللہ اللہ
اُتر آئے خود عرش و کرسی سے جلوے
نبوّت کا اوجِ کمال اللہ اللہ
جہاں کے لیے مژدۂ عیدِ عرفاں
عرب کے فلک کا ہلال اللہ اللہ
جہاں ذکرِ احمد سے لبریز ہستی
سرورِ مئے وجد و حال اللہ اللہ
جہالت کی ظلمت ہر ایک دل سے بھاگی
یہ تنویرِ شمعِ خیال اللہ اللہ
یہ نورِ ہدایت، یہ تفسیرِ وحدت
عمل سے بھی افضل خیال اللہ اللہ
سزاوارِ فیضِ درِ مصطفےٰ ہے
سوالی کا دستِ سوال اللہ اللہ

ہے جبریل در کا غلام اللہ اللہ
نبوّت کا یہ اہتمام اللہ اللہ
یہ شانِ فصاحت، یہ آیاتِ مصحف
کلیم اللہ اللہ، کلام اللہ اللہ
لبِ مصطفےٰ پر یہ اسرارِ وحدت
یہ بادہ یہ مینا یہ جام اللہ اللہ
نہ قول و عمل میں کوئی فرق مطلق
پیامی سراسر پیام اللہ اللہ
یہ ملت کی شیرازہ بندی کا آئین!
یہ تنظیمِ دیں کا نظام اللہ اللہ

(جلّ شانہٗ ـــ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

مرا سَر ہے اور آستانِ مدینہ

(عرشؔ ملسیانی - بی - اے)

کرم کیجئے مجھ پہ شاہِ مدینہ — کنارے پہ لگ جائے میرا سفینہ
تصوّر ہے برحق تمہارا تصوّر — مری خاتمِ دل کا ہے یہ نگینہ
یہی ماحصل عرشؔ ہے زندگی کا — مرا سَر ہے اور آستانِ مدینہ

معطّر فضا، مست ساری خدائی — صبا مُشک افشاں مدینے سے آئی
وہی نُور. نُور آفریں ہر جگہ ہے — عرب میں ہوئی جس کی جلوہ نمائی
چل اے عرشؔ ہو تو مدینے کا عازم — نہیں راس دُنیا کی ہنگامہ آرائی

طوفانِ زندگی میں سہارا تمہی تو ہو
دریائے معرفت کا کنارا، تمہی تو ہو
ہاں ہاں تمہی تو ہو، دلِ عالم کے دل نواز
دلدار و دل نشین و دل آرا تمہی تو ہو
جاتی ہے عرشؔ پر یہ تمہارے ہی فیض سے
میری دُعائے دل کا سہارا تمہی تو ہو

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم

لبِ اعجاز سے قُم کہہ کے اٹھایا تو نے

لالہ لال چند صاحب فلک

نغمۂ وحدتِ حق دہر میں گایا تو نے
کملی والے یہ عجب گیت سُنایا تو نے

ربِ بے مثل کا دنیا میں بیٹھا کر سکّہ
نقشِ اوہام پرستی کا مٹایا تو نے

پڑ گئے ماند سبھی شرک خودی کے اختر
مہرِ توحید کا جلوہ جو دکھایا تو نے

جو شراب اور نشے کے تھے ازل سے مشتاق
مئے وحدت کا انہیں جام پلایا تو نے

باہمی نفرت و کینہ تھا وطیرہ جن کا
اِنس و اُلفت کا سبق اُن کو پڑھایا تو نے

خواب غفلت میں پڑے سوتے تھے ملکی مدنی
لبِ اعجاز سے قُم کہہ کے اُٹھایا تو نے

ریت کے ذرّوں کو بارود کی طاقت بخشی
خاکِ ناچیز کو اکسیر بنایا، تو نے

کر دیا ایک شہنشاہ و گدا کا رُتبہ
اونچ اور نیچ کا سب فرق مٹایا تو نے

دُخترِ حارثِ غمگیں کو رہائی بخشی
قیدِ پُر غم سے غلاموں کو چھڑایا تو نے

کیوں نہ قربان مسلمان تیرے نام پہ ہوں
حق پرستی کا جنہیں طور سِنایا تو نے

گنبد و سقفِ فلک گوشِ زمیں گونج اُٹھے
نعرہ توحیدِ اللہ کا جو لگایا تو نے

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

اے محمد مصطفیٰ! جانِ عرب، شانِ عرب

منشی بشیشور پرشاد منوّر لکھنوی

بانیٔ اسلام! اے خورشیدِ تابانِ عرب
اے محمد مصطفیٰ! جانِ عرب، شانِ عرب

خلدِ اقدس میں پھلا پھولا گلستانِ عرب
جگمگایا نورِ وحدت سے بیابانِ عرب

آپ کے پیغام کی بنیاد تھی الہام پر
اک نئی دنیا بسا ڈالی خدا کے نام پر

جو نہ سمجھیں آپ کا رتبہ، وہ اہلِ دل نہیں

منشی بشیشور پرشاد منوّر لکھنوی

آپ پر نازل خدائے پاک نے قرآں کیا
سُرمۂ توحید سے وا دیدۂ عرفاں کیا

آشکارا زندگی کا جوہرِ پنہاں کیا
پیکرِ اقدس کو رشکِ کعبۂ ایماں کیا

جو نہ سمجھیں آپ کا رتبہ وہ اہلِ دل نہیں
اور کوئی جادۂ تسلیم کی منزل نہیں

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)

روزِ ازل خریدا تھا سودا حضورؐ کا

(لالہ مُرلی دھر شاد دھلوی)

جلوہ دکھا دے مجھ کو خدایا حضورؐ کا
لکھنا ہے مجھ کو آج سراپا حضورؐ کا
چمکے گا چاند بن کے یہ تُربت میں حشر تک
دل میں ہے میرے داغِ تمنّا حضورؐ کا
حسرت ہے یہ حضور کے قدموں میں جان دُوں
ارمان ہے کہ دیکھ لُوں جلوہ حضورؐ کا
سودائی ہم کو کہتے ہیں سارے زہے نصیب
روزِ ازل خریدا تھا سودا حضورؐ کا
دل شاد فیض یاب زیارت سے وہ بھی شاد ہو
ہے جان و دِل سے شاؔد بھی شیدا حضورؐ کا

قیامت میں گنہگاروں کو تیرا آسرا ہو گا

لالہ مُرلی دھر شاد دھلوی

جہنم کا نہ ڈر ہو گا نہ کچھ خوفِ سزا ہو گا
قیامت میں گنہ گاروں کو تیرا آسرا ہو گا
تیرے دیدار کی خاطر دلِ مضطر تڑپتا ہے
اگر دیدار ہو جائے گا، دردِ دل سوا ہو گا

نعت خوانِ سرورِ کون و مکاں ہوتا ہوں مَیں

سردار کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

نعت خوانِ سرورِ کون و مکاں ہوتا ہوں مَیں
دیکھنا رُوح الامیں سے ہم زباں ہوتا ہوں مَیں

رات دن جس آستاں پر ہیں ملائک سجدہ ریز
بارہا اوجِ تخیّل سے وہاں ہوتا ہوں مَیں

جب کبھی جاتے ہیں مل کر سُوئے طیبہ خوش نصیب
کارواں کے ساتھ گردِ کارواں ہوتا ہوں مَیں

سرورِ کون و مکاں پر بھیجتا ہوں صد دُرود
اس طرح شیریں سخن رطب اللساں ہوتا ہوں مَیں

مجھ سے پابوس ہوتی ہے حیاتِ جاوداں
جب فدائے نامِ شاہِ دو جہاں ہوتا ہوں مَیں

دل میں اٹھتی ہے جو یادِ ہادیٔ اعظم سحرؔ!
اپنے دل کے شوق سے ہم داستاں ہوتا ہوں میں

سلام اے دل کے اندر بسنے والے

(سردار کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ)

سلام اے معرفت کی مے کے ساقی — سلام اے جلوۂ انوار باقی
سلام اے دل کے اندر بسنے والے — سلام اے سب حسینوں سے نرالے
سلام اے درد پیدا کرنے والے — سلام اے سب کو اپنا کرنے والے
سلام اے مونس اپنے غمزدوں کے — سلام اے مالک اچھوں اور بُروں کے
سلام اے جنتِ طیبہ کے باشی — سلام اے غمزۂ صد جلوہ پاشی

چلو مدینے، چلو مدینے، یہ دل سے آواز آ رہی ہے

(مہندر سنگھ بیدی سحرؔ)

پہنچ کے طیبہ میں یا الٰہی! نظر یہ کیا چیز آ رہی ہے
مِری نگاہوں میں آج کیسی، حسین دُنیا سما رہی ہے

فزوں ہوا شوق کا تقاضا، تڑپ رہی ہے ہر اک تمنا
چلو مدینے، چلو مدینے، یہ دل سے آواز آ رہی ہے

نوازنے کے لیے وہ دیکھو کہ اپنے لاچار بےکسوں کو
کِسی کی بخشش پکارتی ہے، کسی کی رحمت بُلا رہی ہے

جسے لہو دے کے دل کا پالا، جسے حریمِ جگر میں رکھا
وہی تمنا سوئے مدینہ، کشاں کشاں لے کے جا رہی ہے

شہِ عرب کی عنایتوں کا، سحرؔ نہیں ہے کوئی ٹھکانا
مرے گناہوں کی بے پناہی، ہزار مجھ کو ڈرا رہی ہے

یہ فیض ہے ولادتِ ختمی مآب کا

(سردار گوربخش سنگھ مخمور جالندھری)

پھیلا اُفق پہ نورِ رسالت مآبؐ کا
ہیبت سے مُنہ اُترنے لگا آفتاب کا
دی تو نے کفر زار میں توحید کی اذاں
بدلا ہے تو نے رنگ جہانِ خراب کا
تاروں میں روشنی ہے تو پھولوں میں تازگی
یہ وقت ہے ظہورِ رسالت مآب کا
انوارِ عام ہیں درِ پاک رسول کے
اس جلوہ گہ میں کام نہیں ہے حجاب کا
ظلمت کدوں میں ہیں سحرِ نو کی تابشیں
یہ فیض ہے ولادتِ ختمی مآب کا
مخمور کیفِ نورِ رسالت سے مست ہوں
سب جانتے ہیں، میں نہیں خوگر شراب کا

ہم دیر نشیں بھی ہیں ترے مدح سرا

(ستیہ پال اختر رضوانی)

از خاکِ عرب تا بہ عجم مانتے ہیں
ہاں صاحبِ الطاف و کرم مانتے ہیں
ہم دیر نشیں بھی ہیں ترے مدح سرا
رہبر جو تجھے اہلِ حرم جانتے ہیں

جمہور و مساوات کا پیغمبر ہے
آئینۂ حالات کا پیغمبر ہے
اے خطۂ بطحا و عرب کے باسی
تو کشف و کرامات کا پیغمبر ہے

جہانِ خُدا ہے جہانِ محمّد

(از بودھ ناتھ دت قاصی)

زہے عزّت و قدر و شانِ محمّد — جہانِ خُدا ہے جہانِ محمّد
محمّد سے توحید کا راز پوچھو — بیانِ خُدا ہے بیانِ محمّد
بہارِ ازل بوستانِ ابد ہے — کتابِ خُدا، ارمغانِ محمّد
رواں تھا، رواں ہے، رواں ہی رہے گا — قیامت تلک، کاروانِ محمّد

بہاراں بہاراں، لطافت لطافت
خوشا گلشنِ بے خزانِ محمّد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)

ہمیں فردوس ہے کوئے محمّد

(شیر سنگھ شمیم فرخ آبادی سابق سٹی مجسٹریٹ)

رواں ہو جانبِ کوئے محمّد — دکھا دے اے خدا رُوئے محمّد
ہیں عنبر بار گیسوئے محمّد — صبا لائی ہے خوشبوئے محمّد
جنہیں ہو دیکھنا، نُورِ الٰہی! — وہ دیکھیں جلوۂ رُوئے محمّد
حقیقت آشنا ہونے کے باعث — ہمیں فردوس ہے کوئے محمّد

شمیم! ایسا بشر بھی کوئی ہوگا
نہ ہو جو شائقِ کوئے محمّد

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

لگا دو پار کشتی کو ہماری یارسول اللہ

(منشی نند کشور یکتا)

لگا دو پار کشتی کو ہماری یارسول اللہ
مصیبت میں کرو یاری ہماری یارسول اللہ
ہے کالی رات اندھیاری بھنور اٹھتی ہماری
تمہاری آس ہو دت کاری ہماری یارسول اللہ
کروں اب دھیان میں کس کا نہیں ہے آپ سا دوجا
شفاعت ہے بڑی بھاری تمہاری یارسول اللہ
ہے جیسے نوح کا تارا، خلیل اللہ نستارا
لگا دو ہم کو بھی پار اب یاری یارسول اللہ
دو دو جوڑ کر بنتی، تمہاری اب کرے یکتا
میں جاؤں سے بلہاری تمہاری یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

از شمع خود جلی کُن ایوانِ ما محمد

(دیوان نند کشور عشق)

ہر مطلبے رسیدم، در کوچۂ تمنا
آمد چو از ہدایت بُرہانِ ما محمد
از داغِ نامرادی شبہائے تیرہ دارم
از شمعِ خود جلی کُن ایوانِ ما محمد
دارم بہشت در بر، از جلوۂ جمالش
مائیم بُلبُلانش بُستانِ ما محمد
چُوں عشق دل بہ بستم، بر خطِ غیر اینش
من چوں سفال گشتم، ریحانِ ما محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

سیاسیات سے مذہب ملا دیا تو نے

لالہ دھرم پال گپتا وفاؔ، سابق ایڈیٹر روزنامہ "تیج" دہلی

چھڑا کے بُت کی پرستش سکھائی تھی وحدت
تیرے خیال کی ترویج عام ہو جائے

سکھایا اہلِ عرب کو برابری کا درس
کہ امتیاز کا قصہ، تمام ہو جائے

سیاسیات سے مذہب ملا دیا تو نے
کہ دین و دُنیا کا سب انتظام ہو جائے

تیرے خیال میں یہ سخت نامناسب تھا
بشر کوئی بھی بشر کا غلام ہو جائے

رفاہِ عام ہی تھا تیرا، جبکہ نصب العین
لقب نہ کیوں تیرا خیر الانام ہو جائے

عرب کو تو نے جہالت سے پاک کر ڈالا
تو کیوں نہ دل میں ترا احترام ہو جائے

وفاؔ جہاں میں وہ عالی مقام ہوتا ہے
عطا جسے مئے عرفاں کا جام ہو جائے

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

اور رگ رگ میں بسی ہے آج بھی یادِ رسول

دھرم پال صاحب گپتا، وفا

چٹکیاں لیتی ہے دل میں ہر گھڑی یادِ رسول
ہو گئی ہے اب تو میری زندگی یادِ رسول

دفعتاً یہ دل مثالِ غنچۂ گل کھل اُٹھا
جب وفورِ یاس و غم میں آ گئی یادِ رسول

بزمِ شعر و نغمہ تھی یا تختۂ دار و رسن
ہم کو ہر اک حال میں آتی رہی یادِ رسول

کل بھی یہ چھائی ہوئی تھی جان و دل پر سر بسر
اور رگ رگ میں بسی ہے آج بھی یادِ رسول

کیا کہوں میں اب کسی سے مدعائے زندگی
جب مری ہستی کا حاصل بن گئی یادِ رسول

اس سے پہلے بزمِ ہستی کیا تھی، اک ظلمت کدہ
دے گئی ہے شمعِ دل کو روشنی یادِ رسول

پوچھتے پھرتے ہیں ہم دنیا سے اب اپنا پتا
زندگی پر اس طرح کچھ چھا گئی یادِ رسول

بارِ غم سے جب ہوا میں مائل فریاد عرش
میرے دل کو دے گئی تسکین سی یادِ رسول

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

نور سے قلب مرا مخزنِ انوار تو ہے

(ڈاکٹر ماتا پرشاد زیبؔ بریلوی)

آرزو گنبدِ خضرا کی ضیا۔ بار تو ہے
زندگی جنّتِ طیبہ کی طلب گار تو ہے

دامنِ ہوش و خرد مطلعِ انوار تو ہے
دل مرا نورِ محمّد کا ضیا۔ بار تو ہے

باعثِ فخر ہے عرفانِ عقیدت مندی
جذبۂ دل میں مرے عظمتِ سرکار تو ہے

غم نہیں راحتِ دنیا جو میسّر نہ ہوئی
زندگی تیرے تصوّر سے سکوں بار تو ہے

میرا عقبیٰ ہے منوّر آپ کی تنویروں سے
میری دنیا آپ کے پیغام سے گلزار تو ہے

میرا نغمہ میرا آہنگ مرا سازِ ادب
جذبۂ نعتِ محمّد کا سزاوار تو ہے

دید سے تیری منوّر نہیں آنکھیں لیکن
نُور سے قلب مرا مخزنِ انوار تو ہے

فرضِ ملّت کی قسم، حکمِ مشیّت کی قسم!
نہ سہی کچھ بھی مرے ظرف میں ایثار تو ہے

میرے جذبات میں ہے نعتِ رسولِ عربی
زیبؔ آہنگ نہیں سازمیں جھنکار تو ہے

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

کسی صورت پہنچ کر دیکھ لوں روضہ مدینے کا

(وشنو کمار شوق لکھنوی)

لڑاتا ہے نظر سورج سے ہر ذرہ مدینے کا
رسول اللہ سے اتنا بڑھا رتبہ مدینے کا

جو محبوبِ خدا ہے کیف اُس کا کارفرما ہے
انوکھا کیوں نہ ہو عالم سے میخانہ مدینے کا

جہاں کا گوشہ گوشہ نورِ حق سے ہوگیا روشن
دکھاتا ہے کچھ ایسے جلوے آئینہ مدینے کا

میسر مجھ کو بھی قسمت سے ہو توفیق مے نوشی
بھرا ہے نور کی صہبا سے پیمانہ مدینے کا

نہیں پوشیدہ ہے اس سے کوئی بھی راز قدرت کا
بہت ہوشیار ہے عالم میں دیوانہ مدینے کا

اگر جاں بھی نکل جائے مری طیبہ کی راہوں میں
تو سمجھوں گا بہت سستا ہوا سودا مدینے کا

ابھی تو خواب ہی دیکھا ہے اب تعبیر دیکھوں گا
نگاہوں میں لیے پھرتا ہوں میں نقشہ مدینے کا

بس اب تو شوق دل میں اک یہی ارمان باقی ہے
کسی صورت پہنچ کر دیکھ لوں روضہ مدینے کا

تھا وہ گیانی لاثانی پرمیشر کے اوتاروں میں

(سُندر لال صاحب حمیدؔ)

وہ سُندر چہرہ نور بھرا، وہ رام سروپ متوالا
دلدار تھا دلداروں میں سردار تھا سرداروں میں
لولاک لما کا تاج دھرے وہ کملی والا من موہن
توحید کی مایا لے کر جو پھرتا تھا بازاروں میں
میں سیس نواؤں چرنن لاگوں نام محمد جس کا ہے
شُدر اور ویس کیے سب داخل جس نے پیاروں میں
آنند کے گر سکھائے گیو اور گھٹ گھٹ میں تیلائے گیو
تھا وہ گیانی لاثانی، پرمیشر کے اوتاروں میں
ہم داس رہیں گے مرتے دم تک یارو اس گر گیانی کے
ہیں رُوپ سروپ محمدؐ کے یاں قدرت کے آثاروں میں
تم لے لے اس کا نام حمیدؔ اپدیش کرو اس نگری میں
یہ گیان دھرم کی آن نہیں جا کر چھپنا غاروں میں

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

بادشاہِ دوجہاں، خاتمِ پیغمبراں

ڈاکٹر شبیر پرتاب سنگھ کشل

بادشاہِ دوجہاں، خاتمِ پیغمبراں
حاکمِ جنّ و ملک، رہنمائے عاصیاں
آپ ہی کو عرش پر حق نے کرکے میہماں
ساری کائنات کا کر دیا ہے رازداں
آپ سردارِ جہاں، ہادیٔ ہر انس و جاں
رہبرِ راہِ نجات پیشوائے مُرسلاں
مجھ پہ بھی نگاہِ مہر، اے شفیعِ عاصیاں
بادلوں میں کفر کے کوندتی ہیں بجلیاں
چاند تاروں کو ملی آپ سے چمک دمک
آپ سے ہے نور بار یہ زمین و آسماں
نمود کا ہے آئینہ، نقشِ نقش ہر قدم
راستہ ہے آپ کا آسماں پہ کہکشاں
فکر کچھ نہیں ہمیں حشر کے حساب کی
عاصیوں کو آپ سا مل گیا ہے مہرباں
حشر کا جب آئے دن رکھیے گا کشل کو بھی یاد
اے شفیعِ عاصیاں، اے شفیعِ عاصیاں

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم)

ہمسر ہے کون شانِ رسالت مآب کا

منشی پیارے لال رونق دہلوی

چمکا جو نورِ حسن رسالت مآب کا
روشن ہوا چراغ جہانِ خراب کا
حاصل شرف ہے کس کو خدا کی جناب کا
ہمسر ہے کون شانِ رسالت مآب کا
عاشق ہوں اس جناب رسالت مآب کا
کونین ایک ذرہ ہے جس کی جناب کا
رونق سخن کو میرے نہ حاصل ہو کیوں شرف
مداح ہوں میں جنابِ رسالت مآب کا

تو ہے محبوب، خدا چاہنے والا تیرا
مرتبہ سارے رسولوں میں ہے بالا تیرا
نور سے تیرے منور ہوئے دونوں عالم
نظر آتا ہے ہر اک سمت اجالا تیرا
ہو گیا شوق میں وہ آج نثار احمد
دل جو رونق ؔ تھا بڑے نازوں کا پالا تیرا

(صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم)

آئے جو آپ چاند سا چہرہ لیے ہوئے

(بسمل صاحب الہ آبادی)

یوں جاگزیں ہے دل میں مرے یادِ مصطفےٰ
جیسے صدف ہو گوہرِ یکتا لیے ہوئے
دنیا تمام نور کے سانچے میں ڈھل گئی
آئے جو آپ چاند سا چہرہ لیے ہوئے
لطفِ بہارِ گلشنِ طیبہ نہ پوچھیے!
ہر پھول ہے بہشت کا جلوہ لیے ہوئے

معلوم ہے کچھ تم کو محمدؐ کا مقام

(فراق گورکھپوری)

انوار بے شمار، معدود نہیں
رحمت کی شاہراہ، مسدود نہیں
معلوم ہے کچھ تم کو محمدؐ کا مقام
وہ اُمتِ اسلام میں محدود نہیں

سارا عالم ہے منور آپ کے انوار سے

(ساحر ھوشیار پوری پروفیسر دھلی کالج)

ہے زمانے بھر میں شہرہ اب مرے اشعار کا
ذکر ہے اُن میں جنابِ احمدِ مختار کا

اک زمانہ تک رہا ہے مجھ کو بھی تعظیم سے
ہے مری آنکھوں میں جلوہ سیدِ ابرار کا

جسمِ خاکی میں نہاں اک مخزنِ تنویر ہے
ہے مرے دل میں تصوّر احمدِ مختار کا

خار سے بڑھ کر مدینے کی گلی ہے دل نواز
پھُول سے خوشتر نظارہ ہے عرب کے خار کا

دُھوم ہے سارے جہاں میں آپ کی گفتار کی
اک زمانہ معتقد ہے آپ کے کردار کا

دولتِ دُنیا کی اس زردار کو خواہش نہیں
مِل گیا جس کو خزانہ آپ کے دیدار کا

سارا عالم ہے منور آپ کے انوار سے
سارا عالم آئینہ ہے آپ کے انوار کا

ہے فرشتوں کو تمنّا، اس کی دربانی کریں
کِس قدر اونچا ہے رتبہ آپ کے دربار کا

معجزے سے کم نہیں یہ بھی کہ ساحر ہے غلام
اپنے آقا، اپنے مولا، احمدِ مختار کا

طبیب آپ ہیں یا محمّد دلوں کے

(روشن لال نعیم)

ترے معجزے جو کہ تھے یا محمّد
انہیں برحق و برملا، دیکھتے ہیں
ترے پاک پند و نصائح میں حضرت
ہم اک جوشِ صدق و صفا دیکھتے ہیں
طبیب آپ ہیں یا محمّد دلوں کے
ہم اس دَر کو دارالشفا دیکھتے ہیں
ترا عشق ہے مومنوں کے دلوں میں
وہ ہر وقت شانِ خدا دیکھتے ہیں

بن جاؤں میں دیوانۂ سرکارِ مدینہ
لگ جائے الٰہی مجھے آزارِ مدینہ
حسرت ہے کہ دم نکلے درِ شاہِ عرب پر
مدفن ہو تہِ سایۂ دیوارِ مدینہ
چھا جائے مری قبر پہ رحمت کی بدریا
دُربار شب و روز ہوں انوارِ مدینہ
مر جائے نعیمؔ الفتِ سرور میں الٰہی
تعویذِ لحد ہو دُرِ دربارِ مدینہ

آپ کی تعریف ہو سکتی نہیں

(رشی پٹیالوی)

اے رسول اللہ! اے صلِّ علیٰ
آپ نے ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا
ہر طرف ہے آپ سے نور و ضیا
آپ نے دل میں اُجالا کر دیا

آپ کی تعریف کوئی کیا کرے
آپ کی تعریف ہو سکتی نہیں
مجھ سے بے بس، مجھ سے بے مقدور سے
آپ کی توصیف ہو سکتی نہیں

جیتے جی روضۂ اقدس کو نہ آنکھوں دیکھا

(شنکر لال ساقی سہارنپوری)

جیتے جی روضۂ اقدس کو نہ آنکھوں دیکھا
رُوح جنت میں بھی ہوگی تو ترستی ہوگی
میں اگر خاک نشینِ درِ احمد ہوں گا
رفعتِ عرش کی ہمسر مری پستی ہوگی
نعت لکھتا ہوں، مگر شرم مجھے آتی ہے
کیا مری اُن کے ثنا خوانوں میں ہستی ہوگی

تھی شبِ معراج میں سارے فلک پر چاندنی

شنکو لال ساقی سہارنپوری

تھی شبِ معراج میں سارے فلک پر چاندنی
نورِ محبوبِ خدا سے تھی منور چاندنی
عرش و کرسی پر کہاں تھا ماہ کا نام و نشاں
رُوئے احمد چاند تھا، تھی اُس سے یکسر چاندنی
کیا کہوں جلوہ تھا کیا، صلِ علیٰ صلِ علیٰ
رہ گئی تھی دیکھ کر حیران و ششدر چاندنی

فلک پر دھوم تھی، شاہِ دو عالم آنے والا ہے
مدینے کی زمیں سے عرشِ اعظم تک اُجالا ہے
مرا ہر لفظ نعتِ احمدی سے دُر یکتا ہے
لکھا جو دائرہ ہے، وہ مہِ کامل کا ہالا ہے
ہوئی کافور نورِ مصطفےٰ سے شرک کی ظلمت
ندامت کی سیاہی سے دلِ کفار کالا ہے
صفاتِ ذاتِ احمد لکھ سکوں کیا میری طاقت ہے
خیالِ اہلِ دانش جب یہاں مکڑی کا جالا ہے

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

بہت گھبرا گیا ہوں یا نبی! آلامِ دُنیا سے

نردیو سنگھ آشک جالندھری

کہوں کیا کس قدر بالا نشیں ہے آشیاں تیرا
فرازِ عرش پر دیکھا ہے اے سرور نشاں تیرا

اسے دونوں جہاں کی نعمتیں حاصل ہیں دنیا میں
بنایا جس نے دل میں اے رسول اللہ مکاں تیرا

اگر کوئی تمنا ہے، میرے دل میں تو یہ آقا!
دمِ آخر جبیں میری ہو، سنگِ آستاں تیرا

بہت گھبرا گیا ہوں یا نبی! آلامِ دنیا سے
سکوں مِل جائے مجھ کو بھی ملے جو آستاں تیرا

ہر تار میں پوشیدہ ہیں اسرارِ دو عالم

سادھو رام آرزو سہارنپوری

ہے صبحِ ازل صورتِ خندانِ محمد
اور شامِ ابد زلفِ پریشانِ محمد

ہر تار میں پوشیدہ ہیں اسرارِ دو عالم
اللہ رے یہ وسعتِ دامانِ محمد

دنیا میں لیے بیٹھا ہوں اک جنتِ دنیا
آنکھوں میں ہے تصویرِ گلستانِ محمد

ہے یہ بھی آرزو اک معجزۂ احمد
ہندو ہوں، مگر ہوں میں ثنا خوانِ محمد

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

کتنا ارفع ہے مقامِ مصطفےٰ

(از کرشن لال موہن بی اے آنرز، ایم اے انگریزی)

میمنت آگیں ہے نامِ مصطفےٰ — ہے پیامِ حق، پیامِ مصطفےٰ
ہیں سلاطیں بھی غلامِ مصطفےٰ — یہ ہے شان و اہتمامِ مصطفےٰ
اہلِ ایماں کے لیے ہر گام پر — مشعلِ رہ ہے کلامِ مصطفےٰ
معرفت کی روشنی کے فیض سے — تھا فرازِ عرش بامِ مصطفےٰ
اہلِ دُنیا پر کھلا معراج سے — کتنا ارفع ہے مقامِ مصطفےٰ
ایک ہوں کیوں کر نہ محمود و ایاز — ساغرِ وحدت ہے، جامِ مصطفےٰ
چھا گیا ہے عرصۂ کونین پر — جلوۂ حسنِ تمامِ مصطفےٰ
کر رہے ہیں اس کی عظمت کے سبب — برہمن بھی احترامِ مصطفےٰ

بے گماں اے کرشن موہن ثبت ہے
قلبِ گیتی پر دوامِ مصطفےٰ

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)

انسان کی تاریخ بہ عنوانِ محمدؐ

(مہر لال سونی ضیاء بی۔ اے آنرز۔ ایم اے انگریزی)

اسلام کی تعلیم ہے فرمانِ محمدؐ
توحید کا نشہ مئے عرفانِ محمدؐ

ملتی ہے یہاں روح کو برنائی و تسکیں
ہے سایۂ حق، سایۂ دامانِ محمدؐ

ہر نقشِ قدم اُس کا نشانِ سرِ منزل
سب قافلے والے ہیں ثنا خوانِ محمدؐ

گھٹتی گئی کوتاہیٔ چشم و دلِ انساں
بڑھتی ہی گئی شوکتِ دیں شانِ محمدؐ

لکھی گئی دنیا میں ضیاء نورِ یقیں سے
انسان کی تاریخ بہ عنوانِ محمدؐ

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

فخرِ آدم، احمدِ مختار کی باتیں کریں

گوسرن لال ادیب لکھنوی، ایم اے فارسی

السلام اے رہبرِ دُنیا و دیں
السلام اے رحمۃ للعالمیں
السلام اے فخرِ آدم السلام
السلام اے نازشِ رُوح الامیں

تیرا نقشِ پا چراغِ حق نما
ہر سخن، تفسیرِ قرآن مبیں
ہر قدم تیرا دلیلِ راہِ دوست
تذکرہ تیرا حدیثِ دل نشیں
ہے وہ دل آئینہ صدق و صفا
جس میں ہو تیرا تصور جا گزیں

آؤ ہم سب مل کے بیٹھیں پیار کی باتیں کریں
سرزمینِ طیبہ سرکار کی باتیں کریں
دو جہاں کے سرور و سردار کی باتیں کریں
فخرِ آدم، احمدِ مختار کی باتیں کریں

ہو رُوح مری بُلبُلِ بُستانِ مدینہ

تیج ونت رائے ساحرؔ سنامی بی اے پٹیالہ

اے باعثِ صد فخرِ جہاں شانِ مدینہ
اے نغمہ سرا بُلبُلِ بُستانِ مدینہ

اے موجبِ صد شانِ وطن، جانِ مدینہ
اے رنگِ وفا زینتِ ایوانِ مدینہ
کہتے ہیں تجھے اہلِ نظر جانِ مدینہ

کرتا تھا ہمیں بادۂ عرفاں سے سرشار
تو نورِ صداقت کا تھا دُنیا میں علمدار

تو تھا نہ کسی سے، نہ کوئی تجھ سے تھا بیزار
ایمان کا رہبر تھا، تو اے پیکرِ انوار
کہتے ہیں تجھے شمعِ شبستانِ مدینہ

لب پر مرے اَب اک یہ دُعا صبح و مسا ہے
میرے دلِ مضطر کی فقط اب یہ صدا ہے

اب کوئی دُعا ہے، تو یہی میری دُعا ہے
ہو رُوح مری بُلبُلِ بُستانِ مدینہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نورِ خدا ہے نورِ رسولِ کریم کا

(پنڈت دُلّا رام ذکی پنڈوری ادیب فاضل، منشی فاضل)

آیا ہے لب پہ نامِ رسولِ کریم کا
جلوہ تڑپ اُٹھا ہے ریاضِ نعیم کا

بحرِ عدن میں لاکھ ہوں لُولُوئے شاہوار
کچھ رنگ رُوپ اور ہے دُرِّ یتیم کا

اے اہلِ بزم! جانب بطحا چلا ہوں میں
پیغام لے کے آیا ہے جھونکا نسیم کا

وحدت کو ناز کیوں نہ ہو احمد کی ذات پر
سمجھا لیا جس نے راز الف-لام-میم کا

شافع اگر حضور رسالت مآب ہوں
پھر کیوں نہ فیضِ عام ہو ربِّ کریم کا

شاہد نہ ہو سکا، کبھی مشہود سے الگ
نورِ خدا ہے نورِ رسولِ کریم کا

کیوں کر بیاں ہو مدحتِ خیر البشر ذکی
ہے تنگ قافیہ مری طبعِ سلیم کا

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

اس حُسنِ لا محدود کو، محدود کیوں کروں؟

(از جگن ناتھ کمال کرتارپوری بی اے فاضل اُردو، فاضل فارسی)

جب آمدِ حضور کے آثار ہو گئے
نزدیک و دُور پرچہ و اخبار ہو گئے
جن و ملک سلام کو تیار ہو گئے
حاضر سبھی ثوابت و سیار ہو گئے
دستِ خدا نے کھول کے باب انقلاب کا
سورج کیا طلوع رسالت مآب کا

اعمالِ اصفیاء کا خلاصہ حضور تھے
اوصافِ اولیاء کا خلاصہ حضور تھے
افضالِ انبیاء کا خلاصہ حضور تھے
تخلیقِ کبریاء کا خلاصہ حضور تھے
اب اور وصفِ گوہرِ مقصود کیوں کروں؟
اس حُسنِ لا محدود کو محدود کیوں کروں؟

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

جا کر نبی کے روضۂ اطہر کے سامنے

(لالہ تارا چند تارا لاہوری)

یہ وصفِ مصطفےٰ کبھی خالی نہ جائے گا
مِل جائے گا صِلہ مجھے داور کے سامنے
پروازِ مُرغِ رُوح کرے میری اے خُدا
جا کر نبیؐ کے روضۂ اطہر کے سامنے

ہیں جہاں میں گو بظاہر مائلِ زنّار ہم
دل سے ہیں مفتونِ حُسنِ احمدِ مختار ہم
اس تمنّا میں درِ دیدہ سَدا رہتے ہیں وَا
شاہدِ مقصود کا دیکھیں کہیں دیدار ہم
گر مدینے کی طرف جائے تو لکھ بھیجیں وہاں
دامنِ بادِ صبا پر اپنا حالِ زار ہم
خالِ رخسارِ نبی کی کیا صفت تارا لکھے
کہہ نہیں سکتے ہیں ہرگز نافۂ تاتار ہم

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)

عرش تک فرش سے مری تسخیر میں ہے

(منشی لچھمن نرائن سخا بی اے سٹی مجسٹریٹ جے پور)

شرحِ اوصافِ پیمبر مری تقریر میں ہے
مری تقریر میں ہے جو وہی تحریر میں ہے

ہوں غلامِ شہِ دیں عرش پہ رکھتا ہوں دماغ
لُطفِ دنیا کی یہ کب عزت و توقیر میں ہے

دل میں گر عشقِ نبی ہو تو ہے انساں، انساں
ورنہ کیا خاک، پھر اس خاک کی تصویر میں ہے

ہم نے وہ شمس میں دیکھی نہ قمر میں دیکھی
بات جو روضۂ پُرنور کی تنویر میں ہے

جب سے ہے نامِ نبی نقش نگیں دل پر
عرش تک فرش سے جو ہے مری تسخیر میں ہے

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

گلزارِ ارم ہے مجھے صحرائے مدینہ

منشی لچھمن نرائن سخا بی۔اے

ہشیار رہیں بادیہ پیمائے مدینہ
جنّت کے عوض دے نہ دیں صحرائے مدینہ

سودا زدہ ہوں وہ کہ ہے سودائے مدینہ
گلزارِ ارم ہے مجھے صحرائے مدینہ

مجھ کو تو وہاں کا خس و خاشاک ہی لا دو
پُرکیف ہیں مستوں کو سب اشیائے مدینہ

قدسی سے سنو روضۂ اطہر کی بزرگی
عرشی سے سنو رتبہ والائے مدینہ

ہے بات وہی کہیے انہیں زینتِ مکّہ
یا کہیے انہیں انجمن آرائے مدینہ

صیاد ستاتے ہیں کبھی اور کبھی گلچیں
لے خبر جلد اے چمن آرائے مدینہ

اب دیر نہ کر اس دلِ ویراں کو سخا کے
آباد کر اے انجمن آرائے مدینہ

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)

نعرۂ اللہ اکبر سے فضا معمور کی

(لالہ چندی پرشاد)

نور سے معمور تھی، شمع شبستانِ عرب
جس کے جلوے سے منور ہو گئی شانِ عرب
کر دیا رنگین وحدت سے گلستانِ عرب
کلمہ گو حق کے ہوئے سب بت پرستانِ عرب
پیش کی وہ سامنے ہر اک کے صورت نور کی
نعرۂ اللہ اکبر سے فضا معمور کی

ابرِ رحمت ریز بن کر کون تھا جلوہ فگن
کھل گیا اک دشت خارستان وحدت کا چمن
ہو گئی شانِ مقدس ہر طرف وہ جوش زن
بن گئے ریگِ رواں کے ذرّے رشکِ یاسمن
بادِ صرصر میں شمیم راحت افزا آ گئی
وہ مہک تھی شرک و بدعت کی کلی مرجھا گئی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

یہ کمال نعت گوئی اور پھر ہندو میں ہے

(لالہ چھنو مل ناقد دہلوی)

دیدۂ تر، خونِ دل، شامل یہ کیوں آنسو میں ہے
جب تشفی کے لیے یادِ نبی پہلو میں ہے

ہجرِ احمد میں ہوا ہوں اس قدر گریہ کناں
نوح کے طوفان کا عالم ہر اک آنسو میں ہے

اچھے اچھے اور بھی دیکھے ہیں گلشن دہر میں
گلشنِ بطحا مگر بے مثل رنگ و بو میں ہے

کیا مدینے کے چمن سے ہو کے آئی ہے ابھی
کس لیے یہ دل کشی قمری! تری کوکو میں ہے

اُلفتِ حضرت کا ناقدؔ ایک ادنیٰ ہے یہ وصف
یہ کمالِ نعت گوئی! اور پھر ہندو میں ہے

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)

مسلم ہی نہیں بستۂ دامانِ محمدؐ

(ستیش چند طالب دہلوی)

حلقہ ہے مہِ نو کا گریبانِ محمدؐ
ہے مطلعِ انوار کہ دامانِ محمدؐ

کیا خوب ہے ارشاد یہ اربابِ نظر کا
فرمانِ مشیّت بھی ہے فرمانِ محمدؐ

کیا درسِ مساوات دیا نوعِ بشر کو
اُترے گا نہ سر سے کبھی احسانِ محمدؐ

کیوں ایسی اسیری پہ نہ صدقے ہو رہائی
آزادِ دو عالم ہیں غلامانِ محمدؐ

معراج کو تب کون تھا مہمان خدا کا
اللہ رے یہ مرتبہ و شانِ محمدؐ

یہ ذاتِ مقدّس تو ہر انساں کی ہے محبوب
مُسلم ہی نہیں بستۂ دامانِ محمدؐ

طاؔلب اُسے انسان بھی کہنا نہیں زیبا
جو مردِ مسلماں نہیں شایانِ محمدؐ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

خدا نے خود پیمبر کی ثنا کی

عرش صہبائی

ثنا ہے میرے لب پر کبریا کی
ضیا ہے میرے دل میں مصطفےٰ کی

مجھے کافی ہے سایہ مصطفےٰ کا!
مجھے حسرت نہیں ظلِ ہما کی

یہ قرآنِ مقدس سے ہے ظاہر
خدا نے خود پیمبر کی ثنا کی

چلا ہے ذکر یہ محفل میں کس کا
ہر اک سو گونج ہے صلِ علیٰ کی

خدا، قرآں، نبی پر لاؤ ایماں
یہی ہے راہ اک صدق و صفا کی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ثناء خواں محمد کا سارا جہاں ہے

(سردار دی لال نشتر میرٹھی)

جناب محمد شہ انبیاء تھے ‏ مگر دستگیر امیر و گدا تھے
طلسم عداوت کو حضرت نے توڑا ‏ خلائق میں رشتہ محبت کا جوڑا
یتیموں کے محسن نگہبان تھے وہ ‏ غریبوں پہ سو دل سے قربان تھے وہ
گناہوں کے جس وقت طوفاں بپا تھے ‏ وہی کشتیٔ دہر کے ناخدا تھے
کیے صاف پہلے تو دل کاوشوں سے ‏ جلا دی پھر اخلاق کی تابشوں سے
بچایا ہر انسان کو لغزشوں سے ‏ رہائی جہاں کو ملی شورشوں سے
ہدایت کا دنیا میں پیغام لائے ‏ وہ شمع تجلائے اسلام لائے
نہ کی رنج و غم کی شکایت کسی سے ‏ نہ رکھی جہاں میں عداوت کسی سے
نہ غصہ، نہ خفگی، نہ نخوت کسی سے ‏ نہ کینہ، نہ رنجش، نہ نفرت کسی سے
زمانے میں کس طرح رہتی غلامی ‏ کہ تھے آپ آزادیوں کے پیامی
ہیں ممنونِ احسان ذاتِ گرامی ‏ عراقی و ترکی، حجازی و شامی

فقط ایک نشتر ہی کیا مدح خواں ہے
ثناء خواں محمد کا سارا جہاں ہے

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)

نور سے تیرے اندھیرے میں درخشانی ہوئی

(بابو برج گوپی ناتھ بیکل امرتسری)

آج لب پر ذکرِ محبوبِ خدا آنے کو ہے
ناز کا پھر وقت اے بخت رسا آنے کو ہے

اک جہالت کی گھٹا تھی چار سو چھائی ہوئی
ہر طرف خلقِ خدا پھرتی تھی گھبرائی ہوئی

شاخ دینداری کی تھی بے طرح مرجھائی ہوئی
لہلہا اٹھی تری جب جلوہ آرائی ہوئی

تیرے دم سے ہوگئیں تاریکیاں سب منتشر
پا گئی راحت ترے آنے سے چشمِ منتظر

کیوں نہ ہم بھی اس جہاں کا پیشوا مانیں تجھے
کیوں نہ راہِ حق میں اپنا رہنما مانیں تجھے

نور سے تیرے اندھیرے میں درخشانی ہوئی
تیرے آگے آبروئے کفار کی پانی ہوئی

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

تجھ پہ یوں صدہا سلام

لالہ رام سروپ شیدا بی۔اے

اے رسولِ پاک باطن، منزلِ حق آشنا
پیشوائے دین و ملت، حامیٔ ملکِ خدا
تیری الفاظ و معانی سے ہے بالا نثر ثنا
شان میں تیری کہا، شمس الضحیٰ، بدر الدجیٰ
بھیجتی خلقِ خدا ہے تجھ پہ یوں صدہا سلام

ہیں احادیث آپ کی دنیا میں بہر انتظام
ہے زبانوں پر رواں وہ آپ کا شیریں کلام
آپ کے الطاف کے شیدا یہاں ہیں خاص و عام
آپ ہی کا نام دنیا میں ہوا خیر الانام
ہے زمانے میں رواں یہ آپ کا سکہ سلام
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
یا محمد مصطفیٰ

(رگنیش لال خستہ دہلوی)

کاشفِ اسرارِ وحدت یا محمد مصطفیٰ
آن کر تو نے عرب کا پار بیڑا کر دیا

جاہلوں اور وحشیوں کو لایا راہِ راست پر
آفریں ہمت پہ تیری یا محمد مصطفیٰ

ہادیٔ برحق کہوں یا تجھ کو نورِ معرفت
یا رہِ وحدت کا سمجھوں تجھ کو سچا رہنما

ناز ہے اہلِ عرب ہی کو نہ تیری ذات پر
حشر تک تجھ پر کرے گا فخر سارا ایشیا

آج تیری قوم پر افسوس آتا ہے مجھے
فرقہ بندی نے جسے زنجیر در پا کر دیا

۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

سلامی دیتی ہیں پلکیں، نگاہیں جھوم جاتی ہیں

(از اودھے ناتھ نشتر لکھنوی)

بِنائے کُن فکاں، نورِ خدا کی بات کرتے ہیں
ادب کے ساتھ ختم الانبیاء کی بات کرتے ہیں
سلامی دیتی ہیں پلکیں، نگاہیں جھوم جاتی ہیں
خوشی میں جب حبیبِ کبریا کی بات کرتے ہیں
غرض تسنیم و کوثر سے، نہ ہم کو کام جنت سے
کہ ہم دل سے محمد مصطفٰے کی بات کرتے ہیں
مٹائیں ظلمتیں جس نے، دکھائی راہِ حق جس نے
ہم اُس نورِ خدا، اُس رہنما کی بات کرتے ہیں
نہ کیوں حُسنِ سخن پر ہوں ہمارے رحمتیں صدقے
زباں کوثر سے دھو کر مصطفٰے کی بات کرتے ہیں
سلام اُس ذاتِ عالی پر، دُرود اُس نورِ اقدس پر
پڑھو صلِّ علیٰ، ہم مصطفٰے کی بات کرتے ہیں
وہ جس کے نور سے روشن ہیں یہ شام و سحر نشتر
اُسی شمس الضحیٰ، بدر الدجیٰ کی بات کرتے ہیں

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

بی۔ ڈی کنیزِ احمدِ مختار ہوگئی

(ہندو شاعرہ شریمتی بُوا دتی)

مَیں کس لیے ہوں زیست سے بیزار ہوگئی
میری حیات کِس لیے دُشوار ہوگئی

فرقت نے کِس کی ہے مجھے مجنون کر دیا
میں کِس کی جان و دل سے خریدار ہوگئی

کافور ہوگئی ہے میرے دِل کی تیرگی
شکرِ خدا کہ خواب سے بیدار ہوگئی

اخلاقِ احمدی نے ہے حیراں کیا مجھے
بی۔ ڈی کنیزِ احمدِ مختار ہوگئی

اے محمّد صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلّم

(ہندو شاعرہ رام پیاری لکھنوی)

اے محمّد! تم نے ذلت سے بچایا ہے ہمیں
پریم اور پریت کا رستہ بتایا ہے ہمیں

اے محمّد! ہو ترا پیغام دُنیا میں بُلند
چاند سُورج کی طرح چمکے زمانے میں دوچند

کتابیات

قرآن مجید فرقان حمید
تفسیر سیدنا ابن عباس
تفسیر ابن کثیر
تفسیر رُوح البیان
تفسیر خازن
تفسیر مظہری
تفسیر نور العرفان
تفسیر خزائن العرفان
تفسیر ضیاء القرآن
تیسیر البیان فی ترجمۃ القرآن
صحیح بخاری شریف
صحیح مسلم شریف
سُنن ترمذی شریف
سُنن نسائی شریف
سُنن ابن ماجہ
سُنن ابی داؤد
مشکوٰۃ شریف
مسند امام اعظم
مسند امام احمد
شمائل ترمذی
مستدرکِ حاکم
دارمی
شرح صحیح مسلم (از امام نووی)
اشعۃ اللمعات
افضل الصلوٰت
شفاء شریف
خصائص کبریٰ
نسیم الریاض
وفاء الوفاء
طبقات الشافعیہ
مواہب لدنیہ
زرقانی علی المواہب
طبقات ابن سعد
جامع المعجزات
حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین
کشف الغمہ (امام شعرانی)
جذب القلوب (تاریخ مدینہ)
تاریخ الخلفاء (للسیوطی)
سیرت ابن ہشام
مدارج النبوۃ
دلائل النبوۃ
شواہد النبوۃ

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (احمد رضا مصری)
محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (محمد حنیف)
انفاس العارفین
دوسرا مدینہ
سیرتِ رسولِ عربی
شانِ حبیب الرحمٰن
مقالاتِ کاظمی
قصیدہ بُردہ شریف
اظہار الحق
بائیبل سے قرآن تک (اُردو ترجمہ اظہار الحق)
بائیبل قرآن اور سائنس (موریس بوکائیے) اُردو ترجمہ
تاریخ طبری
ابن خلدون
مذہب و اخلاق کی انسائیکلو پیڈیا (بحوالہ سیرتِ رسولِ عربی)
مصباح اللغات
مخزنِ حکمت
ارمغانِ نعت
نذرانۂ عقیدت
ہفت روزہ الاعتصام
ماہنامہ ضیائے حرم
روزنامہ جنگ لاہور و جمعہ میگزین
روزنامہ نوائے وقت لاہور
روزنامہ مشرق لاہور
روزنامہ امروز لاہور

ہفت روزہ ترجمان القرآن' لاہور
ہفت روزہ خدام الدین' لاہور
ماہنامہ شام و سحر نعت نمبر
انجیل برناباس (بحوالہ ضیاء القرآن)
بائیبل عہدنامہ قدیم (توراۃ، زبور و صحائف انبیاء
کُل تعدادِ کتب و صحائف ۳۹ عدد)
بائیبل عہدنامہ جدید (انجیل متی، انجیل مرقس،
انجیل لوقا، انجیل یوحنا، رسولوں کے
اعمال اور خطوط، کل تعداد کتب و
مکتوبات ۲۷ عدد
رسالہ تکشیف التثلیث از قائم دین مسیح
قدامت و اصلیت اناجیل اربعہ از برکت اللہ مسیح
تفسیر بائیبل از آدم کلارک،
تفسیر بائیبل " ہورن
تفسیر بائیبل " ہنری و اسکاٹ
کیتھولک ہیرلڈ
(بحوالہ اظہار الحق)
اسلام پر خیالات از کانٹ ہنری دی کاسٹری
اشاعت مذہب عیسوی اور اس کے مخالف مسلمان
از پروفیسر ایڈورڈ مونتے
اسلام کا اخلاقی و روحانی پایہ
از میجر آرتھر گلائن لیونارڈ
محمد رسول اللہ' از جان جاک ولیک
انحطاط و زوال سلطنتِ روما از ڈاکٹر گبن
ترجمہ قرآن پاک' از مسٹر جارج سیل
عربوں کی مختصر تاریخ از مسٹر پی کے ہٹی
(بحوالہ محمد رسول اللہ)

1. THE LIFE OF MUHAMMAD
BY SIR WILLIOM MEUOR

2. MUHAMMAD AND MUHAMMADENISM
BY BOSIOORTIH SMITH

3. SOCIAL LAWS OF QURAN
BY DR.ROBERTSON.

4. MUHAMMAD RASOOLULLAH
BY JHAN JOC WALIK

5 HEROES AND HERO WORSHIP
BY T.CARLY LE

6. ISLAM AND MODERISM
BY MR.MARMA DUKE PICKTHAL

7. HISTORY OF THE MORISH EMPIRE IN EUROPE
BY MR.S.P.ASCOT.

8. THE LIFE AND TEACHINGS OF MUHAMMAD
BY MR.RENIBENT.

9. HISTORY OF THE ARAB
BY PROFESSOR STADIO

10. THE LIFE OF MUHAMMAD
BY ALEX LEWASEN

11. MUHAMMAD
BY MARGOLETH